فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

جواہر العرفان

مؤلف

احمد حسن قادری

زیر سرپرستی

صوفی غلام محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

جُملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب : جواہرالعرفان

مؤلف : احمد حسن قادری

باراوّل : مئی ۲۰۱۴ء

قیمت : ۱۵۰ روپے

تعداد : ایک ہزار

کمپوزنگ : محمد عبدالرحمٰن طاہر (جہانِ حمد کمپوزنگ سینٹر 0300-2831089)

مِلنے کا پتہ

B-622 بلاک 13 فیڈرل ''بی'' ایریا۔ کراچی

فون نمبر: 021-36800765 021-36363269

0302-8580975 0333-2193515

ای میل Syedahmedhasan@engro.com

انتساب

اُن تمام عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ

کے نام

جنہوں نے اپنی جانیں

ناموسِ رسالت پر فدا کردیں

بالخصوص

سلطانِ عاشقاں، میراں محی الدین

شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

کے نام

گر قبول افتد زہے عزّ وشرف

احمد حسن قادری

دیباچہ

تمام تر حمد اللہ عزّ وجل کے لیے ہے جس نے ''جواہر العرفان'' تالیف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور بے حد و بے شمار درود و سلام ہوں آقائے نامدار، فخر موجودات، وجہ شش جہات، شفیع مذنباں، رحمت عالمیاں جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر اور آپ کے آل واصحاب پر اور آپ کے تمام اولیاء عظام پر اور علمائے اہلسنّت پر۔

بچپن سے ہی حضور اقدس ﷺ کے فضائل و مناقب اولیاء کے تذکرے اور علماء کی تقاریر سننے کا بے حد شوق تھا کتابوں سے حضور کی تعریف میں بیان کیے گئے جواہرات نوٹ کرتا، علماء کی تقاریر سے جواہرات ذہن نشین کرتا اور اپنے دوست احباب میں انہیں بیان کرتا۔ پھر اللہ عزّ وجل کا احسان عظیم ہوا کہ اس پر فتن دور میں ایک کامل فقیر حضرت صوفی غلام محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نصیب ہوئی۔ آپ کی مجالس میں ہر وقت اللہ اور اس کے رسول کا، اہلبیت اطہار، صحابہ کرام اولیائے عظام اور صالحین کا تذکرہ رہتا۔ آپ کی مجالس میں سنے ہوئے نکات گھر آکر تحریر کر لیتا پھر دوستوں میں اسے بیان کرتا۔

مرشد پاک کے صدقہ و طفیل اللہ عزّ وجل نے ''شرح اسماء النبی'' تالیف کرنے کی سعادت بخشی اس کے بعد میں نے اپنے مرشد کی نادر روزگار تصنیف ''حیات المعظم فی مناقب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ'' شائع کی۔ بلاشبہ سیرت غوث الثقلین پر لکھی گئی تمام کتابوں میں ''حیات المعظم'' کو منفرد مقام حاصل ہے کہ یہ ایسے سچے عاشق صادق کی مستند تحریر ہے جسے بارگاہِ غوثیت مآب میں تقرب حضوری اور منفرد مقام حاصل ہے۔ جس نے بھی اس کتاب کو پڑھا، یہی کہا کہ اب تک اس موضوع پر یہ سب سے عمدہ تحریر ہے۔ اس کتاب میں سرکار کے سچے عاشق کا ایک خاص روحانی فیض ہے، عاشقانِ غوث پاک کی تسکین کا جملہ سامان ہے۔ پھر اس حقیر نے حیات المعظم فی مناقب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا حصہ دوم تالیف کی اور اسے بھی حصہ اول کی طرح

بارگاہ غوثیت مآب میں قبولیت نصیب ہوئی۔

مختلف محافل میں اس حقیر کو مختلف موضوعات پر بیان کرنا پڑتا تھا۔ یہ بیانات نکات کی شکل میں تحریر تھے۔ ان جواہرات کو مستند کتابوں، صوفیاء کی مجلسوں، اولیاء کے تذکروں اور علماء کی تقاریر سے اخذ کیا گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ ان بیانات کو مکمل تحریر کر کے چھپوا دیا جائے تاکہ دیگر اہل محبت بھی اس سے مستفیض ہوں۔

فی زمانہ نوجوانوں کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ اکابرین کی ضخیم کتابیں پڑھیں لہٰذا ان کتابوں میں موجود مفید مضامین و نکات کو اختصار کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے تاکہ بہت کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات وفوائد حاصل کئے جاسکیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ''احیاء العلوم'' اور ''کیمیائے سعادت'' اصلاحِ نفس کے لیے مرشد کامل کا درجہ رکھتی ہیں مگر آج کس کے پاس وقت ہے کہ اس قدر ضخیم کتابوں کو پڑھے لہٰذا اصلاحِ نفس کے لیے امام غزالی کے بحر زخار میں سے ضروری جواہرات اس تالیف میں جمع کر دیے گئے ہیں۔

آخر میں اپنے بیٹے محمد محسن کا سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی شان وعظمت کی دفاع میں لکھا گیا مقالہ بھی شامل کر دیا ہے۔

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ حقیر کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس تالیف کو لوگوں کے دلوں میں حضور کی محبت و عظمت فزوں تر کرنے کا موجب بنائے اور نفس کی اصلاح کا سبب بنادے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم. وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیّدنا و مولنا محمد و علی آلہٖ واصحابہٖ و اولیائہٖ و علمائہٖ و امتہٖ اجمعین.

احمد حسن قادری

فہرست

حصہ اوّل

طالبِ دُعا: فقراء و علماء
فقیر القادری محمد مقصود ین نوشاہی اویسی رضوی
V-105، کنٹری ٹاور فیز 1، بیکٹر 0300-20528

حصہ اوّل

میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا جواز اور میلاد منانے کے فائدے

"لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا" (فتح: ۹)

حق تعالیٰ نے فرمایا: "ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کے رسول کی تعظیم کرو اور ان کی توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔"

اس سے پہلے کہ اس آیت کی تفسیر کی جائے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہر زمانے میں دو طرح کے لوگ موجود رہے ہیں ایک وہ جو اپنے افعال و اقوال سے حضور اقدس ﷺ کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ حضور کی رضا و خوشنودی کے خواہاں ہیں اور ایک وہ جو حضور کی بارگاہ میں بے ادبی و جسارت کا مظاہرہ کر کے حضور ﷺ کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔ حضور کے زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے اور آج بھی ہیں۔ ہم نے یہ بھی غور کرنا ہے کہ ہم کس قسم کے لوگوں میں سے ہیں۔ بیان کردہ پہلی قسم کے لوگوں میں سے یا دوسری قسم کے افراد میں سے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے حضور کے صحابہ میں ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ تھا اور لقب حمار تھا۔ شراب نوشی کا عادی تھا۔ شراب کی حرمت کے بعد بھی یہ پینا ترک نہ کر سکا کئی دفعہ پکڑا گیا حد لگائی گئی مگر پھر پینا شروع کر دیتا۔ ایک مرتبہ حد لگاتے ہوئے صحابہ نے اس پر لعنت بھیجنا چاہی تو حضور اقدس ﷺ نے فوراً فرمایا "لَا تَلْعِنُوْهُ فَاِنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ"۔ "اس پر لعنت نہ کرنا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ حضور نے ایسا کیوں فرمایا؟ اس کے دل میں موجود اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی تصدیق کیوں کی؟ اس کا کیا ایسا کام تھا کہ حضور اس کی محبت کی تصدیق فرما رہے ہیں؟ یہ شخص حضور کی مجلس میں حاضر رہتا اور دیکھتا کہ سارا دن لوگ آتے اور حضور سے اپنے غموں اور دکھوں کو بیان کرتے حضور سب کی دلجوئی فرماتے سب کے دکھوں کو بانٹتے مگر کوئی ایسا نہ آتا جو حضور کے غم بانٹتا، حضور کا حال پوچھتا۔ سارا دن یہ دیکھتا پھر وہ حضور کو خوش

کرنے کی نیت سے کوئی لطیفہ سناتا، حضور کو ہنساتا۔ بس اس کا یہ کام تھا بظاہر شراب نوشی کا ارتکاب مگر دل میں حضور کو خوش کرنے، حضور کو خوش دیکھنے کی نیت و کوشش اور حضور فرماتے ہیں خبردار اس پر لعنت نہ کرنا کہ یہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور مجھ سے محبت ہی اللہ سے محبت ہے۔

دوسرا شخص ذوالخویصرہ تمیمی تھا۔ حضور ﷺ ایک غزوہ کے بعد مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے کہ اس نے گستاخی سے کہا "اے محمد (ﷺ)! اللہ سے ڈرو اور انصاف سے کام لو" حضور کا رُخ پر نور جلال سے سرخ ہوگیا آپ نے فرمایا اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون کرے گا۔ حضرت عمر نے اس گستاخ کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو حضور نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ اسے میری امت کے بہترین لوگ قتل کریں گے اور اس کی نسل پھیلتی جائے گی ان کی عبادات دیکھ کر تم اپنی عبادات پر شرماؤ گے مگر ان سے ایمان ایسا نکل جائے گا جیسے تیر شکار سے (بخاری) تو اس دوسری قسم کے لوگوں کے بظاہر اعمال بہت ہوں گے بظاہر بڑے نمازی بڑے پرہیزگار ہوں گے مگر حضور کے گستاخ اور بے ادب ہونے کی وجہ سے ان میں ایمان کا نام ونشان نہ ہوگا۔

قرآن مجید کی پیش کردہ آیت میں اللہ عزّ وجل نے ایمان لانے کے بعد اہل ایمان پر سب سے پہلے جس چیز کو لازم کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر ہے۔ فرمایا ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور اس کے بعد صبح وشام میری تسبیح پڑھو۔ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو اپنی تسبیحات پر مقدم کیا اور اپنی تسبیح کو مؤخر فرمایا۔ کیوں؟ اس لیے تاکہ معلوم ہوجائے اگر دل میں حضور کی تعظیم وتوقیر نہیں تو تسبیحات کا کوئی فائدہ نہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا: "فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝" (پ ۹۔ اعراف ۱۵۷) پس وہ لوگ جو حضور پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور (قرآن) کی اتباع کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اس آیت میں بھی ایمان کے بعد سب سے پہلے حضور کی تعظیم کو فرض کیا۔ پھر قرآن کی پیروی کا حکم دیا اور اللہ عزّ وجل نے فرمایا "وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ" (پ ۶۔ مائدہ ۱۲) اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔ حضور اقدس ﷺ کی تعظیم بہ حکم رب العالمین ہم پر اسی طرح فرض ہے جس طرح ہمیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا اور یہ سارے فرضوں میں بڑا فرض ہے۔ سارے ایمان کی روح ہے ساری عبادتوں کی جان

ہے اگر حضور کی تعظیم میں فرق آجائے تو ساری عبادتیں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ" (پ۲۶۔ حجرات ۲) "اے ایمان والو! اپنی آواز کو حضور کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان کو ایسے پکارو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، کہیں تمہارے سارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو" بے ادبی اور گستاخی دور کی بات ہے صرف آواز بلند کرنے سے ہی اعمال کے ضیاع کا خطرہ ہے کیونکہ حضور خود ساری عبادتوں کی روح ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ عزّ وجل نے جگہ جگہ اہل ایمان کو حضور کی بارگاہ کے آداب سکھائے فرمایا: "لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" (پ۲۶۔ حجرات ۱) اللہ اور اس کے رسول سے (کسی بھی معاملے میں) پیش قدمی نہ کرو۔ اور فرمایا "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا" اے ایمان والو حضور کی بارگاہ میں راعنا مت کہو بلکہ یہ کہو کہ ہم پر نظر کرم فرمائیں اور ان کے کلام کو غور سے سنو۔ کہیں فرمایا: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ" (پ۲۶۔ حجرات ۴) جن لوگوں نے حضور کے حجرہ کے باہر حضور کو (عام انسانوں کی طرح) پکارنا شروع کر دیا ان میں اکثر بے عقل (جاہل) ہیں وغیرہ۔

حق تعالیٰ کے تلقین کردہ تمام آداب کا خیال رکھنا حضور کی تعظیم ہے۔ حضور ﷺ کو اپنے تمام معاملات میں فوقیت دینا حضور کی تعظیم میں سے ہے۔ حضور ﷺ کو اپنے والدین اور اپنی اولاد اور سارے انسانوں سے زیادہ اہمیت دینا حضور کی تعظیم میں سے ہے۔ حضور ﷺ پر ادب و محبت کے ساتھ درود و سلام پڑھنا حضور کی تعظیم میں سے ہے۔ حضور کے ذکر پر ہمہ تن متوجہ ہو جانا حضور کی تعظیم میں سے ہے۔ حضور کے نامِ نامی کو بوسہ دینا حضور کی تعظیم میں سے ہے۔ حضور سے منسوب ہر شے کا احترام کرنا حضور کی تعظیم میں سے ہے۔ سادات کا احترام کرنا حضور کی تعظیم میں سے ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں "ومن تعظیمه عمل المولد"۔ محفل میلاد کا انعقاد کرنا حضور کی تعظیم میں سے ہے۔

لفظ میلاد، مولود سے مشتق ہے جس کے معنی ولادت کے ہیں۔ ہر وہ محفل جسمیں حضور ﷺ کی آمد آمد، بعثت، تشریف آوری اور آپ کی ولادت کے وقت رونما ہونے والے واقعات کا تذکرہ

کیا جائے، محفل میلاد ہے۔

فی زمانہ حضور کی تعظیم کا انکار کرنے والے، حضور کو اپنے جیسا بشر سمجھنے والے اور صرف اعمال پر زور دینے والے افراد سیدھے سادھے مسلمانوں کو اپنی درس کی محفلوں میں بلا کر شکوک و شبہات پیدا کر کے مسلمانوں کو حضور کی تعظیم سے روکتے ہیں، حضور کی تعظیم کو شرک گردانتے ہیں اور محفل میلاد کو بدعت قرار دیتے ہیں کہ کہیں حضور کے زمانے میں میلاد ہوا؟ کیا کسی صحابی نے محفل میلاد منعقد کی یہ تو حضور کے تین سو سال بعد شروع ہوا اور یہ بدعت ہے اس کی دین میں کوئی سند نہیں وغیرہ۔

جن لوگوں کو علم نہیں ہوتا وہ ایسے لوگوں کی باتیں میں آکر اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں۔ جان لیں کہ محفل میلاد کا انعقاد یعنی ایسی مجلس جس میں حضور کی تشریف آوری کا ذکر ہو، سنت الٰہیہ ہے سنت انبیاء ہے خود حضور ﷺ کی سنت ہے، صحابہ، تابعین، اکابرین اور سلف صالحین کا طریقہ ہے۔ آج جو لوگ اس کے منکر ہیں ان کے تمام اکابرین محفل میلاد کا انعقاد کرتے رہے، ایسی مجالس میں شریک ہوتے رہے اور ہم بھی ان اکابرین، سلف صالحین کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے ہر سال عید میلاد النبی مناتے ہیں۔

سنتِ الٰہیہ: اللہ عزّ وجل نے بروز میثاق تمام ارواح انبیاء کی مجلس بلائی تمام انبیاء کے سامنے حضور کا تعارف کرایا حضور کی بعثت، تشریف آوری کا ذکر کیا اور انبیاء سے حضور پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا اور اس عہد و پیمان پر گواہ مقرر کیے۔ پھر اس سارے واقعے کا تذکرہ قرآن میں کیا اور اگر یہ قرآن میں بیان نہ ہوتا تو منکرینِ میلاد یہی کہتے کہ یہ ضعیف احادیث ہیں یا بے سند روایات ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ٥

اور یاد کریں جب اللہ نے (بروز میثاق) انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں کتاب وحکمت میں سے تمہیں کچھ دوں پھر میرے یہ رسول (حضور اقدس ﷺ) تمہارے پاس تشریف لائیں، تمہاری نبوت و رسالت اور تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتے ہوئے، تو تم ضرور بہ ضرور اُن پر ایمان لانا اور

ان کی مدد کرنا۔ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو؟ اور اس بات کا ذمہ اٹھاتے ہو؟ سب نے کہا کہ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اپنے اس اقرار و پیمان پر ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں''۔

سنتِ انبیاء: حق تعالیٰ کو علم تھا کہ حضور سب سے آخر میں آئیں گے اور انبیاء بھی جانتے تھے کہ حضور کی بعثت ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ہو گی تو اب وہ کیسے ایمان لاتے؟ کیسے مدد کرتے؟ وہ سمجھ گئے کہ حق تعالیٰ کی اس سے مراد کیا ہے وہ اپنی اقوام کے سامنے حضور کا ذکر کرتے رہے حضور کے فضائل بیان کرتے رہے حضور کی تشریف آوری کی خبر دیتے رہے اور اپنی امتوں سے اس بات کا عہد لیتے رہے کہ جب بھی حضور ان میں تشریف فرما ہوں، وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔ یہی سبب تھا کہ یہود و نصاریٰ حضور کو جانتے اور پہچانتے تھے اس طرح جس طرح کوئی اپنے بیٹے کو ہزاروں میں پہچان لیتا ہے حق تعالیٰ نے فرمایا ''یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ'' یہ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔ تو تمام انبیاء حضور ﷺ کی بعثت اور تشریف آوری کی خبر دیتے آئے اس لحاظ سے ہر نبی نے حضور کے میلاد کی یعنی حضور کی تشریف آوری کے ذکر کی مجلس منعقد کی لہٰذا محفل میلاد کا انعقاد سنتِ الٰہیہ کے ساتھ ساتھ سنتِ انبیاء بھی ہے۔

حضور کی سنّت: ترمذی شریف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خود اپنا نسب بیان کیا اور پیدائش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا آپ پر سلام ہو آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس مخلوق میں سے بہترین گروہ (انسان) کے اندر مجھے پیدا فرمایا پھر اس کو دو گروہوں (عرب و عجم) میں تقسیم کیا اور ان میں بہترین گروہ (عرب) میں مجھے پیدا فرمایا۔ پھر اللہ نے اس کے قبائل بنائے اور ان میں بہترین قبیلہ (قریش) کے اندر مجھے پیدا کیا پھر اس بہترین قبیلے کے گھر بنائے تو مجھے بہترین گھر اور نسب (بنو ہاشم) میں پیدا کیا (ترمذی۔ مسند امام احمد۔ دلائل النبوۃ۔ بیہقی)

امام بغوی نے روایت کی ہے کہ حضور نے اپنا میلاد (تذکرہ ولادت) بیان کرتے ہوئے فرمایا جب آدم کا خمیر تیار ہو رہا تھا میں اس وقت اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا۔ میں تمہیں اپنے ابتدائی حال کی خبر دوں، میں دعائے ابراہیم اور نوید مسیحا ہوں (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی بعثت کے لیے دعا فرمائی: ''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ

وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُo"

اور عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی تشریف آوری، آمد آمد کی نوید سنائی: "وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ" اور میں اپنی والدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا اور ان کے لیے ایک نور ساطع ظاہر ہوا جس سے ملکِ شام کے ایوان و قصور ان کے لیے روشن ہو گئے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی تعریف و ثنا کروں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں ہر آفت سے بچائے۔ بیان کرو پس حضرت عباس بن عبدالمطلب نے آپ ﷺ کے روبرو آپ کی پیدائش کا حال بیان کیا۔

سنتِ صحابہ: حدیث شریف میں ہے حضرت عبداللہ ابن عباس اپنے گھر میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی ولادت کے وقت رونما ہونے والے واقعات کا تذکرہ کر رہے تھے۔ لوگ یہ واقعات سن کر خوش ہو رہے تھے اور اس ذکر پر اللہ کی تعریف کر رہے تھے اور حضور پر درود پڑھ رہے تھے، اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا تم لوگوں کے واسطے میری شفاعت حلال ہو گئی۔

اکابر سلف صالحین کا طریقہ: حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے میلاد شریف کے کھانے کا اہتمام کیا، اعزہ اور احباب کو جمع کیا، چراغاں کیا، نئے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی اور یہ سب حضور کے میلاد کی تعظیم کے لیے کیا تو اللہ ایسے شخص کو قیامت میں انبیاء کے پہلے گروہ کے ساتھ اُٹھائے گا اور وہ اعلیٰ علیین میں جگہ پائے گا۔ شیخ ابو موسیٰ زرہوتی کو خواب میں حضور کی زیارت ہوئی۔ عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں کا ہر سال آپ کا میلاد منانا اور اس موقع پر خوشیاں منانا آپ کو پسند ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا "من فرح بنا فرحنا بہ". "جو ہم سے فرحت پاتا ہے ہم اس سے فرحت پاتے ہیں" جو ہمارے ذکر سے خوش ہوتا ہے ہم اس کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں۔

فیوض الحرمین میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ ربیع الاوّل کا مہینہ آ گیا مجھے ایک محفل میلاد میں شرکت کا موقع ملا۔ اس مجلس میں لوگ حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت رونما ہونے والے واقعات بیان کر رہے تھے۔ درود و سلام پڑھ رہے تھے کہ یکایک محفل پر نور کی

برسات شروع ہوگئی۔ میں اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوا کہ اس کا سبب دریافت کروں تو مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ اُن فرشتوں کا نور ہے جو ایسی مجالس میں حاضری پر متعین ہیں۔

انفاس العارفین میں شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کا واقعہ لکھتے ہیں کہ والد صاحب کا معمول تھا ہر سال ۱۲ ربیع الاوّل کو محفل میلاد منعقد کرتے دوست احباب کو مدعو کرتے حضور کا ذکرِ خیر ہوتا، فاتحہ ہوتا اور مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا۔ ایک سال قحط کے سبب گھر میں کھانا کھلانے کو کچھ نہ تھا کہ ربیع الاول کا مہینہ آ گیا۔ حسب دستور محفل میلاد ہوئی اور گھر میں موجود چنوں پر فاتحہ دے کر حاضرین میں تقسیم کئے گئے۔ محفل کے اختتام پر والد صاحب کو سخت صدمہ تھا کہ حضور کا یوم شایانِ شان طور پر نہ منایا جاسکا لوگوں کو کھانا نہ کھلا سکے۔ بار بار اس بات کی تکرار کرتے اسی رات خواب میں والد صاحب نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں آپ کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے رکھے ہیں اور بالکل سامنے وہ چنے رکھے تھے جو والد صاحب نے ایصال کیے تھے اور حضور ان چنوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے گویا یوں فرما رہے ہیں اے عبدالرحیم غم نہ کر تیرے یہ چنے بھی ہمارے ہاں مقبول ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کے ہاں ہر سال دو مجالس کا انعقاد ہوتا تھا ۱۲ ربیع الاوّل کو میلاد شریف کی مجلس اور ۱۰ محرم کو ذکرِ شہادت امام حسین کی مجلس ان مجالس میں سینکڑوں لوگ شریک ہوتے، قرآن خوانی ہوتی، درود شریف پڑھا جاتا پھر محفل وعظ ہوتی سلام و فاتحہ کے بعد حاضرین میں لنگر تقسیم کیا جاتا۔

ہفت مسئلہ میں مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں "فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور (سلام کے وقت) قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ اگر فقیر کے نزدیک یہ چیزیں غلط ہوتیں تو ان کا ایسا اہتمام نہ کرتا۔

یہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنی کتاب امداد المشتاق میں فرماتے ہیں "اگر کسی عمل میں غیر شرعی عوارض لاحق ہوں تو اُن عوارض کو دور کرنا چاہیے نہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے انکار خیرِ کثیر سے باز رکھنا ہے جیسے مولود شریف میں قیام۔ اگر حضور کا نام آنے پر کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے

ہو جاتے ہیں اگر عالمین کے سردار کے اسمِ گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا؟

مولانا عبدالحئی فرنگی محلی حقہ پیتے تھے ایک مرتبہ حقہ پی کر بغیر کلی کئے مولود شریف کی محفل میں شریک ہوئے۔ محفل میں اونگھ آگئی۔ دیکھا حضورﷺ تشریف فرما ہیں اور فرما رہے ہیں ''عبدالحئی تمہیں کچھ احساس ہے؟ ہماری محفل میں منہ صاف کئے بغیر آگئے۔''

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اخبار الاخیار'' میں فرماتے ہیں: ''یا اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جو تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں میرے تمام اعمال فسادِ نیت کا شکار ہیں البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل، محض تیری عنایت سے اس قابل ہے وہ یہ کہ مجلس میلاد کے موقع پر کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت عاجزی وانکساری اور خلوص ومحبت سے تیرے حبیب پر درود وسلام بھیجتا ہوں۔ اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے بڑھ کر، تیری طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے۔ اس لیے اے ارحم الراحمین! مجھے کامل یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعے سے دعا کرے، وہ کبھی مسترد نہ ہوگی۔''

ملا علی قاری اپنی تصنیف ''المورد الروی فی مولد النبی'' میں امام شمس الدین سخاوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: (محفل میلاد النبیﷺ باقاعدہ طور پر) قرون ثلاثہ کے بعد صرف نیک مقاصد کے لیے شروع ہوئی اور جہاں تک اس کے انعقاد میں نیت کا تعلق ہے تو وہ اخلاص پر مبنی تھی پھر ہمیشہ سے جملہ اہل اسلام، تمام ممالک اور بڑے بڑے شہروں میں آپﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینے میں محافل میلاد منعقد کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کے معیار اور عزّ وشرف کو عمدہ ضیافتوں اور خوبصورت طعام گاہوں (دستر خوانوں) کے ذریعے برقرار رکھا اور اب بھی ماہِ میلاد کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات وخیرات دیتے ہیں اور خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں بلکہ جوں ہی ماہِ میلاد قریب آتا ہے خصوصی اہتمام شروع کر دیتے ہیں اور نتیجتاً اس ماہ مقدس کی برکات اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فضل عظیم کی صورت میں ان پر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ بات تجرباتی عمل سے ثابت ہے جیسا کہ امام شمس الدین بن الجزری المقری نے بیان کیا ہے کہ ماہ میلاد کے اس سال مکمل طور پر حفظ وامان اور سلامتی رہتی ہے اور تمنائیں پوری ہونے کی بشارت بہت جلد ملتی ہے۔''

معلوم ہوا محفل میلاد کا انعقاد سنتِ الٰہیہ ہے، حضورﷺ کی سنت ہے، سنتِ صحابہ ہے اور اکابر سلف صالحین کا طریقہ ہے اور اللہ عزّ وجل نے اپنے حبیب کی تعظیم کا جو حکم دیا، اس حکم کی بجا آوری کی یہ ایک پسندیدہ صورت ہے اور اللہ نے ہمیں حضورﷺ کی تعظیم کا حکم اس لیے دیا کہ اس میں سراسر ہمارا فائدہ ہے اس فائدہ کے بیان میں مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ''انجیل میں جناب احمدﷺ کا نامِ مبارک درج تھا، آپ کے شمائل، اوصاف اور دیگر فضائل مذکور تھے، عیسائیوں کی ایک جماعت آنحضرتﷺ کے نام مبارک کو بوسہ دیتی اور وہ اس ذکر مبارک پر بطور تعظیم اپنا منہ رکھ دیتے۔ اس تعظیم کی بدولت ان کی نسل بہت بڑھ گئی اور جناب احمدﷺ کا نورِ مبارک ہر معاملے میں ان کا مددگار اور ساتھی بن گیا۔ نصرانیوں کا ایک دوسرا گروہ حضور کے نام کی بے قدری کرتا تھا وہ لوگ ذلیل وخوار ہو گئے۔ بدمذہب اور بدعقیدہ ہو گئے اور قتل کئے گئے۔ جب آنجناب کا نام مبارک ایسی مدد کرتا ہے تو خیال کرو کہ آپ کا نور پاک کس قدر مدد کر سکتا ہے؟ جب جنابِ احمد مجتبیٰﷺ کا نام مبارک ہی حفاظت کے واسطے محفوظ قلعہ ہے تو اس روح اقدس کی ذات مبارک کیسی ہوگی''۔

یہ واقعہ صاف بتا رہا ہے کہ حضور اقدسﷺ کی تعظیم سلامتی ایمان کی موجب ہے۔ حضور پر نورﷺ کی روحانی امداد، آپکی توجہ ایسے افراد کے شامل حال ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کا ایمان ضائع ہونے سے بچا رہتا ہے جبکہ اس کے برعکس حضور کی تعظیم سے منہ موڑنے والے بدعقیدہ اور بدمذہب ہو جاتے ہیں کہ ایمان بچانے کا یہ محفوظ قلعہ انہیں میسر نہیں ہوتا۔ آج بھی دیکھ لیں حضور کی تعظیم کے منکر بدعقیدہ اور بدمذہب ہو گئے ہیں۔ بظاہر وہ کتنا عمل کریں، کتنی ہی نمازیں پڑھیں ایمان ان کے دِلوں سے دُور ہے۔

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ ایسے بے دینوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور اپنے پیارے حبیب کی تعظیم اور آنجناب کی سچی محبت اور کامل اتباع کی ہمیں توفیق دے۔

آمین بجاہ النبی الکریم

اوّلُ الخلق، باعثِ عالم ﷺ

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٥ (پ ۲۷۔ حدید ۳) وہی اوّل ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوّت میں فرماتے ہیں: "ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ ساتھ حضور اقدس ﷺ کی صفات کا بیان ہے"

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر — وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

جبرئیل امین نے ایک بار، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا "السلام علیک یا اوّل! السلام علیک یا آخر! السلام علیک یا ظاہر! السلام علیک یا باطن!"۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل! یہ آیت تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء و مرسلین میں یہ آپ کے ساتھ خاص ہے۔

آپ ﷺ اوّل ہیں کہ آپ کی تخلیق تمام موجودات میں سب سے پہلے ہوئی۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں فرماتے ہیں "در حدیثِ صحیح آمدہ است" "اول ماخلق اللہ نوری" اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا آپ ﷺ مرتبہ نبوت میں سب سے اوّل ہیں، آپ نے فرمایا "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے، میں اس وقت بھی نبی تھا۔ عالم ارواح میں "الست بربکم" کے جواب میں تمام ارواح سے پہلے "بلیٰ" کہنے والے آپ ﷺ ہیں۔ ساری کائنات میں حضور اقدس ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ٥" (سورۂ انعام۔ ۱۶۲) آپ فرما دیں میری عبادات، میری قربانیاں میرا جینا میرا مرنا سب اللہ ربّ العالمین کے لیے

ہے جس کا کوئی شریک نہیں مجھے اس بات کا حکم ہوا اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

آپ ﷺ ہی آخر ہیں۔ اس اعتبار سے کہ نبوت و رسالت کا آپ پر خاتمہ کیا گیا "وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ" مگر آپ اللہ کے رسول ہیں اور آخر نبی ہیں۔ آپ پر نازل کتاب "قرآن" آخری کتاب ہے۔ آپ کا دین آخری دین ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا "نحن الاٰخرون السابقون" تمام سبقتوں کے باوجود بعثت میں ہم آخری ہیں۔ جو چیز اوّل ہو وہی آخر ہوتی ہے۔ آم کے بیج سے آم کے درخت کی ابتداء ہوتی ہے تنا، شاخیں، پتے پھول اور پھل نکلتے ہیں اور پھل میں وہی بیج (گٹھلی) ہوتا ہے جو اوّل بویا گیا تھا۔ سارے درخت کی صورت میں در حقیقت اسی بیج کا ظہور ہے۔ یہی اوّل ہے اور یہی آخر ہے۔ اس شجرۂ الکون (ساری کائنات) کی صورت میں اُسی نورِ محمدی کا ظہور ہے جس نور سے اس کائنات کی تخلیق کی گئی۔ اس اعتبار سے تمام موجودات کی صورت میں آپ ﷺ ہی کا ظہور ہے۔ حضور پُر نور ﷺ کے انوار نے سارے آفاق کو گھیر رکھا ہے۔ سارا جہاں آپ کے انوار سے روشن ہے۔ کسی کا ظہور آپ ﷺ کے ظہور کی مانند نہیں۔ کسی کا نور آپ کے نور کے ہم پلہ نہیں۔ جو بھی اس عالم میں ظاہر ہے۔ حقیقتاً آنجناب کے نور کا ظہور ہے کہ ساری کائنات آپ کے نور سے تخلیق کی گئی۔

آپ ﷺ ہی باطن ہیں کہ ہر شے کی حقیقت آپ ہیں۔ باطن سے مراد آپ کی حقیقت اور آپ کے اسرار ہیں جن کی کماحقہٗ کسی کو خبر نہیں کہ آپ ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "لم یعرفنی حقیقتاً غیر ربی" میری حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم" کا ارشاد بھی بلاشبہ حضور ﷺ کے لیے ہے کہ "فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْم" (ہر صاحب علم کے اوپر زیادہ جاننے والا ہے) کی صفت آپ ﷺ میں ہی موجود ہے۔

شیخ ابوالعبّاس، سیّد احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیعت کے لیے گئے تو انہوں نے شیخ ابوالعباس کو شیخ عبدالرحیم کے پاس بھیجا۔ شیخ عبدالرحیم نے شیخ ابوالعباس سے پوچھا کیا تمہیں حضور اقدس ﷺ کی معرفت حاصل ہے؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ تو شیخ عبدالرحیم نے روحانی توجہ فرمائی اس توجہ کے سبب شیخ ابوالعباس نے دیکھا کہ عرش و فرش، آسمان و زمین الغرض کائنات کی ہر شے میں حضور ﷺ کا نورِ مبارک موجود ہے۔ پھر شیخ عبدالرحیم نے وہی سوال پوچھا تو جواب

دیا، ہاں۔ شیخ عبدالرحیم نے فرمایا قطب، قطب اس وقت بنتا ہے، اوتاد اس وقت اوتاد بنتا ہے اور ولی تب ولی ہوتا ہے جب اسے حضورﷺ کی معرفت حاصل ہو جائے۔

جب کچھ نہ تھا صرف ذاتِ حق موجود تھی تو وہ ذات ایک مخفی خزانہ کی طرح تھی۔ حدیث قدسی میں ہے "**کنت کنزا مخفیا فاحببت فخلقت الخلق ان اعرف**" حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں ایک مخفی خزانہ کی طرح تھا پس مجھے اس بات سے محبت ہوگئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق (نورِ محمدی) کو پیدا کیا۔ جب اللہ نے چاہا تو اس کے نور سے ایک نور مثل آئینہ ہویدا ہو کر سامنے آگیا اس آئینہ حق نما میں جب حق تعالیٰ نے اپنا جلوہ دیکھا تو اس جلوہ پر فریفتہ ہو گیا پھر اس جلوہ کے اظہار کے لیے، نور محمدی کے ظہور کے لیے ساری کائنات کو پیدا کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ نور محمدیﷺ کی تخلیق کا مقصد اللہ کی معرفت ہے کہ اللہ نے فرمایا: میں نے خلق (نورِ محمدی) کو اس لیے پیدا کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔

جب اللہ کے سوا کوئی تھا ہی نہیں تو وہ پوشیدہ کس سے تھا؟ اللہ عزّ وجل قدیم، ازلی اور ابدی ہے۔ اس کی جملہ صفات قدیم ہیں وہ ازلی طور پر رب، خالق، رازق، ستار و غفار ہے مگر ان تمام صفات کا ظہور نہ ہوا تھا۔ نہ مخلوق تھی نہ وہ کسی کا خالق کہلاتا تھا نہ مربوب تھی نہ وہ کسی کا رب تھا، نہ کوئی گناہگار تھا کہ وہ اس کے گناہ بخشتا اور اس کی پردہ پوشی فرماتا۔ حق تعالیٰ نے ان تمام صفات کے اظہار کے لیے نور محمدی تخلیق کیا پھر اس نور سے جملہ مخلوقات کو پیدا فرمایا اور پھر اللہ کی صفات کا اظہار ہونے لگا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضورﷺ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا: "**یا جابر ان اللہ اول خلق نور نبیک من نورہ و خلق کلھم من نوری**" اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور پھر ساری مخلوقات کو میرے نور سے پیدا کیا۔ صحابی کا سوال بتا رہا ہے کہ صحابہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورﷺ اوّل الخلق کے بارے میں جانتے ہیں۔ جبکہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضورﷺ کو کسی چیز کی خبر نہیں حضورﷺ کو تو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں اور اپنے اس غلط عقیدے پر قرآن سے دلیل بھی دیتے ہیں "**لَا اَدرِیٓ مَا یَفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ**" میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ اصل میں ان لوگوں نے دین کا علم عالموں سے حاصل نہیں کیا۔ اِدھر اُدھر سے لوگوں کو پکڑ کر، پہلے کہتے ہیں کلمہ سناؤ! پھر اسے تبلیغ پر لے جاتے ہیں پھر حضورﷺ کے متعلق غلط عقائد ان کے

ذہنوں میں بٹھا دیتے ہیں۔ صرف دینی کتابیں پڑھنے سے کوئی عالم نہیں بن سکتا اور نہ ہی دین کی کوئی صحیح سمجھ نصیب ہوتی ہے۔ کیا صرف میڈیکل کی کتابیں پڑھ کر کوئی ڈاکٹر بن سکتا ہے؟ اگر بنے گا تو ایسا علاج کرے گا کہ مرض رہے گا نہ مریض۔ آیتیں پڑھ کر اس طرح کے نتیجے نکالنا خارجیوں کا طریقہ تھا۔ انہوں نے آیت پڑھی "اِنِ الْحُکْمُ اِلا للّٰہ" حکم صرف اللہ کا ہے۔ حاکم صرف اللہ ہے، ہم کسی کی حکومت نہیں مانتے۔ پھر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خروج کیا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہ تک یہ بات پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کلمة حق و ارید بها باطل" کلمہ حق ہے مگر ان کی مراد باطل ہے۔

جان لیں کہ علم کئی طرح کا ہوتا ہے اس میں سب سے ناقص علم، جس میں غلطی کے امکانات سب سے زیادہ ہوتے ہیں وہ ادراک یعنی اپنی عقل وفہم سے جانتا ہے ایک علم وحی الٰہی ہے اور ایک عالم، علمِ الٰہی میں غوطہ زن ہونا ہے۔ اس آیت میں ادراک کی نفی ہے اور وحی الٰہی اور علم الٰہی کا اثبات ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے قیامت تک ہونے والے واقعات اور قیامت کے بعد رونما ہونے والی باتیں بھی بتادیں۔ حضور اقدس ﷺ علمِ الٰہی میں ایسے غطہ زن ہیں کہ اکثر جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے سے پہلے، علمِ ولایت کے سبب خود پڑھنا شروع کر دیتے تو اللہ عزّ وجل نے یہ آیت نازل فرمائی "وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ وَحْیُهٗ" (سورہ طٰہٰ ۔۱۱۴) وحی کے مکمل ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں۔ ارے حضور اقدس ﷺ کی تو بڑی بلند شان ہے اگر کسی جانور کو بھی آنجناب ﷺ سے نسبت ہو جائے تو اس کے علم سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔

ایک ہزار برس قبل تبہ اوّل اپنے لشکر اور علماء وفضلاء کے ہمراہ مدینہ آیا اور اقامت گزیں ہوا۔ اس کے حکماء وفضلاء نے اسے خبر دی کہ اس سرزمین میں خیر کثیر کا ظہور ہوگا۔ یہاں نبی آخر الزماں جن کا اسم گرامی محمد ﷺ ہے، سکونت پذیر ہوں گے۔ بادشاہ نے چار سو مکانات وہاں تعمیر کروائے اور ایک خط حضور کے لیے لکھا کہ "اے محمد ﷺ میں آپ پر اور آپ کے رب پر ایمان لایا اور میں آپ کے دین پر ہوں۔ اگر میں آپ کو پاؤں گا تو یہ میری عین مراد ہے اور اگر نہ پا سکا تو قیامت میں آپ میری شفاعت فرمایئے گا کہ میں آپ کی اگلی امت میں ہوں" بادشاہ نے یہ خط ایک عالم کو دیا پھر یہ خط اس کی اولاد در اولاد ہوتا ہوا حضرت ابوایوب انصاری تک پہنچا۔ حضور اقدس ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ہر صحابی چاہتا تھا کہ حضور اس کے یہاں قدم رنجہ فرمائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میری اونٹنی کو چھوڑ دو یہ جہاں رکے گی وہیں ٹھہروں گا چنانچہ وہ اونٹنی حضرت ابوایوب انصاری کے مکان پر جا کر رک گئی۔ حضرت ابوایوب انصاری نے وہ خط حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے خط سن کر فرمایا "مرحبا بالاخ الصالح" تو حضور سے نسبت کے سبب اونٹنی کو علم تھا کہ اس نے کہاں اور کیوں رکنا ہے۔

فتح خیبر میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس میں ایک خچر بھی تھا۔ اس خچر نے حضور ﷺ سے عرض کیا میری نسل کے گدھوں کو انبیاء کی سواری بننے کا شرف ملا ہے۔ یارسول اللہ ﷺ میں اس نسل کا آخری گدھا ہوں اگر آپ مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں تو آپ کی عنایت ہوگی۔ حضور ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور اس کا نام یافور رکھا۔ حضور جب کسی صحابی کو بلانا چاہتے تو یافور سے کہتے فلاں کو بلا لاؤ وہ جاتا اور مکان کے دروازے پر اپنا منہ مارتا۔ صحابی حضور کے خچر کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ حضور نے بلایا ہے۔ ایک مرتبہ کمال ہوگیا۔ حضور نے فرمایا یافور عبداللہ کو بلا لاؤ۔ وہ چل دیا۔ اب عبداللہ نام کے کئی صحابی تھے عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن مسعود وغیرہ۔ جب یافور واپس آیا تو اسی عبداللہ کے ساتھ آیا جسے حضور ﷺ بلانا چاہتے تھے۔

تو حدیث میں صحابی کا سوال بتا رہا ہے کہ صحابہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ کو اوّل الخلق کا بھی علم ہے۔ حضور ﷺ نے بھی سوال سن کر یہ نہ فرمایا کہ مجھے کیا خبر۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ساری مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے پھر کل مخلوقات کو پیدا کیا اور جو چیز اوّل ہو وہی آخر ہوتی ہے جیسا کہ درخت کی مثال میں بیان کیا گیا۔ اس شجرۃ الکون کی صورت میں درحقیقت نورِ محمدی ﷺ کا ظہور ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: "انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری" میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے [1]

---

[1] مخالفین لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اگر حضور کے نور کو اللہ نے اپنے نور سے پیدا کیا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضور کا نور اللہ کے نور کا جز یا ٹکڑا ہے جبکہ اللہ کا نور اجزاء ہونے سے پاک ہے بلکہ یہ یہاں تک کہتے ہیں کہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور بیٹا بھی باپ سے ہوتا ہے، باپ کا جز ہوتا ہے اور یہ سنّی بریلوی بھی حضور کو اللہ کے نور کا جز مانتے ہیں تو ان میں اور عیسائیوں میں کوئی فرق نہیں جیسے عیسائی مشرک ہیں ویسے ہی یہ لوگ مشرک ہیں (نعوذ باللہ) اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں یہی حدیث لکھی ہے اگر اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے یہ ہمیں مشرک قرار دیتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ سب سے پہلے اپنے تھانوی کو مشرک کہیں کیونکہ انہوں نے اسی حدیث سے اپنی کتاب کا مضمون شروع کیا۔ ان کے مولویوں نے اپنی کئی کتابوں میں اس حدیث کو لکھا ہے اور اس بات کا اقرار کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے حضور کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ انہیں چاہئے کہ ان تمام کو یہ مشرک قرار دیں۔ عالم کا کام لوگوں کو دھوکہ دینا نہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور کا نور اللہ کے نور کا جز یا ٹکڑا نہیں تو حدیث کا مطلب ہے کہ اللہ نے اپنے نور کے فیض سے حضور اقدس ﷺ کے نور کو پیدا کیا......

حضور ﷺ ہی اوّل ہیں۔ حضور ہی آخر ہیں۔ حضور ہی ظاہر ہیں۔ حضور ہی باطن ہیں۔ جس نے آپ کو دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔ جو آپ ﷺ تک پہنچا وہ حق تک پہنچ گیا۔ آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ کی رضا، رضائے الٰہی ہے۔ آپ کو تکلیف دینا اللہ کو تکلیف دینا ہے۔ آپ کا کلام فرمانا حق کا کلام فرمانا ہے۔ "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" (سورۃ نجم ۔۳۔۴) حضور اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ جو بھی فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہے۔ آپ کا کنکریاں پھینکنا، اللہ کا کنکریاں پھینکنا ہے۔ فرمایا: "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" اور آپ نے کنکریاں نہیں پھینکی اور جب آپ نے پھینکی تو وہ اللہ نے پھینکی"۔ آپ ﷺ کا تقرّب قربِ حق ہے آپ کو دیکھنا عین حق کو دیکھنا ہے۔ "من رأنی فقد رأ الحق" حق تعالیٰ کا جیسا ظہور آنجناب کی ذاتِ مقدسہ کی صورت میں ہوا ایسا کسی اور شے میں نہ ہوا۔ رسالہ غوث الاعظم میں ہے: حق تعالیٰ نے سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا "لیس ظھوری فی شیء کظھوری فی الانسان" میرا جیسا ظہور اس انسانِ کامل ﷺ میں ہوا، ایسا ظہور کسی اور شہ میں نہ ہوا۔ بدعقیدہ اور گمراہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا اس عالم سے تعلق منقطع ہوگیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال بالکل غلط ہے۔ عالم کا ظہور حضورِ اقدس ﷺ کے نورِ مبارک سے ہوا اور سارے عالم کی روح رواں اب بھی حضور اقدس ﷺ کی روح مقدسہ ہے

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی ، جان ہے تو جہان ہے

بقیہ...... اللہ کا نور قدیم ہے حضور کا نور حادث ہے قدیم اور حادث برابر نہیں ہو سکتے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ ذہن میں رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فاذا سویتہٗ فنفخت فیہ من روحی" جب میں آدم کو بنا سنوار لوں اور پھر میں اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں "فقعوا لہ ساجدین" تو تم سب اس کو سجدہ کرنا۔ اللہ نے آدم میں اپنی روح میں سے روح پھونکی یا نہیں؟ تو کیا جو روح آدم علیہ السلام کے اندر گئی وہ اللہ کی روح کا کوئی جز یا ٹکڑا تھی؟ اللہ کی روح کا جز علیحدہ ہو کر آدم میں چلا گیا تھا؟ جس طرح اللہ کا نور اجزاء سے ہونے سے پاک ہے۔ اس طرح اللہ کی روح ٹکڑے یا اجزاء ہونے سے پاک ہے اللہ نے اپنی روح سے آدم میں روح پھونکی اور اپنے نور سے نور محمدی کو پیدا کیا نہ روح کے ٹکڑے ہوئے نہ نور کے ہمارا قرآن پر بھی ایمان ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر بھی اور جو اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے نور سے کیسے رسول اللہ ﷺ کے نور کو پیدا کیا تو اس کا جواب ہے۔ ویسے ہی پیدا کیا جیسے اللہ نے اپنی روح سے پھونکا۔ تم یہ بتا دو کہ اللہ نے اپنی روح سے آدم میں کیسے روح پھونکی تو جو تمہارا جواب وہی ہمارا جواب۔ نہ روح ٹکڑے ہوئی نہ نور۔ اللہ نے اپنے نور کے فیض سے حضور کا نور پیدا کیا اور اپنی روح کے فیض سے آدم میں روح پھونکی۔

پچھلی صدی کی ابتدا میں ہی علمائے طبیعات (Physics) پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ ساری کائنات میں غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) تخلیقی نورنی شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں، کائنات کا کوئی گوشہ ان سے خالی نہیں۔ ان شعاعوں کا مرکز نا معلوم ہے۔ بعض کے مطابق ایک ارب نوری سال کے فاصلے پر ہے مگر اصل مبداء ہنوز نا معلوم ہے۔ تجربات سے معلوم ہوا کہ یہی شعاعیں Waves کائنات میں مادّے کی تخلیق کا مستقل ذریعہ ہیں اور یہی شعاعیں مخصوص حالات میں دو متزاد چارج کے برقی اجزاء میں منقسم ہو جاتی ہیں جنہیں علم طبیعات میں الیکٹرون اور پازیٹرون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان دو اجزاء کا مومنٹم مساوی اور برعکس ہوتا ہے اور اس طرح توانائی مادے میں تبدیل ہو جاتی ہے پھر اس برق سے ایٹم وجود میں آتا ہے جو مادّہ کا سب سے چھوٹا حصہ ہے۔ اس وقت جو سائنسی ترقی نظر آ رہی ہے وہ انہیں شعاعوں کو دریافت کرنے اور ان سے کام لینے کے سبب ہے۔ آج اطلاعات کا سارا نظام (Telecommunication) انہیں شعاعوں پر چل رہا ہے کہ کائنات کا کوئی گوشہ ان سے خالی نہیں ۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید   کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں۔ آپ جہاں چاہیں اطرافِ زمین میں اور عالمِ ملکوت میں تصرّف کرتے ہیں اور آپ اسی ہیئت پر ہیں جس پر آپ ظاہری وفات سے پہلے تھے۔ پس جب حق تعالیٰ کسی کو حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے حجاب دور کر دیتے ہیں اور وہ شخص آپ کو اسی حالت پر دیکھتا ہے جس پر آپ تھے۔

شیخ علی نور الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام پر فرماتے ہیں کہ بات وہی ہے جو جلال الدین سیوطی نے فرمائی مگر ہم جو دیکھتے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ اور خاص ہے۔ وہ یہ کہ آنجناب رسالتمآب ﷺ کے وجود مقدّس سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ نہ زماں نہ مکاں، نہ محل نہ امکاں، نہ عرش نہ کرسی، نہ لوح نہ قلم، نہ جنگل نہ سمندر۔ آپ ﷺ کے وجود مقدّس سے سارا عالم اعلیٰ اس طرح پُر ہے جس طرح سارا عالم اَسفل۔

شیخ ابوالمواھب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے موت نہیں۔ میری موت سے مراد صرف میرا اس

شخص سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ جسے معرفتِ الٰہی حاصل نہیں لیکن جسے معرفت حاصل ہے، پس یہ میں ہوں کہ اسے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے دیکھتا ہے۔

شیخ محمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ وہ سمندر ہیں جس سے رحمٰن کی خوشبوئیں جاری ہوئی ہیں اور آپ ﷺ وہ قطب ہیں جس پر موجودات کے افلاک گردش کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ وہ نور ہیں جو عوالم حق اور جبروت کے عرش سے چمکا ہے۔ آپ ﷺ وہ راز ہیں جو عوالم ملک وملکوت کے سورج سے روشن ہوا ہے۔ آپ ﷺ جملہ انوار کو فیض پہچانے والے آفتاب ہیں اور تمام اسرار کا احاطہ کرنے والی بارگاہ ہیں۔

خزینہ معارف (ابریز شریف) میں شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ احمد بن عبداللہ غوث نے اپنے مرید سے کہا بیٹا اگر سیدنا محمد ﷺ کا نور نہ ہوتا تو زمین کے اسرار میں سے ایک سر بھی ظاہر نہ ہوتا آپ کا نور معظّم نہ ہوتا تو کوئی چشمہ نہ ابلتا، نہ کوئی دریا بہتا۔ آپ کا نورِ مبارک مارچ کے مہینہ میں یعنی موسم بہار کے شروع میں تمام بیجوں پر تین مرتبہ مہکتا ہے۔ جس کی برکت سے انمیں پھل آتا ہے۔ اگر نور محمدی نہ ہوتا تو کوئی تخم پھل نہ لاتا۔ بسا اوقات ذاتِ انسانی ایمان کے بوجھ کو اٹھانے سے عاجز آکر اسے پھینک دینے کا ارادہ کرتی ہے کہ دفعتاً نورِ محمدی مہکتا ہے اور بارِ ایمان کو اٹھانے میں مددگار ہوجاتا ہے۔ آپ ﷺ کے نورِ پاک کی برکت سے مومن کو ایمان شیریں اور پاکیزہ معلوم ہونے لگتا ہے اور وہ تباہ ہونے سے بچ جاتا ہے

تو روحِ محمدی، حقیقتِ محمدی اب بھی اس عالم کی روحِ رواں ہے۔ اس حقیقت محمدی سے استفادہ کا طریقہ بتاتے ہوئے حضرت شیخ محمد بن عبدالکریم السمان المدنی اپنے رسالہ ''التوجہ روحی'' میں فرماتے ہیں ''اے طالب تو اپنی آنکھ بند کر کے دل کی بینائی سے یہ ملاحظہ کر کہ سارا عالم آنحضرت سے پُر ہے۔ آپ اس عالم کا عین ہیں (اس عالم کی حقیقت، اس عالم کی روح ہیں) آپ نورِ محض ہیں جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے اور محسوس کر کہ تو اس نور میں غرق ہے۔ پس جب تجھ کو اس نور میں استغراق، محویّت اور غائب ہونا حاصل ہوگا اسوقت تو مقامِ فنا کے ساتھ متصف ہوجائے گا اور جس کسی کو بھی حضور ﷺ میں فنا کا مقام حاصل ہوا، اس نے آپ ﷺ کی محبت کا ذوق حاصل کیا۔

اس کے بعد فنا الفناء کا مقام ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ

ہوتے وقت یہ محسوس کرے کہ حضورﷺ خود اپنی ذات کی طرف متوجہ ہیں یہاں تک کہ تو حضورﷺ کی ذاتِ مقدسہ میں محو ہو جائے اور حضور پر درود شریف پڑھتے وقت بھی یہ تصور کر کہ درود شریف پڑھنے والے خود حضور ہیں، نہ کہ تو ہے۔ کیونکہ تو خود اور تمام چیزیں حضور کے نور سے پیدا ہوئیں۔ تمام ذرّات عالم میں سے ہر ذرّہ حضور سے موجود ہے۔ ہر ذرّہ میں اس مخفی تعلق کا راز موجود ہے اور تو بھی جملہ اشیاء میں سے ایک شہ ہے تجھ میں بھی حضورﷺ سے تعلق کا راز موجود ہے۔ پس وہی رازِ محمدی جو تجھ میں پوشیدہ ہے، حضور کی طرف متوجہ ہے اور ہمیشہ یہ راز تیری توّجہ کے موافق تجھ پر غالب ہوتا رہے گا حتی کہ تو حضورﷺ میں مستغرق ہو جائے گا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف مسلسل ترقی کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ مقام بقا میں منتقل ہوگا بس اس وقت تو انسانِ کامل حقیقت محمدی کا وارث اور کمالاتِ مصطفوی کا جامع ہوگا۔

احسانِ عظیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا. (سورۂ آل عمران۔۱۶۴)

''تحقیق اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں اپنا رسول مبعوث فرمایا''

اللہ عزّ وجل کی ہم پر ان گنت نعمتیں ہیں۔ زندگی کتنی بڑی نعمت ہے۔ صحت کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہوا، اگر نہ ملے تو زندگی ختم ہو جائے۔ پانی نہ ملے تو حیات ندارد ہو جائے جس کے پاس آنکھیں نہیں ذرا اس سے پوچھیں تو وہ اپنی ساری دولت کے عوض آنکھیں حاصل کرنا چاہے گا الغرض ایسی ایسی نعمتیں اللہ نے ہمیں عطا کیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ضائع ہو جائے تو زندگی اجیرن ہو جائے۔ اللہ نے کسی بھی نعمت کو بطور احسان نہ جتلایا سوائے اس نعمت عظمیٰ کے جو اللہ نے اس شان والے رسول، امام الانبیاء اور اپنے حبیب کو ہم میں مبعوث فرمایا۔ پتہ چلا کہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے کہ ساری نعمتیں اسی نعمت عظمیٰ کے طفیل ہیں اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ کائنات ہوتی، نہ ہم ہوتے نہ ظہورِ رب ہوتا۔ حق تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا ''لولاک لما خلقت الافلاک. لولاک لما اظهرة الربوبية'' اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں ان آسمانوں کو پیدا نہ فرماتا اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ فرماتا۔

سب سے پہلے ہمارے نبی کے نور کی تخلیق ہوئی پھر آپ کے نورِ مبارک سے ساری مخلوقات کو پیدا کیا گیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''انا من نور الله و الخلق کلهم من نوری'' ''میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے۔''

دُنیا و آخرت کی ساری نعمتیں حضور ﷺ کے طفیل ہیں۔ اس نعمتِ عظمیٰ کی تشریف آوری کو حق تعالیٰ نے ہم پر بطور احسان جتلایا اور اپنے حبیب کی تعظیم کے لیے اللہ نے ایمان والوں کو کثرت سے درود و سلام پڑھنے کی تاکید۔ ارشاد باری ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا٥ (سورۂ احزاب۔۵۶) ''بے شک اللہ اور

اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والوں تم بھی حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔"

اللہ نے آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور اپنے حبیب کی تعظیم کے لیے ایمان والوں کو درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا۔ آدم کی تعظیم کے لیے جس بات کا حکم دیا گیا، اللہ اس میں خود شریک نہ تھا مگر اپنے حبیب کی تعظیم کے لیے جس بات کا حکم دیا اس میں وہ خود بھی اور اس کے تمام ملائکہ بھی شریک ہیں۔ آدم کی تعظیم سے جس نے منہ موڑا، اللہ نے پھر نہ اس کی نمازوں کو دیکھا نہ عبادات کو نہ علم کو نہ توحید کو، چھ لاکھ برس اللہ کی عبادت کرنے والے اور فرشتوں کو درسِ توحید دینے والے ابلیس کو راندہ درگاہ کر دیا قیامت تک کے لیے طوق ملامت ڈال دیا تو جو اس کے حبیب کی تعظیم کا انکار کرے اس کا وہ کیا انجام کرے گا؟

یہ صلاۃ یعنی درود ہے کیا؟ بعض علماء نے اس سے مراد رحمت لی ہے۔ اگر صلوٰۃ سے رحمت مراد لی جائے تو آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ" بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والوں تم بھی آپ ﷺ پر رحمت اور سلام بھیجو"۔ یا اللہ ہم اس رحمتِ عالمیاں پر کیسے رحمت بھیج سکتے ہیں؟ ہم تو خود ان کی رحمتوں کے محتاج ہیں، ہمارے پاس رحمت کہاں؟ لہٰذا ہم اللہ سے عرض کرتے ہیں "اللھم صَلِّ علی مُحمّد و علی آل مُحمّد و بارِک وسلِّم" اے اللہ تو محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت اور سلامتی نازل فرما۔ تو حقیقتاً درود یعنی رحمت اللہ بھیج رہا ہے، نام ہمارا ہو رہا ہے۔

علماء نے جو فرمایا کہ کہ صلوٰۃ بمعنیٰ رحمت ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ صلوٰۃ اور رحمت دو علیحدہ چیزیں ہیں جیسا کہ اللہ عزّ وجل نے فرمایا "اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ" (سورۂ بقرہ۔۱۵۷) یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ اور رحمت ہے۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ اور چیز ہے رحمت اور چیز ہے۔

بخاری شریف میں ایک تابعی بزرگ حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صلوٰۃ کے معنی "تعریف اور ثنا" کیے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد لیے جائیں تو آیت کا مطلب ہوا۔" بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ کی تعریف و ثنا میں مشغول ہیں تو اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ کی تعریف و ثنا کرو اور احترام کے ساتھ ان پر سلام بھیجو"۔ یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم حضورِ اقدس ﷺ کی کماحقہ، تعریف و ثنا کیسے کر سکتے ہیں جبکہ ہم آپ ﷺ کی شان و عظمت سے حقیقتاً واقف

نہیں۔ اور ہم کیا، حضور اقدس ﷺ کے سب سے قریبی ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ نے خود فرمایا ''اے ابوبکر! مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا لم یعرفنی حقیقتاً غیر ربی میری حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ جب ہم آپ ﷺ کی حقیقت اور شان و عظمت سے واقف ہی نہیں تو آپ ﷺ کی تعریف و ثنا کماحقہٗ بیان کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا ہم حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتے ہیں ''اللھم صل علی محمّد و علی ال محمّد و بارک وسلم'' اے اللہ! تو حضور ﷺ اور آپ کی آل کی تعریف و ثنا کر جیسا کہ ان کی تعریف و ثنا کا حق ہے اور ان پر برکتیں اور سلامتی نازل فرما۔

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ محفلِ میلاد کا انعقاد درحقیقت اس آیت کریمہ پر عمل پیرا ہونا ہے۔ محفلِ میلاد میں پہلے حضور ﷺ کی تعریف و ثنا نعتوں کی شکل میں اور تقریر و بیان کی شکل میں کی جاتی ہے پھر ادب و احترام سے حضور ﷺ پر سلام پڑھا جاتا ہے۔ اسی سبب فقہاء نے فرمایا: ''ومن تعظیمه عمل المولد'' محفلِ میلاد کا انعقاد حضور کی تعظیم میں سے ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی تعظیم و توقیر کی تعلیم دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا: ''لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا'' (فتح:۹) ''ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کے رسول کی تعظیم کرو اور ان کی توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔''

تو اللہ عزّ و جل نے آدم کی تعظیم کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور حضور ﷺ کی تعظیم کے لیے مومنوں کو حضور کی ثناء و تعریف کرنے اور آپ پر سلام بھیجنے کا حکم دیا۔ جان لیں کہ حضور کی ثنا خوانی، آپ کی خوشنودی اور رضامندی کی موجب ہے اور آپ کے خوش ہونے سے اللہ خوش ہوتا ہے، آپ کے راضی ہونے میں اللہ کی رضا ہے۔

کفار، مشرکین مکہ اور منافقین حضور میں نقص نکالتے، تنقید کرتے اعتراضات کرتے۔ کبھی آپ کو محمد ﷺ کے بجائے، مزمم کہتے کبھی آپ کے علم پر اعتراض کرتے تو حضور رنجیدہ ہوتے ان کے جواب میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور کی تعریف و ثنا کر کے حضور کو خوش کر دیتے۔

و احسن منک لم ترقط عینی   واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأ من کل عیب   کانک قد خلقت کما تشاء

''یارسول اللہ، اللہ نے آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا اور آپ کو ویسے ہی بنایا جیسا

آپ نے خود چاہا اور آپ جیسا حسین میری آنکھوں نے نہ دیکھا اور آپ جیسا جمیل کسی ماں نے نہ جنا"۔ حضور اقدس ﷺ ان تعریفی کلمات پر خوش ہو جاتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے جیّد عالم اور محدّث تھے۔ حضور ﷺ کے سچے عاشق اور ثنا خواں تھے۔ آخری عمر میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور نصف بدن بیکار و بے حس ہو گیا۔ اس وقت کے اطباء سے بڑا علاج کروایا مگر افاقہ نہ ہوا بالآخر سب نے جواب دے دیا۔ امام بوصیری نے حضور ﷺ کی تعریف میں قصیدہ کہا جس میں پہلے حضور کی تعریف و ثنا کی گئی، حضور کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے پھر آخر میں اپنی حالت زار بیان کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ سے استغاثہ کیا۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ سواک عند حلول الحادث العمم

اے تمام مخلوق سے بزرگ تر آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس سے حادثہ عام کے نازل ہونے میں پناہ چاہوں۔ امام بوصیری فرماتے ہیں مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حضورِ اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ کے روبرو انبیاء اور اولیاء کا اژدھام ہے، خوش قسمتی سے میں بھی اس مجلس میں موجود ہوں۔ حضور ﷺ نے مجھے طلب فرمایا اور کہا اے شرف الدین! تم نے ہماری تعریف و ثنا میں جو لکھا ہے، اسے سناؤ۔ چنانچہ میں نے پورا قصیدہ آپ کے حضور پڑھا۔ جب میں قصیدہ سنا رہا تھا تو حضور ایسے جھوم رہے تھے جیسے صبح کی ٹھنڈی ہوا درختوں کو ہلاتی ہے۔ جب میں نے قصیدہ مکمّل کیا تو آپ نے میرے مفلوج اعضاء پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اپنی چادر مبارک مجھے عطا فرمائی۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے جسم پر فالج کا ذرّہ برابر اثر باقی نہ رہا اور آپ کی عطا کردہ چادر شریف میرے ہاتھوں پر تھی۔ میں بلا کسی سہارے اٹھا، وضو کیا اور شکرانے کے نفل پڑھے۔ دوسرے دن ایک درویش آیا اور کہا اے شرف الدین مجھے وہ قصیدہ لکھ دو جس کا پہلا شعر "امن تذکر جیران بذی سلم" ہے۔ امام شرف الدین بڑے حیران ہوئے اور کہا کہ اب تک میرے اس قصیدے سے کوئی مطلع نہیں، تمہیں اس کا کیسے پتہ چلا؟ درویش نے کہا شرف الدین میں اس محفل میں موجود تھا جس میں تم نے حضور کے روبرو قصیدہ پیش کیا اور حضورِ اقدس ﷺ نے تمہیں لاعلاج مرض سے شفا بخشی۔ اے شرف الدین وہ قصیدہ مجھے دو تا کہ لوگ اس سے استفادہ کریں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضور

اس کو سن کر کس قدر خوش ہوئے اور کیسا اس کی طرف متوجہ ہوئے! امام بوصیری نے قصیدہ بُردہ شریف درویش کو لکھ کر دیا۔ ''بُردہ'' یمنی چادر کو کہتے ہیں کیونکہ حضورﷺ نے بطورِ انعام چادر عطا فرمائی اس بنا پر قصیدہ کا نام قصیدہ بُردہ مشہور ہوگیا۔ لوگوں پر امام شرف الدین بوصیری کی صحت یابی کا راز کھل گیا اور قصیدہ کی برکت عام طور پر ظاہر ہونے لگی۔

ایک اور واقعہ جسے ابن تیمیہ کے شاگرد حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب ''جلا الافہام'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بغداد شریف میں امام ابوبکر بن مجاہد علماء کو درس حدیث دے رہے تھے۔ امام ابوبکر بن مجاہد کا محدّثین میں بڑا بلند مقام ہے۔ جب آپ درس دے رہے تھے تو سامنے سے حضرت ابوبکر شبلی جو حضرت جنید بغدادی کے مُرید تھے اور اُن دنوں حالت جذب میں تھے، تشریف لائے۔ شبلی کو دیکھ کر امام ابوبکر بن مجاہد کھڑے ہوگئے، جب یہ کھڑے ہوئے تو ساری مجلس کو کھڑا ہونا پڑا۔ امام ابوبکر بن مجاہد نے آگے بڑھ کر حضرت شبلی کا استقبال کیا انہیں اپنے سینے سے لگایا ان کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اپنے ہمراہ بٹھالیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو آپ نے دوبارہ درس حدیث شروع کردیا کچھ دیر بعد حضرت شبلی اٹھ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد علماء نے عرض کیا کہ ہم اہلِ بغداد تو شبلی کو پاگل و دیوانہ سمجھتے ہیں اور آپ نے اس کی ایسی تکریم فرمائی کہ درسِ حدیث چھوڑ کر اس کے احترام میں کھڑے ہوگئے اس کو اپنے سینے سے لگایا، پیار کیا اور اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دی! امام ابوبکر بن مجاہد نے فرمایا خدا کی قسم میں نے شبلی کے ساتھ ویسا ہی کیا جیسا میں نے خواب میں رسول اللہﷺ کو کرتے دیکھا۔ علماء کے استفسار پر آپ نے فرمایا میں گزشتہ شب خواب میں حضور اقدسﷺ کی مجلس میں حاضر تھا۔ بڑے بڑے اولیاء، علماء اور فضلاء بھی حاضرِ خدمت تھے کہ اتنے میں حضرت ابوبکر شبلی آئے تو حضورﷺ شبلی کے لیے کھڑے ہوگئے۔ حضور کھڑے ہوئے تو ساری مجلس کو کھڑا ہونا پڑا۔ حضورﷺ نے آگے بڑھ کر شبلی کا استقبال کیا، اسے اپنے سینے سے لگایا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اسے اپنے ساتھ بٹھایا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم اہل بغداد تو شبلی کو پاگل و دیوانہ سمجھتے ہیں اور آپ نے اس پر اس قدر کرم نوازی فرمائی اس کا سبب کیا ہے؟ حضورِ اقدسﷺ نے فرمایا یہ ہر نماز کے بعد میری تعریف میں نازل یہ آیتیں پڑھتا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥ (سورۂ توبہ۔ ۲۸) پھر پڑھتا ہے۔ ''صلی اللہ علیک یا محمد صلی اللہ

علیک یا محمّد صلی اللہ علیک یا محمّد"

ان دونوں واقعات میں یہ باتیں بالکل واضح اور ثابت ہیں:

۱۔ حضور اقدس ﷺ کو اپنے اُمتیوں کے احوال کی خبر ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کو اختیار ہے، جسے چاہیں اپنی محفل میں بلوالیں۔

۳۔ حضور ﷺ کی تعریف میں کہے گئے کلمات اللہ اور اس کے رسول کو خوش کرتے ہیں۔

۴۔ آپ ﷺ کو اللہ عزّ وجل کی طرف سے اختیار ہے کہ جسے چاہیں شفا بخش دیں۔

۵۔ حضور ﷺ کو "یا" کے صیغے کے ساتھ ندا کرنا اور مدد کے لیے پکارنا کسی طرح سے بھی شرک نہیں کیونکہ شرک نا قابل بخشش ہے۔ اگر یہ شرک ہوتا (جیسا کہ بدعقیدہ لوگوں کا خیال ہے) تو حضور ﷺ شرک کرنے والوں پر ایسی کرم نوازی نہ فرماتے۔

اسی قصیدہ بُردہ میں جسے امام شرف الدین بوصیری نے حضور اقدس ﷺ کے حضور میں پڑھا اور جسے سُن کر حضور خوش ہوئے امام بوصیری فرماتے ہیں:

وانسب الی ذاته ماشئت من شرف   وانسب الی قدره ماشئت من عظم

فان فضل رسول الله لیس له   حد فیعرب عنه ناطق بفم

جس قدر چاہے آپ کی ذات کو شرف سے نسبت دے اور جس قدر چاہے رتبہ و بزرگی کو آپ ﷺ سے منسوب کردے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فضائل کی کوئی حد نہیں جسے کہنے والا اپنے منہ سے ظاہر کرسکے۔ اور فرمایا:

فان من جودک الدنیا و ضرتها   ومن علومک علم اللوح والقلم

بے شک دنیا وآخرت آپ کی بخششوں میں سے ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم میں سے ہے۔

شیخ ابوالمواہب شاذلی نے حضور کی تعریف وثنا کی محفل میں فرمایا:

محمد بشر لا کالبشر   کانه یاقوت بین الحجر

محمد ﷺ بشر ہیں لیکن عام لوگوں کی مثل نہیں بلکہ تمام بشریت میں آپ ﷺ ایسے بشر ہیں جس طرح یاقوت پتھروں میں یعنی یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے۔ عام پتھر لوگوں کی ٹھوکروں میں ہوتے ہیں جبکہ یاقوت بادشاہ کے تاج کی زینت ہوتا ہے۔ شیخ ابوالمواہب

شاذلی کو خواب میں حضور کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے جو میری تعریف میں یہ کلمہ کہا اس کے عوض حق تعالیٰ نے تیری مغفرت فرمادی اور ان تمام کی بھی جنہوں نے اس کلمے کو سنا۔ پھر شیخ ابوالمواہب کا ساری زندگی معمول رہا کہ ہر مجلس میں اس کلمے کو تبرکاً دہراتے۔

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی تعریف و ثنا اللہ اور اس کے رسول کو خوش کرتی ہے اور کیونکہ حضور ﷺ کے شرف و عظمت کی کوئی حد ہی نہیں کہ حق تعالیٰ نے آنجناب کی شان میں فرمایا "وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی" آپ کی ہر آنے والی ساعت، گزری ہوئی ساعت سے بہتر ہے آپ کا حال مسلسل ترقی پر ہے آپ کے درجات و مقامات میں ہر آن اضافہ ہو رہا ہے ،لہٰذا جو شرف جو عظمت حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جائے۔ آپ اس کے اہل ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کی بعثت، اللہ کا احسانِ عظیم ہے۔ اللہ کی سب سے بڑی نعمت حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہے اور اللہ نے اپنی نعمتوں کے چرچے کا حکم دیا۔ فرمایا "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" اور آپ اپنے رب کی نعمتوں کو کھول کھول کر بیان کریں۔ اللہ نے فضل و رحمت کے نزولِ پر خوشیاں منانے کا حکم دیا۔ فرمایا: "قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا" آپ فرمادیں کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر تمہیں چاہیے کہ خوشیاں مناؤ۔ اہل ایمان پر اور ساری مخلوقات پر اللہ کا سب سے بڑا فضل اللہ کی سب سے بڑی رحمت حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ اللہ نے اس احسانِ عظیم کو جتلایا پھر اس کی شکر گزاری کا طریقہ بتایا کہ میرے حبیب ﷺ پر کثرت سے صلوٰۃ بھیجو اور ادب و احترام سے سلام پڑھو یعنی کثرت سے حضور ﷺ کی تعریف و ثنا کرو اور سنو اور ادب و احترام سے آپ ﷺ پر سلام پیش کرو۔ اور ایسی محافل کا انعقاد جہاں ایک طرف اللہ کے حکم کی اطاعت ہے تو دوسری طرف حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم میں سے ہے۔ اور حضور ﷺ کی تعظیم کسی بھی طریقے سے کی جائے؟ اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر و منزلت ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دو سو برس اللہ کی نافرمانی کی۔ جب وہ مرا تو قوم نے بجائے دفن کرنے کے اس کے جسد کو کچرے پر پھینک دیا۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ ہمارے اس بندے کی تجہیز و تکفین کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی لاش کو دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ حق تعالیٰ سے عرض کی بارِ الٰہی تو خوب جانتا ہے کہ یہ تیرا کیسا نافرمان شخص تھا اور تو مجھے اس کے کفن دفن کا حکم دے رہا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ٹھیک ہے کہ اس

نے دوسو برس میری نافرمانی کی مگر یہ جب بھی توریت پڑھتا اور اس میں میرے حبیب کا نامِ نامی دیکھتا تو اس نام کو ادب سے بوسہ دیتا اس کے عوض میں نے اس کے گناہ بخش دیے اسے جنت عطا کی، ستّر حوریں اس کے نکاح میں دیں۔

علامہ سخاوی اپنی کتاب ''القول البدیع'' میں لکھتے ہیں کہ شہر بلخ میں ایک سوداگر تھا، اس کے انتقال کے بعد اس کا ترکہ اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہوا۔ ترکہ میں مال و زر کے علاوہ حضورِ اقدس ﷺ کے تین موئے مبارک بھی تھے۔ بڑے بھائی نے کہا ایک ایک موئے مبارک ہم رکھ لیتے ہیں اور تیسرے کو آدھا آدھا تقسیم کرتے ہیں۔ چھوٹے بیٹے نے کہا ہرگز نہیں، میں ایسی بے ادبی کی جرأت نہیں کرسکتا۔ بڑے بھائی نے کہا اگر تجھے بالوں کی عظمت کا اتنا ہی احساس ہے تو یہ تینوں موئے مبارک تو رکھ لے اور سارا مال و دولت مجھے دے دے۔ چھوٹے لڑکے نے اس بات کو قبول کرتے ہوئے تینوں موئے مبارک لے کر سارا مال بڑے کے حوالے کردیا اور اپنا معمول بنا لیا کہ ہر روز موئے مبارک سامنے رکھ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام کے نذرانے پیش کرتا۔ موئے مبارک کی تعظیم کے سبب اللہ نے اس کے مختصر سے کاروبار میں ترقی عطا کی اور وہ مالدار ہوگیا۔ دوسری طرف بڑا بھائی مسلسل خسارا اٹھاتے اٹھاتے کنگال ہوگیا۔ جب چھوٹے بھائی کا انتقال ہوا تو کسی مردِ صالح کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے چھوٹے لڑکے کو اپنے پہلو میں بٹھا رکھا ہے اور فرما رہے ہیں ''جاؤ لوگوں سے کہہ دو کہ اگر انہیں کوئی حاجت درپیش ہو تو میرے اس عاشق کی قبر کی زیارت کریں، اللہ ان کی حاجتیں پوری کردے گا'' اس مردِ صالح نے لوگوں پر یہ خواب ظاہر کیا اور لوگ جوق در جوق اس عاشق کی قبر کی زیارت کے لیے آنے لگے اور مرادیں پانے لگے۔ لوگ اس مزار کا بڑا ادب کرتے یہاں تک کہ اگر کوئی سوار مزار کے پاس سے گزرتا تو ادباً سواری سے نیچے اُتر آتا۔

دلائل الخیرات کی شرح مطالع المسرات میں ہے اللہ عزّ وجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے مجھ سے ایسا قرب نصیب ہو جیسا تیرے کلام کو تیری زبان سے ہے اور جیسا وسواس دل کو تیرے دل سے ہے اور جیسا تیری روح کو تیرے بدن سے ہے اور جیسا نورِ بصر کو تیری آنکھ سے ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ہاں خداوند، میں ایسا ہی قرب چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر میرے حبیب احمد مجتبیٰ محمد

مصطفیٰ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔

جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں اہل سلوک کے لیے درود شریف کا ورد فتوحاتِ عظیمہ کا سبب ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرشد کامل نہ ملنے کی صورت میں طالب کو چاہیے کہ درود شریف کا کثرت سے ورد جاری رکھے کہ یہ اللہ عزّ وجل تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ نیز درود شریف کی کثرت سے حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے، خواب و بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ کثرتِ درود سے حضور ﷺ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور جب آپ ﷺ کی محبت دل میں مسکن ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ کی صورت پاک بصیرت سے دم بھر غائب نہیں ہوتی اور کچھ شک نہیں کہ جب خلوص دل سے حضور ﷺ پر درود بھیجا جائے تو باطن میں روشنی و تجلّیات کا ظہور ہوتا ہے جس سے درود پڑھنے والے کا باطن جلا پا کر آئینہ ہو جاتا ہے۔ اس آئینہ میں حضور اقدس ﷺ کا جلوہ متجلّی ہوتا ہے اور پھر آپ ﷺ کی صورت اس آئینہ سے غائب نہیں ہوتی اور یہی علم حقیقی ہے۔ (فاسی)

حضرت عبدالجلیل مغربی اپنی تصنیف ''درود پاک کے فضائل'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں ''مجھے بارہا سرکار دوعالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ میرے غریب خانے پر تشریف لائے، آپ کے روئے انور کی تابانی سے میرا پورا گھر جگمگا اٹھا میں نے تین مرتبہ عرض کیا: الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ! پھر عرض کیا سرکار میں آپ کے جوار اور آپ کی شفاعت کا طلبگار ہوں۔ نیز میں نے اپنے فوت شدہ ہمسائے کو دیکھا جو مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تو حضور اقدس ﷺ کے ان خادموں میں سے ہے جو حضور کی مدح سرائی کرنے والے ہیں۔ میں نے کہا تجھے کیسے معلوم؟ اُس نے کہا اللہ کی قسم تیرا ذکر آسمانوں میں ہو رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سرکار دوعالم ﷺ ہماری گفتگو سن کر مسکرا رہے تھے۔

امام شعرانی جنہیں نبی کریم ﷺ کی حالتِ بیداری میں زیارت ہوتی تھی، اپنی کتاب ''انوار القدسیہ'' میں فرماتے ہیں ''ہم سے رسول اللہ ﷺ نے عہد لیا کہ ہم آپ پر ہر دن و رات بکثرت درود و سلام پڑھا کریں گے اور اپنے بھائیوں کے آگے درود پڑھنے کا اجر و ثواب بیان کریں گے اور آنحضرت ﷺ سے اظہارِ محبت کے لیے انہیں پوری ترغیب دیں گے اور یہ کہ ہم

ہر دن ورات، صبح وشام ایک ہزار سے لے کر دس ہزار تک درودوشریف کا ورد کیا کریں گے۔"

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب افضل الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ شیخ نور الدین شونی روزانہ دس ہزار بار درود شریف پڑھتے تھے اور شیخ احمد زوّاوی روزانہ چالیس ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے اور فرماتے "ہمارا معمول ہے کہ ہم نہایت کثرت سے درود وسلام پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ ہم بیداری میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت وصحبت سے مشرف ہوتے ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ سے دین کے متعلق پوچھتے ہیں اور اُن احادیث کے بارے میں سوال کرتے ہیں جنہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا۔ پھر ہم حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اگر ہم بکثرت درود پڑھنے والے نہ ہوتے تو ہرگز ہماری یہ کیفیت نہ ہوتی"

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ تک پہنچنے کا آسان ترین راستہ آپ ﷺ پر کثرت سے درود وسلام پڑھنا ہے۔ حضور ﷺ کی مدح سرائی اللہ اور اس کے رسول کو خوش کرتی ہے اور حضور کے قریب کرتی ہے اور جو حضور ﷺ تک پہنچ گیا وہ بآسانی بارگاہِ خداوندی تک پہنچ سکتا ہے اور جو حضور ﷺ تک نہ پہنچ سکا وہ کبھی بھی حق تک نہیں پہنچ سکتا ۔

بخدا خدا کا یہی ہے در ، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں بھی ہو، یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ ہم تمام کو اس احسانِ عظیم کی قدر کرنے اور شکر گزار رہنے کی توفیق نصیب فرمائے، ہمیں کثرت سے درود وسلام پڑھنے اور حضور ﷺ کی تعریف وثنا کرنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

اخلاق عظیم

"وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" (سورہ قلم۔۴)

تخلیق انسانی سے مقصود اعلیٰ ترین اخلاق کا حصول ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝ (سورۂ تین۔۵۔۴) ہم نے انسان کو اچھی خلقت پر پیدا فرمایا (یعنی بہترین خوبیوں اور عمدہ ترین اخلاق کے حصول کی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا) مگر اس نے خود کو اسفل السافلین، نچلی سے نچلی سطح تک گرادیا۔"

ہر انسان میں فطرتی طور پر بہترین اخلاق پیدا کرنے اور عمدہ ترین، اعلیٰ ترین صفات سے متصف ہونے کی صلاحیت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے حضور ﷺ نے فرمایا: "تخلقوا باخلاق اللہ و اتصفوا باوصاف اللہ" اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو اور اللہ کے اوصاف سے متصف ہو جاؤ، تو ہر انسان میں اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہونے اور اوصاف الٰہیہ سے متصف ہونے کی صلاحیت فطری طور پر موجود ہے (جو ہو جاتا ہے وہ احسن التقویم کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے) مگر بری صحبت، خواہشات کی پیروی، رزقِ حرام، دنیا کی ہوس کے سبب وہ پست سے پست ترین ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی" (سورۂ اعلیٰ۔۱۴) بامراد ہو گیا، فلاح پا گیا، جس نے اپنا تزکیہ کر لیا۔ جس کسی نے بھی تزکیہ نفس کے ذریعے برے اخلاق و عادات اور بری خصلتوں کو چھوڑ کر بہترین اخلاق و عادات اپنائیں اچھے اوصاف سے متصف ہوا، وہ کامیاب ہو گیا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی پیروی کی جائے جو عمدہ اخلاق سے آراستہ ہو۔ یہ اولیاء اللہ ہیں جن کی اتباع کا اللہ نے ہمیں حکم دیا فرمایا "وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ" اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی کرو جو میری طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ایسے تمام کامل انسانوں میں کامل و اکمل

ترین ہستی ہمارے نبی سید المرسلین، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضور اقدس ﷺ کی ہے جن کی ذاتِ والاصفات سراپا خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ جن کی شان میں حق تعالیٰ نے فرمایا "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" بے شک آپ کے اخلاق بے حد بلند اور عظیم ہیں۔ جن کی پیروی کا ہر ایک کو حکم دیا گیا۔ فرمایا: "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" (سورۂ احزاب۔۲۱) بے شک پیروی کے لیے رسول اللہ ﷺ کامل نمونہ ہیں اور جن کی بعثت کو مومنوں پر احسان عظیم سے تعبیر کیا گیا۔ کہ ایک طرف ہمارا اور اس ساری کائنات کا وجود و بقا آنجناب کا مرہون منّت ہے دوسری طرف دنیا و آخرت کی نعمتوں میں سے جس کسی کو جو بھی ملا وہ آپ ﷺ کے صدقے اور آپ کی تقسیم سے ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "انما انا قاسم واللہ معطی" بے شک اللہ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ آنجناب کی ذاتِ مقدّسہ میں پیروی کے لیے ایسا کامل نمونہ رکھ دیا کہ آنجناب کی پیروی سے کوئی بھی شخص اسفل السافلین سے احسن التقویم کا حامل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا بے حد ضروری ہے حضور اقدس ﷺ کے پیارے پیارے، عمدہ ترین، اعلیٰ ترین اور عظیم ترین اخلاق سے آگاہی حاصل کی جائے، ان کی پیروی کی جائے۔ ہم اپنے آپ کو بار باران اخلاق عالیہ کی یاددہانی کراتے رہیں، اپنے تمام معاملات میں آنجناب ﷺ کے اسوہ کو مدنظر رکھیں اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کے برخلاف آپ کے اسوہ، آپ کے اخلاق کی پیروی کریں تاکہ اسفل السافلین سے نکل کر دوبارہ احسن التقویم پر فائز ہوں۔

جان لیں کہ اخلاق' ظاہری و باطنی محاسن اور خوبیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ آپ ﷺ کا ظاہر بھی انتہائی حسین و جمیل تھا اور آپ ﷺ کا باطن بھی بے مثال و بے نظیر تھا۔ حبیب خدا کے محاسن عالیہ میں کسب کو قطعاً دخل نہ تھا بلکہ وہ آپ کی جبلّت میں پیدائشی طور پر موجود تھے۔ آنجناب ﷺ کی ذاتِ مقدّسہ میں جملہ محاسن و کمالات اسطرح جمع ہیں کہ کوئی کمال اس احاطہ سے باہر نہیں اور اللہ عزّ وجل کے علاوہ کسی اور میں یہ طاقت نہیں کہ ان تمام کمالات کا احاطہ کرسکے جو اللہ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائے پھر "وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" فرما کر تکمیل کی مُہر ثبت کردی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کانوں کی لو تک بال رکھنے والے کسی شخص کو سرخ لکیر دی والی چادر میں رسول اللہ ﷺ جیسا خوبصورت نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کی جانب دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا گویا سورج کی شعاعیں آپ کے چہرہ پُرنور میں تیر رہی ہیں۔ جب آپ ﷺ

تبسم فرماتے تو سامنے کے درودیوار منوّر ہو جاتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا، ڈر جاتا۔ جو ملتا جلتا رہتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور آپ کے اوصاف بیان کرنے والا یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ آنجناب جیسا حسین و جمیل آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ممکن نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ خالقِ کائنات کی نگاہیں آپ کے رُخِ پُرنور سے ہٹتی نہ تھیں۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا "وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا" اپنے رب کے حکم پر صبر فرمائیں پس بے شک آپ ﷺ میری نگاہوں میں ہیں۔

اللہ عزّ وجل نے آپ ﷺ کو جسم اطہر کی نظافت، ہر طرح کی طہارت اور معطّر و مُعنبر پسینے سے نوازہ۔ حضور کے قرب میں صحابہ کرام کو ایسی خوشبو محسوس ہوتی جو عنبر و کستوری میں بھی محسوس نہ ہوتی۔ جو صحابی آپ ﷺ سے مصافحہ کا شرف پاتا وہ سارا دن ہاتھ میں خوشبو محسوس کرتا۔ رحمتِ عالم ﷺ جب کسی بچے کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے تو ایسا بچہ خوشبو کے سبب دوسروں میں پہچان لیا جاتا۔ آپ ﷺ جس راہ سے گزرتے، خوشبو کے سبب پتہ چل جاتا کہ حضور کا اس راہ سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ کا بول و براز بھی معطر و معنبر تھا۔ بعض صحابہ نے آپ کا خون اور کئی نے آپ کا بول مبارک پیا مگر آپ نے ان میں سے کسی کو بھی اس بات سے منع نہ فرمایا نہ ہی کلی کرنے کو کہا نہ ہی آئندہ ایسا کرنے سے روکا۔ مولانا روم نے مثنوی شریف میں اس بات کو سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ پھول سے شہد کی مکھی رس چوستی ہے اور اسی پھول سے بھونرا بھی رس چوستا ہے مگر ایک کے پیٹ میں وہی رس شہد بن جاتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے جب کہ بھونرے کے پیٹ میں وہی رس زہر بن جاتا ہے تو یہ اپنے اپنے معدن کی بات ہے، ہم غذا کھاتے ہیں۔ تو وہ ہمارے معدن میں جا کر ناپاک بول و براز میں تبدیل ہو جاتی ہے جبکہ وہی غذا حضور ﷺ پرنور کے معدنِ نور میں جا کر پرنور ہو جاتی ہے۔ اہل جنت، جنت میں جو بھی غذا کھائیں گے وہ خوشبو میں تحلیل ہو جائے گی۔ حضور ﷺ کو اپنے جیسا بشر گمان کرنے والے غور کریں کیا ان کا معدن بھی ایسا ہے؟

حضور اقدس ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ عقلمند، ذہین اور فہیم تھے۔ اگر صاحبانِ علم و دانش آپ ﷺ کی ان تدابیر کی حکمتوں میں غور کریں جو حضور نے نفوس کی اصلاح کے لیے اختیار کیں، تو اہلِ دانش حیران رہ جائیں۔ حضور ﷺ کی عقل سے تمام اہلِ عالم کی عقل کو وہی نسبت ہے جو سارے عالم کے ذرّات سے ایک ذرّہ کو ہے۔

حضور اقدس ﷺ تمام انسانوں سے بڑھ کر طاقتور اور دلیر تھے۔ ایک غزوہ میں مخالفین کی شدید تیراندازی کے باعث صحابہ آپ کا ساتھ چھوڑ گئے مگر آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے دشمنوں کے مقابلے پر ڈٹے رہے۔

انا النبی لا کذب   انا ابن عبدالمطلب

اس زمانے کے نامی گرامی اور ناقابل شکست پہلوان رکانہ کو آپ ﷺ نے ایک لمحے میں پچھاڑ دیا۔ ابی بن خلف غزوۂ بدر میں قید ہوا اور فدیہ لے کر چھوڑا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے حضور سے کہا میں اپنے گھوڑے کو روز چار سیر دانہ کھلاؤں گا اور اگلی جنگ میں (معاذ اللہ) آپ کو قتل کردوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ میں تجھے قتل کروں گا۔ غزوۂ احد میں ابی بن خلف اُسی گھوڑے پر سوار تھا، حضور ﷺ کو دیکھتے ہی اس نے سخت حملہ کیا، کئی صحابہ نے اس کے مقابلے پر آنا چاہا مگر آپ ﷺ نے صحابہ کو درمیان سے ہٹ جانے کا حکم دیا اور بہ نفس نفیس حارث بن ضمہ کا نیزہ لے کر اس دشمن خدا کے مقابلے پر معرکۃ الآرا ہوئے اور اس کی گردن پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ وہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے نیچے جا گرا اور مکّہ کی جانب لوٹتے ہوئے سرف کے مقام پر جہنم رسید ہوگیا۔

اللہ عزّ وجل نے اپنے حبیب ﷺ کو زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت میں ایسی امتیازی شان عطا کی کہ نہ صرف آپ کے زمانے میں بلکہ آپ کے بعد بھی کوئی آپ کا مدِ مقابل نہ ہوا۔ آپ ﷺ کو جامع کلمات عطا کیے گئے یعنی ایسا کلمہ جو بظاہر مختصر ہو مگر اس کی تفسیر میں کتابیں لکھ دی جائیں۔ آپ ﷺ کو نرالی حکمتوں کے ساتھ خصوصیت بخشی گئی۔ عرب کی تمام زبانوں پر آپ کو عبور تھا۔ آپ ہر قبیلے والے سے ان کی بولی میں کلام فرماتے۔ حضرت سلمان فارسی جب پہلی مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تو ایک یہودی مترجم لایا گیا کہ وہ عربی نہ جانتے تھے۔ مترجم نے ان کے کلام کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے یہود کی تعریف کی ہے اور آپ کی مذمّت کی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ اس نے ہماری تعریف کی ہے اور تمہاری مذمت کی ہے۔ مترجم نے کہا کہ جب آپ اس کی بات سمجھتے ہیں تو مجھے کس لیے بلوایا۔ وہ لوٹ گیا۔ حضور ﷺ نے جبرئیل امین سے کہا کہ سلمان کو عربی سکھادو۔ جبرئیل نے سلمان فارسی کے منہ میں دم کیا تو وہ عربی بولنے لگے۔ آپ ﷺ نے چند صحابہ کو دوسرے ممالک تبلیغِ دین کے لیے بھیجنا چاہا تو صحابہ نے عرض کی کہ ہم وہاں کی بولی سے آگاہ نہیں، تبلیغ کیسے کریں گے آپ نے فرمایا اس کی فکر نہ کرو۔ دوسرے روز جب

وہ سوکر اٹھے تو خود بخود مطلوبہ زبان بولنے اور سمجھنے پر قادر تھے۔ یہ آپ ﷺ کا تصرف اور صحابہ پر آپ کی عطا تھی۔ ایک رات میں کایاپلٹ دینا، حیرت انگیز کمال ہے۔ دوسری زبانوں پر آپ ﷺ کو ایسا عبور اکتسابی نہ تھا بلکہ تائید ربانی اور وحی الٰہی کی کرشمہ سازی ہے جس کے سبب کوئی بشر آپ کے علوم وعرفان کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اُمِ معبد آپ ﷺ کی توصیف میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شیریں کلام تھے، آپ کی آواز بلند اور دلکش تھی۔ آپ کی گفتگو کا ہر لفظ دوسرے لفظ سے جدا ہوتا۔ آپ کا ہر بیان ایسا ہوتا گویا لڑی میں پروئے ہوئے موتی۔

حضور اقدس ﷺ کے صدق وصفا، امانت ودیانت، مروّت وایثار ایفائے عہد اور جود وسخا کی صفات اظہار نبوّت سے قبل ہی اہلِ مکّہ میں مشہور تھیں۔ آپ ﷺ کی زبانِ حق بیاں سے کبھی بھی جھوٹ یا خلافِ حق بات کا ظہور نہ ہوا۔ آپ صادق وامین کے لقب سے مشہور تھے اور آپ کی نبوّت کا انکار کرنے والے بھی آپ کی ان خوبیوں کے معترف تھے۔ آپ ﷺ ایسے امانتدار تھے کہ شبِ ہجرت ان لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس رکھی تھیں جو آپ کو قتل کرنے کے لیے گھر کے باہر جمع تھے۔ حضور نے وہ امانتیں حضرت علی کے سپرد کیں اور انہیں ان کے اہل کو لوٹانے کی وصیّت کی۔ آپ کے عظیم کردار کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی جان کے دشمن اور آپ کے خون کے پیاسے بھی امانتیں اسی صادق وامین کے پاس رکھواتے تھے۔ اظہار نبوّت سے پہلے کی بات ہے، ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا اس جگہ ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں اور وہ بھول گیا۔ تین دن بعد اسے یاد آیا، وہ اس جگہ گیا تو دیکھا کہ حضور اُسی جگہ اس کے منتظر تھے۔ آپ نے صرف اتنا کہا کہ تو نے مجھے تکلیف پہنچائی میں یہاں تین دن سے تیرا انتظار کر رہا ہوں۔ تین دن تک ایک ہی جگہ پر ٹھہرے رہنا اور عہد کی ایسی پابندی کوئی معمولی بات نہیں، یہ صرف اسی سے ممکن ہے جو اعلیٰ ترین اخلاق وکردار کا حامل ہو اور تمام انسانوں کے واسطے پیروی کے لیے نمونہ بن سکے۔

قدرت کے باوجود درگزر کرنے، معاف کرنے اور تکالیف پر صبر کرنے کی حق تعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی۔ فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو، بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیرلو۔ اور آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ جو تم سے تعلقات منقطع کرے اس سے ملو، جو محروم رکھے اسے عطا کرو جو ظلم کرے اسے معاف کردو اور حق تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: "وَاصْبِرْ مَا اَصَابَكَ" آپ پر جو مصائب آتے ہیں اس پر صبر کیجیے

اور فرمایا "فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ" جیسے بلند عزم و ہمت والے رسولوں نے صبر کیا آپ بھی ویسے ہی صبر کریں۔ اور فرمایا "وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ" جس کسی نے صبر کیا اور معاف کیا تو یہ بڑے عزم و ہمت والے کام ہیں۔ آپ پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے مگر آپ نے صبر اور بردباری کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مظالم خندہ پیشانی سے برداشت کیے اور جب بدلہ لینے پر قدرت حاصل ہوئی تو سب کو معاف فرمادیا۔ غزوۂ احد میں جب آپ زخمی ہوئے تو صحابہ، کفارِ مکّہ کی تباہی و بربادی کے واسطے دعا کے لیے عرض گزار ہوئے۔ رحمت عالمیان ﷺ نے فرمایا مجھے لعنت بھیجنے کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ میں راہِ ہدایت کی طرف بلانے والا ہوں اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ نے اُن ظالموں کے حق میں بجائے بددعا کے یہ دعا فرمائی "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ مجھے نہیں جانتے۔"

ایک غزوہ میں درخت کے نیچے آپ تنہا قیلولہ فرما رہے تھے کہ غورث بن حارث ارادہ قتل سے آ پہنچا۔ آپ کی آنکھ کھلی، دیکھا ایک شخص ہاتھ میں تلوار لئے کھڑا ہے۔ غورث نے کہا اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے بڑے اطمینان سے فرمایا: اللہ...... اتنا سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آپ نے وہ تلوار اُٹھا کر فرمایا بتا اب تجھے کون بچائے گا؟ پھر آپ نے بجائے انتقام لینے کے درگزر کرتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو کہنے لگا میں بہترین انسان کے پاس سے تمہارے پاس آیا ہوں۔

ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو کھلایا۔ اس نے اپنے جرم کا اقرار بھی کیا اس کے باوجود آپ نے اسے معاف فرمادیا۔ لبید بن اصم نے آپ پر جادو کیا ساری بات جاننے کے باوجود آپ نے اس پر عتاب نہ فرمایا نہ انتقامی سلوک کیا۔

رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے آپ سے بے حد ناروا حرکتیں کیں مگر آپ نے مواخذہ نہ فرمایا۔ صحابہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے یہ کہتے ہوئے منع کردیا کہ دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کردیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی کرم نوازی دیکھیں کہ ایسے سخت دشمن کے کفن کے لیے اپنا کرتا عطا فرمایا، اس کے جنازے میں شرکت کی اور مغفرت کے لیے دعا فرمائی۔

فتح مکّہ کے وقت جب بعض صحابہ یہ کہہ رہے تھے کہ آج بدلہ لینے کا دن ہے۔ اس وقت آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ نہیں، بلکہ آج معاف کرنے اور درگزر کرنے کا دن ہے۔ اُن خون کے

پیاسوں کو جنھوں نے ساری زندگی آپ پر مظالم ڈھائے تین سال تک شعب ابی طالب میں قید ہونے پر مجبور کیا، راہ میں کانٹے بچھائے، حالتِ نماز میں اونٹ کی اوجھڑی گردن پر رکھی۔ متعدد بار آپ کو لہولہان کیا، جنگیں مسلّط کیں۔ ان تمام کو آپ نے "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" فرما کر معاف فرمادیا اور عفوودرگزر کی ایسی تاریخ رقم کی جس کی اقوامِ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

کعبہ کا متولی عثمان بن حنیف، جس نے ہجرت سے قبل آپ کو کعبۃ اللہ کے اندر جانے اور عبادت کرنے کی اجازت نہ دی، فتح مکّہ کے بعد صحابہ نے اس سے چابیاں لے کر آپ کے حوالے کیں تو آپ نے اسی عثمان بن حنیف کو کعبہ کا متولّی مقرر کردیا اور حکم دیا کہ یہ منصب اس کی ہی نسل کے پاس رہے گا۔ ایسا عفوودرگزر اور ایسا کرم دیکھ کر وہ آپ کے قدموں میں آن گرا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

وہ ابوسُفیان جو بارہا لشکر جرار لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوتا رہا۔ جس نے آپ کے پیارے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ کو شہید کروایا، ان کا مثلہ کیا۔ مگر جب فتح مکہ کے بعد اسے بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسے معاف فرمادیا اور اس کے ساتھ بڑی نرمی اور شفقت آمیز گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔ اے ابوسُفیان کیا تجھ پر ابھی تک یہ واضح نہیں ہوا کہ اللہ عزّ وجل کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں! ابوسُفیان نے بے اختیار کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ تو بڑے حلیم وکریم اور صلۂ رحمی کرنے والے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شاذ و نادر ہی غصہ میں آتے اور جب ایسا ہوتا تو جلد راضی ہوجاتے۔

جود و کرم میں بھی آپ جیسا کوئی اور نظر نہیں آتا۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جس چیز کا بھی سوال کیا گیا، آپ نے کبھی اس کا جواب نفی میں نہ دیا۔ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا: "وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ" (سورۂ ضحیٰ۔۱۰) اور آپ کسی بھی سائل کو "لا" نہ کہیں۔ یہ ارشادِ باری بتارہا ہے کہ کونین کی ساری نعمتیں آپ کے قبضہ واختیار اور تصرف میں ہیں کہ جو بھی جیسا چاہے سوال کرے حضور ﷺ اس کو "لا" نہیں کہتے، منع نہیں کرتے۔

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے　　　سرکار ﷺ میں نہ "لا" ہے نہ حاجت "اگر" کی ہے

ایک مرتبہ آپ کے پاس اتنی بکریاں تھیں جن سے دو پہاڑی کے درمیانی جگہ بھری ہوئی تھی ایک شخص نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے وہ ساری بکریاں اسے عطا فرمادیں۔ اس نے اپنے قبیلے میں پہنچ کر کہا: لوگو! مسلمان ہوجاؤ کہ محمد ﷺ ایسے سخی ہیں کہ مال کے ختم ہونے کا اندیشہ

تک دل میں نہیں لاتے۔ کتنے مواقع پر آپ نے سو سو اونٹ لوگوں میں تقسیم فرمائے۔ حضرت عباس کو اسقدر سونا مرحمت فرمایا جسے وہ اُٹھا نہ سکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس ۹۰ ہزار درہم لائے گئے آپ نے چٹائی پر رکھ کر تقسیم کرنا شروع کیا اور سارے درہم بانٹ دیے پھر ایک شخص نے آکر سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم ہمارے نام پر مطلوبہ چیزیں قرض لے لو جب مال آئے گا تو ہم ادا کردیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! جس کام کی آپ میں طاقت نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر لازم نہیں ٹھہرایا۔ حضور ﷺ نے یہ مشورہ پسند نہ کیا۔ دوسرے انصاری صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ راہِ خدا میں سخاوت فرماتے رہیے اور یہ خطرہ بھی دل میں نہ لائیں کہ عرش کا مالک آپ کو کبھی مال کی قلت سے دوچار کرے گا۔ یہ سن کر آپ نے تبسّم فرمایا، خوشی کے آثار چہرۂ انور سے ظاہر ہوئے فرمایا اللہ نے مجھ یہی حکم دیا ہے۔

فتح مکّہ کے بعد مالِ غنیمت کی بھرمار ہوئی تو آپ نے قریش کو عطا فرمایا اور انصار کو محروم رکھا۔ انصار کے بعض نوجوانوں نے کہا جب آڑا وقت تھا تو ہم نے حضور کا ساتھ دیا مگر اب حضور پر اپنے قبیلے والوں کی محبت غالب آگئی ہے، انہیں عطا فرمارہے ہیں، ہمیں بھول گئے۔ حضور ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور کہا اے انصار کیا تم گمراہ نہ تھے کہ اللہ نے میری بدولت تمہیں ہدایت دی؟ سب نے کہا ہاں یارسول اللہ، آپ نے فرمایا کیا تم لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ تھے کہ اللہ نے میری بدولت تمہیں، شیر وشکر کیا سب نے کہا ہاں یارسول اللہ۔ حضور نے فرمایا تم بھی مجھ سے کہہ سکتے ہو کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ کو آپ کی قوم نہ ٹھکرایا مگر ہم نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، انہوں نے آپ کو نکالا، ہم نے آپ کو پناہ دی، ہم نے اپنا تن من دھن آپ پر قربان کیا۔ اے انصار تم یہ کہہ سکتے ہو لیکن کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ اہل قریش اپنے گھر اونٹ ،گائے اور بکریاں لے جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ کو، سارے انصار تڑپ اٹھے اور عرض گزار ہوئے کہ جب آپ ہمارے ساتھ ہیں تو ہمیں اور کچھ نہیں چاہئے۔

نہ صرف دنیاوی نعمتیں، بلکہ جس کسی نے اُخروی نعمتوں اور سعادتمندی کا سوال کیا، آپ ﷺ نے اسے محروم نہ رکھا۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے آپ کو وضو کروایا تو حضور نے فرمایا ”سَلْ مَا شِئْتَ“ جو چاہے مانگ لے۔ حضرت ربیعہ عرض گزار ہوئے ”اِنِّی اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ“ میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔

اس ایک سوال میں کتنی چیزیں مانگ لیں۔ ایمان پر موت، مغفرت، جنت میں دخول پھر جنت کے سب سے بلند ترین درجہ میں جگہ اور وہاں حضور کی رفاقت۔ حضور ﷺ نے بھی یہ سوال سن کر یوں نہ کہا کہ اللہ سے مانگو، مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو؟ مجھے تو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ جنت اور پھر جنت میں سب سے بلند درجہ عطا کرنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ سے سوال کرو! یہ نہ فرمایا بلکہ فرمایا یہ عطا کیا اور بھی کچھ مانگ لے۔ حضرت ربیعہ نے کہا یا رسول اللہ! اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اعنی علی ذالک بکثرة السجود" اس بات پر کثرت سجود سے میری مدد کر یعنی یہ سب تو تجھے مل گیا اب عمل نہ چھوڑ دینا عمل کی کثرت کرنا۔

آج بھی آپ کا در اقدس وا ہے، جیسا چاہے سائلِ سوال کرے۔ خود حق تعالیٰ گناہگاروں کو آپ کے حضور معافی کے لیے بھیج رہا ہے فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (سورۂ نساء۔۶۴) جب بھی تم میں سے کوئی اپنے نفس پر (گناہ کبیرہ کر کے) ظلم کر بیٹھے تو وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے اللہ سے استغفار چاہے اور رسول اللہ ﷺ بھی اس کے حق میں استغفار چاہیں تو تم اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاؤ گے۔ یہ حکم امت کے واسطے قیامت تک کے لئے ہے۔ جو بھی اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہو وہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے اگر نہیں جا سکتا تو یہاں سے متوجہ ہو جائے استغفار کرے جوں ہی حضور کے لبِ مبارک اس کے حق میں وا ہوں گے۔ گناہ، گناہ نہ رہے گا۔

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک نوجوان آیا اور سلام کیا۔ وہ شخص انتہائی گناہگار تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا اور اس سے منہ پھیر لیا۔ نوجوان نے کہا "اے امام! آپ میرے گناہوں اور بدکاریوں کے سبب ایسا کر رہے ہیں۔ میرا ایک خواب سُن لیں۔ مجھے آج رات خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے گرد کافی لوگ جمع ہیں، ان میں سے ایک ایک اُٹھ کر آنجناب کے پاس جاتا، حضور ﷺ اس کے حق میں دُعائے مغفرت فرماتے اور مغفرت کا پروانہ اسے عطا کرتے۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ میں اس قدر گناہگار و بدکار ہوں کیا منہ لے کے حضور ﷺ کے پاس جاؤں۔ ندامت کے سبب مجھے آپ کے روبرو جانے کی ہمت نہ ہوئی یہاں تک کہ سارے لوگ چلے گئے اور میں اکیلا رہ گیا۔ حضور ﷺ نے مجھے بلایا اور کہا "تُو کیوں مجھ سے گناہوں کو معاف کروانے کے

لیے نہیں کہتا؟'' میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! میں سخت گناہ گار ہوں، کیا منہ لے کر آپ کی جناب میں آؤں''۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''تُو اللہ اور اس کے رسول سے حیا کرتا ہے اور دل میں شیخین کا ادب رکھتا ہے۔ جا اللہ نے تیرے سارے گناہ معاف فرما دیئے''۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اے امام احمد! مجھ سے اعراض نہ کریں کہ اب میں تمام گناہوں سے تائب ہو گیا ہوں''۔

مجرم بلائے آئے ہیں، **جاؤك** ہے گواہ

پھر رَد ہو، کب یہ شان کریموں کے دَر کی ہے

امام شرف الدین بوصیری نے مرض فالج میں حضور کو پکارا حضور نے انہیں شفا بخشی۔ مولوی محمد شریف سیالکوٹی کو فالج ہوا بڑی مدّت تک صاحبِ فراش رہے، افاقہ نہ ہوا۔ ایک دن اہل حدیث کے مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مولوی محمد شریف کو خط لکھا کہ ساری عمر حضور ﷺ کو دافع البلاء والوباء والمرض والالم پکارتے رہے، شرک کرتے رہے مگر کسی نے تمہاری مدد نہ کی، نہ ہی کسی نے تمہاری مدد کرنی ہے اس لیے اب بھی وقت ہے ایسے مشرکانہ عقیدے چھوڑ و اور صرف اللہ کو پکارو۔ مولوی محمد شریف خط پڑھ کر رونے لگے، زار و قطار روتے روتے سو گئے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی حضور نے پوچھا محمد شریف کیا حال ہے؟ رو کر عرض کی یارسول اللہ غیروں کو طعنہ دینے کا موقع مل گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے مولوی صاحب کی بائیں آنکھ پر اپنی انگشت مبارک رکھی تو مولوی صاحب کے بائیں پاؤں کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ بہنے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم تندرست ہو۔ ہوش میں آئے تو سہارے سے کھڑے ہوئے جوتا منگایا، پہنا اور چلنے لگے، مکمّل صحت یاب ہو گئے۔ ان کا علاج سیالکوٹ کا مشہور ہندو ڈاکٹر لالہ بودھ راج کر رہا تھا اس نے مولوی محمد شریف کو صحتیاب دیکھا تو حیران رہ گیا کہنے لگا ہمارے علم میں اس قسم کا فالج لاعلاج ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں آپ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر وسیع القلب، گفتگو میں سچے، نرم طبیعت والے اور ذرّہ نواز تھے۔ آپ ﷺ کسی سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ ہر قوم کے معزّز افراد کا اکرام فرماتے۔ لوگوں کو خوفِ خدا دلاتے۔ عام لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرتے۔ کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہ آتے۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ہر شریک مجلس کو اس کی شان کے مطابق حق دیتے۔ شمعِ رسالت کا ہر پروانہ یہی گمان کرتا ہے کہ حضور کی خصوصی نظرِ کرم اُسی کی جانب ہے۔ حضور ﷺ ہمیشہ پھول کی مانند کھلے رہتے۔ حق تعالیٰ نے آپ کی

شان میں فرمایا" فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ " تو یہ اللہ کی کیسی رحمت ہوئی کہ اے حبیب آپ ان کے واسطے نرم دل ہوئے۔ ایسی کرم نوازی، نرمی، شفقت، رافت اور رحمت کے سبب آپ ﷺ نے صحابہ کے دلوں کو ایسا اسیر کر لیا کہ صحابہ کو آپ کے دیکھے بغیر چین نہ پڑتا۔ وہ اپنا تن من دھن آپ ﷺ پر نچھاور کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔

اگر کوئی شخص حضور ﷺ کی دعوت کرتا تو قبول فرماتے۔ کبھی کسی کا دل نہ توڑتے۔ کسی کی دل آزاری نہ فرماتے۔ آپ کی خدمت میں جو بھی ہدیہ یا کھانے پینے کی چیز پیش کی جاتی تو مجلس میں موجود تمام اصحاب کو اس میں شریک کرتے۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے بڑی محبت سے حضور ﷺ کی خدمت میں ککڑیاں پیش کیں حضور ﷺ نے خلافِ عادت ساری ککڑیاں خود تناول فرمائیں۔ اعرابی خوش خوش چلا گیا۔ صحابہ نے اس خلافِ عادت کام کا سبب پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا ککڑیاں کڑوی تھیں اگر میں تم میں سے کسی کو دیتا تو اس کے منہ سے نکل جاتا اور اعرابی کی دل آزاری ہوتی۔ ذرا اندازہ لگائیں کڑوی ککڑی کوئی چکھ نہیں سکتا مگر حضور ﷺ نے وہ ساری کڑوی ککڑیاں کھانے کی اذیّت برداشت کر لی مگر اعرابی کی دل آزاری نہ کی۔ اس کا دل نہ توڑا۔

خادموں کی غلطیوں پر آپ کبھی شکوہ یا اُف تک نہ فرماتے۔ کبھی یہ نہ کہتے کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ آپ ﷺ ہمیشہ متبسّم رہتے۔ اصحاب کی دلنوازی فرماتے، ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کرتے۔ ان کے بچوں کی دلجوئی کرتے، انہیں گود میں اٹھاتے۔ مدینہ منورہ کے کسی گوشہ میں بھی اگر کوئی بیمار پڑتا تو اس کی عیادت کے لیے جاتے۔ عذر خواہوں کا عذر قبول فرماتے۔ اگر کوئی دستِ مبارک تھامتا تو اس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود ہاتھ نہ چھوڑ دیتا۔ آپ ﷺ ہر شخص کو پہلے سلام کرتے۔ اصحاب کے درمیان کبھی پاؤں نہ پھیلاتے جس سے دوسروں کو تنگی ہو۔ جو بھی آپ کے پاس آتا اس کی عزّت کرتے بعض اوقات اس کے لیے اپنا کپڑا پھیلا دیتے، اپنا تکیہ عنایت فرماتے اگر وہ انکار کرتا تو اصرار کر کے اسے بٹھاتے اور بعض اوقات اسے قسم تک دیتے۔

صحابہ کو پیارے پیارے ناموں سے پکارتے۔ کسی کی بات پر نہ ٹوکتے۔ جب آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ منوّرہ کے خدّام اور بچّے اپنے اپنے برتنوں میں پانی لے کر حاضر ہوتے۔ آپ اس میں اپنا دستِ مبارک ڈبوتے چلے جاتے۔ بعض اوقات سخت سردی ہوتی مگر آپ اپنی برکتوں سے انہیں محروم نہ رکھتے۔

حضور اقدسؐ نے دنیا کے مال و متاع اور آرائشوں سے ہمیشہ اجتناب فرمایا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے توسّل سے آپ کی اُمت کو تعلیم دی: وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ط وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ○ (سورۃ طٰہٰ ۔۱۳۱) اے محبوب ان کافروں کو دنیاوی مال و متاع میں سے ان کی آزمائش اور انہیں فتنے میں ڈالنے کے لیے ہم نے جو کچھ عطا کیا ہے آپ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ آپ کے پاس جو ہماری عطا سے ہے وہ اس سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

جب مسلمانوں کو پے در پے فتوحات ہو رہی تھیں اور دنیا آپ کے قدموں میں بکھری پڑی تھی اس وقت بھی خانگی اخراجات کے باعث آپ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ آپؐ دعا مانگا کرتے تھے اے اللہ! آلِ محمد کو اتنا رزق دے کہ وہ اپنی زندگیاں باقی رکھ سکیں۔ آپ نے کبھی ساری زندگی متواتر تین دن تک سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ جب آپ کے سامنے مکہ مکرمہ کی وادی کو آپ کے واسطے سونا بنا دینے کی پیشکش کی گئی۔ تو آپ نے عرض کیا "پروردگار! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز بھوکا رہوں اور ایک روز شکم سیر۔ جس دن بھوکا رہوں گا، تیری بارگاہ میں گریہ وزاری کروں گا، دست دعا دراز کروں گا اور جس دن سیر ہوں گا تو تیری حمد و ثنا بیان کروں گا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور اس امر کا کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ فاقہ آپ کو شکم سیری سے زیادہ عزیز تھا۔ ساری رات کا فاقہ بھی آپ کو دن میں روزہ رکھنے سے روک نہ سکتا تھا۔ آپؐ کی حالت دیکھ کر میں اکثر رو پڑتی اور آپ کے شکم اطہر پر ہاتھ پھیر کر عرض کرتی کہ آپ دنیا سے اتنا حصّہ تو قبول فرمالیں کہ آپ کو فاقہ کی اذیّت نہ اٹھانی پڑے۔ آپؐ ارشاد فرماتے عائشہ! مجھے دنیا سے کیا سروکار، میرے بھائی اولوالعزم پیغمبروں نے اس سے بھی کٹھن حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھا حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے اور اللہ کے حضور میں صبر و قناعت کے باعث عزّ و شرف اور اجرِ عظیم سے نوازے گئے۔ اگر میں دنیا کی زندگی آرام سے بسر کرنے لگوں تو کل مجھے ان سے کم اجر ملے گا جو میرے لیے باعث ندامت ہوگا مجھے خدا کے ان دوستوں کی موافقت سے بڑھ کر کسی چیز کی رغبت نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد رسول اللہؐ صرف ایک ماہ دنیا میں جلوہ افروز رہے، پھر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

شانِ مصطفیٰ ﷺ

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (سورۃ النساء۔۱۱۳)

"اے محبوب جو بھی آپ نہیں جانتے تھے اللہ نے وہ سارے علوم آپ کو سکھا دیے"

اللہ عزّ وجل نے اپنے حبیب کو جن علوم واختیارات اور قدرتوں سے نوازہ، وہ وہم وگمان میں نہیں آسکتے۔ آپ کے علوم کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ لوح وقلم کا علم، جو جملہ علوم پر محیط ہے، آنجناب رسالتمآب ﷺ کے علوم کا ایک جُز ہے۔ جیسا کہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی شان میں فرمایا اور اسے حضور کے سامنے سنایا۔ "ومن علومک علم اللوح والقلم" یارسول اللہ! لوح وقلم کا علم آپ کے علوم میں سے ہے۔ حضور ﷺ کے اختیارات کا کسے اندازی کہ حق تعالیٰ نے ہر شہ کو آپ کے لیے مسخر کردیا اور اس قاسم کائنات کو اپنی تمام نعمتوں کی تقسیم پر مقرر کردیا فرمایا: "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ" جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں اور اس کے مابین ہے، وہ تمام ہم نے تمہارے واسطے مسخر کردیا اور حضور ﷺ نے فرمایا: "انما انا قاسم واللہ معطی" میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا فرماتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی انگشتِ مبارک سے پانی کے چشمے بہا دیے۔ رزق میں فراوانی فرمادی، اشارے سے ڈوبے ہوئے سورج کو لوٹا دیا، انگلی کے اشارے سے چاند کے دوٹکڑے فرمادیے۔ آپ ﷺ نے جسے چاہا جنت عطا فرمادی اور جسے چاہا جنت میں اپنی معیت عطا فرمادی۔

ابن وھب سے روایت ہے ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سے اللہ عزّ وجل نے فرمایا: اے محبوب مجھ سے جو چاہے مانگو، تو میں نے عرض کیا اے رب میں تجھ سے کس چیز کا سوال کروں۔ جبکہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا، موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ نوح علیہ السلام کو منتخب فرمایا، سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہت عطا کی جو ان کے بعد کسی اور کو نہ ملی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب میں نے آپ کو جو عطا کیا وہ ان سب سے بڑھ کر ہے۔ میں نے تمہیں حوضِ کوثر

بخشا، تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جس کی ندا فضاؤں میں سنی جاتی ہے۔ ساری زمین کو تمہاری امت کے لیے پاک ٹھہرایا۔ تمہارے باعث اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمائے۔ تمہیں لوگوں میں بخشوانے والے کی حیثیت سے جلوہ افروز کیا اور ایسا کسی اور کے ساتھ نہ کیا گیا۔ تمہارے اُمتیوں کے دلوں کو صحیفے بنا دیا اور حقِ شفاعت کو تمہارے لیے مخصوص کیا

سرِّ مصطفیٰ حضرت ابوحذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں فخر دو عالم، جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے حق تعالیٰ نے خوشخبری سنائی کہ سب سے پہلے میری امت کے ستر ہزار افراد بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے اور رب تعالیٰ نے مجھ پر یہ کرم فرمایا کہ میری امت قحط سالی سے ہلاک نہ ہوگی اور نہ مغلوب ہوگی۔

حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو سب سے پہلا میں ہوں گا۔ جب وہ اکٹھے ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا۔ جب وہ خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا۔ جب انہیں جنت میں جانے سے روک دیا جائے گا تو میں ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ جب وہ خاموش ہوں گے تو میں انہیں خوشخبری دوں گا۔ لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کی بارگاہ میں جملہ اولادِ آدم سے زیادہ عزّت والا ہوں گا۔

قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو محبت و خلت میں دوسروں پر فضیلت دے کر ممتاز فرمایا۔ ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے انتظار میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ اللہ نے مخلوقات میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، دوسرے نے کہا اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا، تیسرے نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کی شان دیکھو کہ وہ اللہ کا ایک کلمہ ہیں اور روح اللہ ہیں چوتھے نے کہا کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنا صفی بنایا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سن لی اور تمہارا تعجب کرنا بجا ہے واقعی ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ہمکلامی سے مشرف فرمایا اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور آدم علیہ السلام کے صفی اللہ ہونے میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں لیکن میں اللہ کا حبیب

ہوں "ولا فخر" قیامت کے دن لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ سب سے پہلے شفاعت کی مجھے اجازت ملے گی۔ سب پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور اپنے غریب امتیوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہو جاؤں گا اور میں اللہ کے نزدیک سب اگلوں اور پچھلوں سے زیادہ معزّز و مکرّم ہوں۔ ولا فخر۔

جان لیں خلیل وہ ہے جو اللہ سے اپنی مغفرت کی اُمید رکھے۔ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں ارشاد باری ہے۔ "وَالَّذِیٓ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَلِیۡ خَطِیۡٓئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ" میں امید کرتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری خطائیں بخش دے گا۔ جبکہ حبیب اللہ کی ایسی شان ہے کہ ان کے صدقے اللہ نے ان سے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے۔ فرمایا: لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (پارہ ۲۶۔ فتح۔ ۲) خلیل وہ ہے جو اللہ کے ذکر کو بلند کرے اور حبیب وہ ہے جس کے ذکر کو اللہ بلند کرے۔

اللہ اور اس کے ملائکہ ذکرِ حبیب میں مشغول ہیں "ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی" بے شک اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ کی تعریف وثنا میں مشغول ہیں۔ اور فرمایا: "وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ" اے محبوب میں نے تیرے واسطے تیرے ذکر کو بلند کیا۔ جبریل امین نے حضور ﷺ سے فرمایا: یارسول اللہ! اللہ نے آپ کے ذکر کو اس طرح بلند کیا کہ آپ کے نام نامی کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا اب جہاں بھی اللہ کا ذکر ہوگا وہاں وہاں آپ کا ذکر ہوگا۔ اللہ نے فرمایا: "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول. اٰمنوا باللہ ورسولہ" وغیرہ کلمہ طیبہ میں آپ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ ہے۔ آذان میں آپ کا نام نامی اللہ کے نام کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ نماز میں آپ کا ذکر یہانتک کہ اللہ نے آپ کے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا فرمایا: "جعلتک ذکراً من ذکری فمن ذکرک ذکری" اے محبوب میں نے آپ کے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا پس جس نے بھی آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔

موسیٰ علیہ السلام صفاتی تجلّی کا ایک ذرّہ برداشت نہ کر سکے۔ کوہِ طور اس تجلّی سے جل کر سُرمہ ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ مگر قلبِ حبیب کی ہمت کے قربان جایئے کہ عین ذاتِ باری کو مسکراتے ہوئے ایسے مشاہدہ فرمایا کہ نہ پلک جھپکی نہ نگاہِ اِدھر سے اُدھر ہٹی۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: "مازاغ البصر وما طغیٰ" نہ پلک جھپکی نہ نگاہ ہٹی۔

اگر یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے مبہوط ہو کر زنانِ مصر نے اپنی انگلیاں تراش لیں تو اِدھر رُخ محبوب ﷺ کے والضحیٰ جلووں اور واللیل زلفوں کے اسیر ہو کر اور آپ کے اخلاق و کردار پر فریفتہ ہو کر جوانانِ عرب سر کٹانے کو تیار ہو گئے اور عملاً آپ پر قربان ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی انفاس العارفین میں لکھتے ہیں کہ میرے والد شاہ عبدالرحیم کو حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ والد صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ویسے تو آپ بڑے حسین و جمیل ہیں مگر وہ بات نظر نہیں آتی جو یوسف علیہ السلام میں تھی کہ زنانِ مصر نے مبہوط ہو کر انگلیاں تراش لیں اور انہیں احساس تک نہ ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے میرے حسن کو اپنی غیرت کے پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ اگر آشکار ہو جائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنانِ مصر کا ہوا۔ اگر وہ پردے اٹھ جائیں تو سارا عالم تاب نہ لا سکے، ہلاک ہو جائے''۔ یہی سوال حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور سے کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے جمال پر ستر ہزار پردے ڈالے ہوئے ہیں۔ حضور نے ان میں سے ایک پردہ ہٹا دیا تو ایسا نور چمکا کہ سیدہ عائشہ بے ہوش ہو گئیں۔

ایک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

اگر آدم صفی اللہ کو اللہ نے کُل اشیاء کے ناموں کا علم عطا کیا تو اپنے حبیب کو جملہ اشیاء اور موجودات کے حقائق سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''فتجلی لی کل شیء و عرفت '' کل اشیاء مجھ پر روشن ہو گئیں اور میں نے انہیں پہچان لیا۔

اگر سلیمان علیہ السلام کو چرند پرند جنات اور انسانوں پر حکومت دی تو ہمارے نبی کے واسطے ساری کائنات کو مسخر کر دیا فرمایا ''وسخر لکم مافی السموت وما فی الارض جمیعا منہ'' چرند پرند آپ سے اعانت چاہتے۔ درخت آپ کے اشارے پر چل کر آتے۔ کنکریاں آپ کا کلمہ پڑھتیں۔ جنات آپ کا دین قبول کرتے۔ فرشتوں کے سردار جبرئیل آپ کی غلامی اختیار کرتے اور شبِ اسریٰ حضور کی پرواز سے تجاوز نہ کر سکے۔ چاند و سورج آپ کا اشارہ سمجھتے اور حکم مانتے۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردے زندہ کیئے، لاعلاج مریضوں کو شفا بخشی، مادر زاد اندھوں کو آنکھیں عطا کیں تو حضور اقدس ﷺ نے نہ صرف مردے زندہ فرمائے بلکہ مُردہ قلوب

زندہ کردیے۔

ایک دن حضرت جابر بن عبداللہ نے حضور ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔ جب آپ، حضرت جابر کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت جابر نے بے حد مسرّت و شادمانی کا اظہار کیا۔ فوراً ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور کھانا تیار کروایا۔ حضرت جابر کے بڑے بیٹے نے چھوٹے بھائی سے کہا تجھے بتاؤں کہ ہمارے والد نے بکری کے بچے کو کس طرح ذبح کیا؟ اس نے چھوٹے بھائی کو لٹا کر گلے پر چھری چلادی اور نادانی سے اسے ذبح کردیا۔ حضرت جابر کی بیوی نے یہ دیکھا تو دوڑی، بچہ خوف سے چھت پر چلا گیا اور چھت سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ اس صابرہ خاتون نے حضور ﷺ کی خاطر صبر اختیار کیا اور دونوں بچوں پر کپڑا ڈال دیا۔ جب کھانا حضور ﷺ کے سامنے رکھا گیا تو جبریل امین حاضر ہوئے اور خبر دی کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جابر کے دونوں بیٹوں کے ساتھ کھانا کھائیں حضور ﷺ نے بچّوں کو بلوایا تو ماں نے کہا، بچّے گھر میں موجود نہیں۔ حضور ﷺ نے حق تعالیٰ کا حکم سنایا تو اس نے روتے ہوئے بچوں کی لاشوں سے کپڑا اٹھادیا۔ گھر میں کہرام مچ گیا حضور ﷺ نے ان بچوں کو زندہ فرمانے کے لیے دعا کی اور وہ دونوں اللہ کے حکم سے زندہ ہوگئے۔ (شواہد النبوۃ۔ مولانا جامی)

نیز حضور ﷺ نے اپنے والدین کو زندہ فرما کر اپنا کلمہ پڑھایا اور اپنی امّت میں داخل کیا۔ آپ ﷺ نے لاکھوں مشرکین کے مُردہ قلوب اپنی نگاہِ کیمیا سے نہ صرف زندہ فرمائے بلکہ ان میں سے بے شمار کو مسیحا نفس بنادیا۔

فیضِ رحمت نے ترے قطرے کو دریا کردیا — دل کو زندہ کردیا نظروں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

اس امّت کے تمام اولیاء میں حضور ﷺ کا فیض ہے۔ اولیاء کی جملہ کرامات حضور ﷺ کے فیض سے ہے اور آنجناب کی امّت میں ایسے ہزار ہا اولیاء گزرے ہیں جو لا علاج مرض سے شفا بخشنے والا، مردوں کو زندہ کرنے والے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے کی قوّت و اختیار والے تھے۔ یہی سبب تھا کہ جب سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواری برناباس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نبی آخر الزماں کی تعریف و توصیف سنی تو بے اختیار پوچھا کہ آپ کا مقام و مرتبہ نبی آخر الزماں کے سامنے کیسا ہے تو کلمۃ اللہ، روح اللہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نبی آخر الزماں کی شان

وعظمت ایسی ہے کہ کاش میں ان کے جوتے کا ایک تسمہ ہوتا۔

حضورﷺ کا امّتی ہونا، حضور سے منسوب ہونا ایسا عظیم شریف ہے کہ انبیاء و مرسلین اس بات کے خواہشمند رہے۔ نسبتِ رسول مغفرت کی یقینی ضمانت ہے اور آنجناب کی محبت قیامت میں آپ کے قرب کا موجب ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "المرء مع من احب" وہ اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے یہاں محبت کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے رومال کو حضورﷺ سے نسبت ہوئی تو آگ اسے جلانے پر قادر نہ ہوسکی۔ اس واقعہ کے پیش نظر مولانا روم عذاب سے نجات کا طریقہ یوں بتاتے ہیں۔

اے دل ترسندہ از نار و عذاب ۔۔۔ باچناں دست و لب کن اقتراب

چوں جمادے را چنیں تشریف داد ۔۔۔ جان عاشق را چہا خواہد کشاد

آگ اور عذاب سے خوفزدہ اے دل، تجھے چاہیے کہ حضور اقدس ﷺ کے دستِ مبارک پر بوسہ زن ہوجا کہ وہ ایسی شان وعظمت والے ہیں کہ جمادات (رومال) کو بھی دست مبارک مس کردیں تو اسے آگ نہیں جلاتی تو وہ کیسے اپنے عاشقوں کو جلنے سے بچا نہیں سکتے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو اپنے تصوّر میں بسا کر آنجناب کے مبارک اور مقدس ہاتھوں اور قدموں پر بوسے دیتے رہیں۔ تصور و خیال میں آنجناب پر جان و دل سے قربان ہوتے ہیں۔

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ ہم تمام کو حضور کی رضا و خوشنودی اور آنجناب کی نسبت و محبت سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین

برہانِ ربی

"يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (سورۂ نساء . ۱۷۴)

"اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی"

حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ لوگوں تمہارے پاس تمہارے رب کی جناب سے روشن دلیل، سراپا معجزہ، اللہ کی برہان یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لے آئے۔

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ — ان سانہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں — ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

موئے مبارک: حضور اقدس ﷺ سر اقدس سے پائے مبارک تک سراپا معجزہ ہیں۔ آپ کی ذاتِ مقدسہ کا ہر ہر جز معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کے موئے مبارک کو ہی لے لیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے بال منڈوانے کے لئے حجام کو بلایا تو صحابہ اپنا کام کاج چھوڑ کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ حضور ﷺ نے وہ بال حضرت ابوطلحہ انصاری کو عطا فرما کر کہا "اقسمہ بین الناس" اسے لوگوں میں تقسیم کردو۔ یہ واقعہ بتارہا ہے کہ صحابہ حضور کے موئے مبارک کو متبرک سمجھتے تھے جب ہی اسے حاصل کرنے کے لیے اپنا کام کاج چھوڑ کر آگئے۔ حضور نے بھی ان کے اس عقیدہ کی تردید نہ کی۔ یہ نہ فرمایا کہ ان بالوں میں کیا رکھا ہے نفع نقصان پہنچانا اللہ کا کام ہے! غیر اللہ کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا وغیرہ۔ اس کے بجائے آپ ﷺ نے صحابہ کے عقیدے کی تائید کی اور اپنے بالوں کو ان میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ آج کے بدعقیدہ مولوی اگر اس زمانے میں ہوتے تو ان صحابہ کے بارے میں یہی کہتے کہ یہ تو بال پرست ہیں۔ صحابہ نے یہ بات کہاں سے اخذ کی کہ آپ کے موئے مبارک متبرک ہیں؟ قرآن سے۔ صحابہ نے قرآن میں پیراہن یوسف کا قصہ پڑھا کہ اسے آنکھوں پر ڈالتے ہی یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی جب ایک نبی کے بدن سے مس ہونے والے لباس میں یہ تاثیر ہوسکتی ہے تو موئے مبارک تو جزو بدن ہیں، جسم کا حصہ ہیں وہ کیسے بے اثر ہوسکتے ہیں!

بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضورﷺ کے موئے مبارک تھے۔ جسے انہوں نے چاندی کی نلکی میں رکھا ہوا تھا۔ مدینہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کے گھر والے برتن میں پانی لے کر حضرت اُمّ سلمہ کے پاس آتے وہ اس پانی میں چاندی کی نلکی جس میں حضور کے موئے مبارک تھے، ہلا دیتیں۔ وہ پانی مریض کو پلایا جاتا جس سے وہ شفایاب ہو جاتا۔

حضرت خالد بن ولید کے پاس حضورﷺ کے موئے مبارک تھے وہ انہوں نے اپنی ٹوپی میں سیے ہوئے تھے۔ ان موئے مبارک کی برکت ہے وہ ہر مہم میں کامیاب ہوتے۔ جنگ یرموک میں خالد بن ولید کی نسطور پہلوان سے کشتی ہو رہی تھی کہ آپ کی ٹوپی گر گئی۔ آپ نسطور کو چھوڑ کر ٹوپی ڈھونڈے لگے اور کہتے جاتے خدا تم پر رحم کرے میری ٹوپی مجھے دو ٹوپی پہن کر دوبارہ مقابلہ شروع ہوا اور آپ غالب آ گئے۔ جنگ کے بعد لوگوں نے سبب پوچھا کہ بجائے لڑنے کے، دشمن کی طرف متوجہ رہنے کے، آپ ٹوپی کی فکر میں مشغول ہو گئے تو آپ نے فرمایا اس ٹوپی میں حضورﷺ کے موئے مبارک ہیں جن کی برکت سے مجھے ہمیشہ فتح نصیب ہوتی ہے۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت پہنچائی اس پر جنت حرام ہے۔

ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم سخت بیمار ہو گئے۔ بچنے کی کوئی امید نہ تھی رشتہ دار عزیز و اقارب پاس جمع تھے کہ شاہ عبدالرحیم کو آواز آئی کہ حضورﷺ تمہاری عیادت کے واسطے آ رہے ہیں اور جس طرف سے وہ آ رہے ہیں اُس طرف تمہارے پاؤں ہیں۔ انہوں نے اشارے سے چارپائی کا رُخ بدلنے کو کہا۔ رُخ تبدیل کیا گیا۔ غنودگی کے عالم میں دیکھا کہ حضورﷺ تشریف لائے اور پوچھا عبدالرحیم کیا حال ہے؟ ان پر رقت طاری ہو گئی۔ حضور نے تشفی دی کہ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ شاہ عبدالرحیم کے دل میں خواہش ہوئی کہ کاش حضور مجھے اپنے موئے مبارک عطا فرمائیں۔ حضورﷺ نے اپنی ریشِ مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو بال انہیں دیے اور تشریف لے گئے ہوش میں آئے موئے مبارک تلاش کئے مگر نہ ملے تو پھر رونے لگے کہ شاید یہ صرف خواب کی بات ہے۔ روتے روتے آنکھ لگ گئی پھر حضورﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا عبدالرحیم میں نے وہ بال تمہارے تکیہ کے نیچے رکھ دیے ہیں۔ جاگنے کے بعد تلاش کیا تو

موئے مبارک مل گئے شاہ عبدالرحیم کا بخار اُسی روز ختم ہو گیا۔ نقاہت باقی تھی وہ بھی چند دنوں میں زائل ہو گئی اور وہ بھلے چنگے ہو گئے۔ موئے مبارک کو احتیاط سے ایک چھوٹے صندوق میں تالا لگا کر رکھ دیا اور بارہ ربیع الاوّل کی محفل میں لوگوں کو ان موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان موئے مبارک کے تین معجزات کا مجھ سمیت کئی لوگوں نے مشاہدہ کیا ایک یہ کہ جب بھی صلاۃ وسلام پڑھا جاتا تو دونوں موئے مبارک کھڑے ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ بارہ ربیع الاوّل کی ایک محفل میلاد میں جب ان موئے مبارک کو زیارت کے واسطے کھولا جانے لگا تو تالا نہ کھلا۔ بڑی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی تو میں اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوا کہ اسکا سبب معلوم کروں مجھ پر منکشف ہوا کہ محفل میں ایک شخص حالت جنابت میں ہے اور بغیر غسل آ گیا ہے میں نے چاہا کہ اسکا نام لے کر کہوں کہ وہ غسل کر آئے۔ مگر مجھے خیال ہوا کہ اس طرح اس کی عیب دری ہو گی۔ اور یہ بات عیب پوشی کے خلاف ہے چنانچہ میں نے سب اہل محفل سے کہا کہ ہم سب جاتے ہیں اور غسل کر کے دوبارہ آتے ہیں اور پھر کوشش کرتے ہیں چنانچہ سب نے جا کر تازہ غسل کیا اور پھر جمع ہوئے تالا کھولا گیا تو اب آسانی سے کھل گیا اور سب لوگوں نے زیارت کی۔ تیسری عجیب بات تھی کہ جب بھی ان موئے مبارک کو کھلی جگہ میں لایا جاتا تو کہیں نہ کہیں سے بادل آ کر سایہ فگن ہو جاتا۔ کچھ لوگوں نے اس بات کا انکار کیا اور تین لوگ اس بات کی تحقیق میں آئے۔ صحن میں لا کر بکسے کا تالا کھولا گیا تو اچانک بادل آ کر سایہ فگن ہو گیا۔ بکسے کو صحن سے ہٹایا گیا تو بادل غائب۔ تین مرتبہ اسی طرح کیا گیا اور تینوں مرتبہ بادل نمودار ہوا اور موئے مبارکہ پر سایہ فگن ہو گیا اور وہ تینوں حضرات اس امر سے قائل ہو گئے۔

روئے انور: اللہ عزّ وجل نے اپنے حبیب کو ایسا حُسن و جمال عطا فرمایا جس کی تعریف و توصیف سے زبان عاجز ہے۔ آپ ﷺ ایسے حسین وجمیل تھے کہ خالق کائنات کی نگاہیں آپ کے روئے انور پر مرتکز رہتی تھیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا" اے محبوب اپنے رب کے حکم پر صبر کیجیے بس بے شک آپ (ہمہ وقت) میری نگاہوں میں ہیں۔ حسنِ یوسف حقیقتاً حسن محمدی کی ایک تابش تھی۔ آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ جیسا حسین وجمیل نہ آپ سے قبل دیکھا گیا نہ آپ کے بعد۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کا قول ہے کہ اگر حضور اقدس ﷺ سے دیگر معجزات اور دلائل

نبوّت کا ظہور نہ بھی ہوتا تو آپ کا چہرہ مبارک ہی آپ کی نبوّت کی کافی دلیل تھا۔

جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کو آنے لگے ان میں یہودیوں کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن سلام بھی تھے۔ وہ فرماتے ہیں جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا تو جان لیا کہ یہ سچّے آدمی کا چہرہ ہے، اس وقت آپ ﷺ فرمارہے تھے لوگو! سلامتی پھیلاؤ، صلۂ رحمی کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو اللہ کی عبادت کرو اور سلامتی سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں اپنی والدہ اور خالہ کے ہمراہ حضور ﷺ سے بیعت کر کے واپس آئے تو میری والدہ نے خالہ سے کہا: ''میں نے اس شخص کی مثل خوبصورت چہرے والا، پاکیزہ لباس اور نرم و میٹھے کلام والا کوئی اور نہیں دیکھا اور میں نے دیکھا کہ گفتگو کے وقت آنجناب کے دھنِ مبارک سے نور نکلتا تھا''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں چرخہ کاٹ رہی تھی اس وقت حضور ﷺ میرے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے جوتے کو پیوند لگا رہے تھے۔ آپ کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرے تھے جن سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اس حسین منظر نے مجھے چرخہ کاٹنے سے روک دیا، میں آپ کو مسلسل دیکھ رہی تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرے نور کے ستارے معلوم ہوتے ہیں اگر عرب کا مشہور شاعر ابو کبیر ہذلی آپ کو دیکھتا تو جان لیتا کہ اس کے اس شعر کا مصداق آپ ہی ہیں۔

''جب میں اس کے روئے انور کو دیکھتا ہوں تو اس کے رخساروں کی چمک مثل ہلال نظر آتی ہے''

اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ فرماتی ہیں ایک دن میں گھر میں کچھ سی رہی تھی۔ کہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی ہر چند تلاش کی مگر اندھیرے کے سبب نہ ملی اتنے میں ماہِ مدینہ، سرورِ قلب و سینہ حضور پُر نور ﷺ تشریف لائے تو آپ کے رُخِ انور کی روشنی سے سارا کمرہ روشن ہو گیا اور سوئی چمکنے لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا پورا حُسن و جمال لوگوں پر ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ پردہ میں رکھا گیا ورنہ کسی میں طاقت نہ تھی کہ آپ کے جلووں کی تاب لا سکتا۔

چشمانِ مبارک: حضور اقدس ﷺ کی مقدس، سُرمگیں اور نورانی آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں آپ کی پلکیں نہایت خوشنما اور دراز تھیں۔

سُرمگیں آنکھیں، حریم حق کے وہ مشکیں غزال ہے فضائے لامکاں تک جنکا رمنا نُور کا

آپ ﷺ کی چشمانِ مبارک کی قوت و طاقت اور صلاحیت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنجناب ﷺ نے ان ظاہری آنکھوں سے اس ذاتِ مقدّسہ کو دیکھا جس کی صفاتی تجلّی سے کوہ طور سرمہ ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے۔ حضور نے عین ذات باری کو مسکراتے دیکھا اور دیدنی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی نگاہِ پاک ادھر ادھر نہ ہٹی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: "مازاغ البصر وما طغی" (سورۂ نجم۔۱۷) جن سے خدا ہی نہ چھپا ان سے مخلوقات کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا: تم میرا منہ صرف قبلہ ہی کی طرف دیکھتے ہو! خدا کی قسم مجھ پر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے نہ تمہارا خشوع۔ بے شک میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ جان لیں کہ خشوع دل کی کیفیت کا نام ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ قلوب کی کیفیات بھی نگاہِ مصطفیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ رات کے اندھیرے میں بھی ویسے ہی دیکھتے تھے جیسے دن کی روشنی میں۔ ساری کائنات اور خالقِ کائنات آنجناب کے مشاہدے میں رہتے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو شاہد (مشاہدہ کرنے والا) بنا کر مبعوث فرمایا۔ ارشاد ہوا: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ (سورۂ احزاب۔۴۵) اے محبوب ﷺ میں نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا بنا کر مبعوث فرمایا۔

حضور ﷺ کی تو بڑی شان ہے آنجناب سے جس کسی کو نسبت ہوگئی اس پر غیبی امور منکشف ہوگئے۔ مولانا روم مثنوی میں ایک واقع لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز سے فراغت کے بعد موزہ پہننے لگے تو ایک چیل نے جھپٹا مار کر موزہ دور پھینک دیا صحابہ نے دیکھا کہ موزہ سے ایک سانپ نکلا، اسے مار دیا گیا حضور نے چیل کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ تجھے کیسے پتہ چلا کہ موزہ میں سانپ ہے چیل نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں محو پرواز تھی میں نے دیکھا کہ آپ کی ذاتِ مقدّسہ سے نور کا ایک ستون آسمانوں کی طرف جا رہا تھا۔ جوں ہی میں اس نور کے ستون سے مس ہوئی مجھ پر اس عالم کی بے شمار چیزیں منکشف ہوگئیں ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ آپ کے موزہ میں سانپ ہے جو آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو میں نے اسے آپ سے دور کر دیا۔ پھر اس چیل نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے نور کے فیض سے مجھے یہ سب معلوم ہوگیا کیا آپ کو موزہ میں سانپ کا پتہ نہ چلا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں اس وقت حق کی طرف متوجہ تھا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضورﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا یہاں تک کہ میں نے ساری زمین اور اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔ اور فرمایا بے شک اللہ نے میرے لیے دنیا کے حجابات اٹھا دیئے تو میں دنیا اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

جنگ موتہ کے سارے حالات آپ نے مدینہ میں بیٹھے بیٹھے صحابہ کو بتا دیے اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر آپ مسکرانے لگے۔ سبب پوچھنے پر فرمایا میں اپنے دوستوں کے شہید ہو جانے پر غمگین ہوا مگر اب انہیں جنت میں ایک دوسرے کے مقابل تختوں پر بیٹھے دیکھ کر مسکرا رہا ہوں۔ جب یعلیٰ بن منبہ جنگ موتہ کی خبر لے کر حضورﷺ کی خدمت میں آئے تو آنحضرتﷺ نے فرمایا: اے یعلیٰ! میں تجھے حالات و واقعات کی اطلاع دوں یا تو مجھے مطلع کرے۔ حضرت یعلیٰ نے کہا حضور آپ فرمائیں۔ حضورﷺ نے تمام حالات و واقعات سنائے تو یعلیٰ نے عرض کی: یا رسول اللہﷺ مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس نے آپ کو صادق و مصدوق بنا کر بھیجا آپ نے ایک ایک حرف درست بتایا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضورﷺ نے فرمایا جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے''۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے حضورﷺ نے فرمایا ''رایتُ ربی فی احسن صورۃ'' میں نے اپنے رب کو خوبصورت ترین شکل میں دیکھا۔ جن لوگوں نے حضور کے لقائے باری کا انکار اس آیت ''لاتدرکه الابصار'' (سورۂ انعام۔۱۰۳) (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) کی بنا پر کیا، وہ غلطی پر ہیں اس آیت میں ادراک یعنی احاطہ کی نفی ہے نہ کہ لقا کی۔ احاطہ اس چیز کا ممکن ہے جس کی حدود جوانب ہوں اور اللہ عزّ وجل کے لیے حدود و جوانب محال ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''حضورﷺ اپنے نور نبوّت سے ہر دین دار کے دین کو جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ میں ہے۔ اس کے ایمان کی کیا کیفیت ہے اور کون سے حجابات اس کی ترقی میں مانع ہیں۔''

حضورِ اقدسﷺ کی تو بڑی بلند شان ہے آپ کے غلاموں کی بصارت و بصیرت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ امام جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں یہ حدیث حارث بن مالک اور ابونعیم سے روایت کی۔ اسی حدیث کو مولانا روم نے مثنوی شریف میں یوں بیان فرمایا ہے۔ حضور

اقدس ﷺ نے ایک دن صبح کے وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اے زید تم نے کس حال میں صبح کی؟ زید نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ایک مومن بندے کی حالت میں حضور ﷺ نے پوچھا تمہارے اس قول کی کیا دلیل ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یارسول اللہ! یہ مخلوق تو آسمان کو دیکھتی ہے جب کہ میں عرش اور عرشیوں کو دیکھتا ہوں۔ آٹھوں بہشت اور ساتوں جہنم میرے سامنے ہیں۔ میں ساری مخلوق کو، ایک ایک کو جانتا اور پہچانتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ ان میں کون جنتی ہے اور کون دوزخی ہے۔ جنتی میرے سامنے خوشی سے بغلگیر ہو رہے ہیں اور میرے کان دوزخیوں کی ہائے ہائے، چیخ و پکار اور افسوس کے نعروں سے بہرے ہو گئے ہیں۔ یارسول اللہ! کیا میں حشر کا بھید کھول ڈالوں اور حشر کا راز آج سارے جہاں پر ظاہر کردوں؟ یہ سن کر حضور ﷺ نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا۔

حضور اقدس ﷺ کی نگاہِ پاک کی وسعتوں کا اندازہ لگانا ہو تو حضور ﷺ کے نائبِ اعظم سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی شان دیکھیں۔ سرکار غوثیت مآب فرماتے ہیں: "مجھے ربُّ العزت کی قسم بیشک سعداء اور اشقیاء مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اور میری آنکھ لوحِ محفوظ میں دیکھتی ہے، میں علم الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن ہوں" (بہجۃ الاسرار)۔ اور محبوب سبحانی نے فرمایا ؎

نظرت الی بلاد اللہ جمعا ۔۔۔ کخردلۃ علی حکم اتصال

میں اللہ کے تمام شہروں کو اسطرح دیکھ رہا ہوں جیسے ایک رائی کا دانہ۔

حضور کی سماعت: حضور ﷺ کے کانِ مبارک کا معجزہ دیکھیں حضور جیسے قریب کی بات سنتے تھے ویسے ہی دور کی بات سنتے تھے۔

دُور و نزدیک کے سننے والے وہ کان ۔۔۔ کانِ لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

آج بھی حضور ﷺ عاشقوں کا درود و سلام سن رہے ہیں۔ کوئی دنیا کے کسی بھی گوشے سے خلوص و محبت سے حضور پر درود پڑھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "اسمع صلوٰۃ محبتی" اہل محبت کا درود میں خود سنتا ہوں۔ (دلائل الخیرات)

دہن مبارک: حضور کے دہن مبارک کا معجزہ دیکھیں کہ اسی دہن مبارک سے کلام الٰہی کا ظہور ہوا اسی سے حدیث قدسی کا اور اسی سے احادیث مبارک کا ظہور ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، ہم اسے کلامِ الٰہی مانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ حدیث قدسی ہے۔ ہم اسے حدیث

قدسی جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ میرا کلام ہے۔ ہم اسے حدیث مانتے ہیں۔ مگر تینوں کا مخرج ایک ہے، وہ ہے آنجناب ﷺ کا دہن مبارک۔ حقیقتاً جو کچھ بھی اس دہن مبارک سے نکلا وہ وحی الٰہی ہے۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا: "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی" (النجم۔۴۔۳) میرے نبی ﷺ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے۔ وہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہے۔

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں   اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

لعابِ دہن: حضور ﷺ کے لعاب دہن کا معجزہ دیکھیں، کھارے پانی کے کنویں میں ڈالا تو وہ میٹھا شیریں ہوگیا۔ حضرت جابر کی ضیافت میں ہانڈی میں ڈالا تو چند اصحاب کا کھانا سیکڑوں کھا گئے اور کھانا ویسے کا ویسے ہی رہا۔ ایک صحابی کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر لگایا تو زخم اسی وقت اچھا ہوگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آشوب چشم والی آنکھ پر لگایا تو ہمیشہ کے لئے بھلی چنگی ہوگئی۔ ہجرت کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متورّم اور زخمی پیروں پر لگایا تو اسی وقت ورم جاتا رہا اور زخم مندمل ہوگئے پھر ساری زندگی کبھی پیروں میں تکلیف نہ ہوئی۔ حضور ﷺ کو اپنے جیسا بشر گمان کرنے والے غور کریں کیا ان کا تھوک بھی ایسا ہے؟

انگشت مبارک: غزوہ تبوک کے موقع پر اور اس کے علاوہ کئی مواقع پر آپ ﷺ نے اپنی انگشتِ مبارک سے پانی کے چشمے بہا دیے۔ انگلی کے اشارہ سے چاند چیر دیا، ڈوبا سورج لوٹا دیا۔ درختوں کو پاس بلایا۔ ان حیرت انگیز معجزات کے ضمن میں کئی معجزے ہیں مثلاً درختوں کو اشارہ کیا تو اشارے سے ان میں عقل سمجھ، بصیرت اور اپنی معرفت بخشی پھر متحرک ہونے اور چلنے کی قوّت عطا کی۔ اشارہ پاتے ہی درخت آگاہ ہوگیا کہ اشارہ کرنے والا کون ہے۔ کیا چاہتا ہے وہ زمین چیرتا پھاڑتا آپ ﷺ کے سامنے حاضر خدمت ہوا۔ کیا کبھی کسی نے درخت کو چلتے دیکھا ہے؟ اس میں چلنے کی قدرت کیسے پیدا ہوئی؟

سورج الٹے پاؤں پلٹے، چاند اشارے سے ہو چاک   اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

جب آپ دائی حلیمہ کے گھر دودھ پیتے بچے تھے اس وقت بھی حلیمہ کے گاؤں میں اگر کوئی بیمار پڑتا تو لوگ مریض حلیمہ کے ہاں لاتے۔ حضور کا ننھا دست مبارک اس پر پھیرتے جس سے مریض شفایاب ہو جاتا۔

سینۂ انور: حضور پرنورﷺ کے سینہ انور کی کیا شان ہے؟ وہ قرآن جسے اگر پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ اس کلام الٰہی کو جو انوار و تجلّیات کی شکل میں تھا۔ حضور کے قلبِ انور نے برداشت کیا پھر اسے اپنے دہنِ مبارک سے الفاظ کی شکل پہنا کر ہمیں عطا فرمایا۔ وہ سینہ انور جو تمام علوم الٰہیہ کا گنجینہ ہے، اس کی وسعتوں، ہمتوں اور قوتِ برداشت کا اندازہ لگانا امرِ محال ہے۔

شکمِ اطہر: حضور پرنور کے اس معدن نور کی کیا بات ہے۔ ہم غذا کھاتے ہیں۔ تو وہ غلاظت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ حضور کے معدنِ نور میں وہی غذا نور اور خوشبو میں تحلیل ہو جاتی۔ پھول سے رَس بھونرا بھی چوستا ہے اور شہد کی مکھی بھی۔ ایک کے شکم میں وہ رس زہر بن جاتا ہے جبکہ دوسرے کے شکم میں وہی رس شہد بن جاتا ہے جس میں انسانوں کے واسطے شفا ہے۔ یہ اپنے اپنے معدن کی بات ہے۔ آپﷺ کا شکم اطہر نور کی کان ہے جو غذا کو نور میں تحلیل کر دیتا تھا۔

پائے اقدس: پائے اقدس کا معجزہ دیکھیں کہ سخت اور نوکیلے پتھر آپ کے قدموں تلے موم ہو جاتے۔ الغرض حق تعالیٰ نے اپنے حبیبﷺ کو برہان۔ سراپا معجزہ بنا کر ہم میں مبعوث فرمایا۔ حضورﷺ برہانِ ربی ہیں یعنی رب کی دلیل۔ اللہ دعویٰ ہے، حضور اس دعوے کی دلیل ہیں۔ دلیل جس قدر قوی ہوتی ہے دعویٰ اسی قدر مضبوط ہوتا ہے۔ دلیل میں نقص نکالنے سے دعویٰ کمزور پڑ جاتا ہے۔ ان کم عقلوں پر افسوس کہ جسے رب نے محمدﷺ بنایا یعنی سراپا تعریف کے قابل ذات اور جن کی شان میں حضرت حسان بن ثابت نے فرمایا: ''خلقت مبرأ من کل عیبٍ'' یارسول اللہﷺ اللہ نے آپ کو ہر عیب ہر نقص سے پاک پیدا کیا۔ اس ذاتِ مقدّسہ میں نقص ڈھونڈتے ہیں، ان کے فضائل کو چھپاتے ہیں ؎

ذکر روکے، فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں امّت رسول اللہ کی

جنہیں اللہ نے بے عیب بنایا، جنہیں اللہ نے محمدﷺ (سراپا تعریف کے قابل ذات) بنایا جنہیں اللہ نے سراپا معجزہ بنایا جنہیں اللہ نے اپنی دلیل بنایا، اس ذات کی شان و عظمت ماورائے عقل وگماں ہے۔

حق تعالیٰ نے آنجنابﷺ کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ حدیث شریف میں وارد ہے حق تعالیٰ نے فرمایا: '' خلق اللہ آدم علی صورتہ '' اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا محدثین فرماتے ہیں یہاں آدم سے مراد نور محمدی ہے کہ حق تعالیٰ نے نورِ محمدی (جو آدم کی اصل

ہے) کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ حضورﷺ نے فرمایا: "من رأنی فقد رأ الحق" جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے حق کو دیکھا صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور اقدسﷺ نے جبرئیل امین سے پوچھا اے جبرئیل یہ کلامِ الٰہی تم کہاں سے لاتے ہو؟ جبرئیل نے عرض کی یا رسول اللہﷺ مقام سدرہ پر مجھے آواز آتی ہے اور میں وہ آپ تک پہنچاتا ہوں۔ حضورﷺ نے پوچھا کہ کیا کبھی اوپر جا کر بھی دیکھا ہے کہ وہ کیسا ہے؟ جبرئیل نے کہا یا رسول اللہ اگر اپنے مقام سے ذرا سا بھی تجاوز کروں تو میرے پر جلنے لگ جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا جاؤ میں تمہیں اذن دیتا ہوں جا کر دیکھو۔ اس وقت حضورﷺ عمامہ شریف باندھ رہے تھے۔ جیسے ہی اذن ملا جبرئیل علیہ السلام نے اپنے چھ سو پر کھول کر سرعت سے پرواز کی اور ایک لمحہ میں حق تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے دیکھا کہ وہاں بھی حضورﷺ ہی تشریف فرما، عمامہ باندھ رہے ہیں۔ فوراً زمین پر آئے یہاں بھی وہی ماجرا دیکھا۔ سات چکر لگائے بالآخر حضورﷺ کے سامنے بیٹھ گئے کہ یا رسول اللہﷺ یہ کیا ماجرا ہے؟ یہاں بھی آپ وہاں بھی آپ؟ حضورﷺ نے فرمایا اے جبرئیل تم نے غور نہ کیا، حق تعالیٰ نے میرے لیے کیا فرمایا: "قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (سورۂ نساء۔۱۷۴) میں اللہ کی برہان ہوں اللہ کی دلیل ہوں۔ سورج کی دلیل سورج ہی ہوسکتا ہے چاند کی دلیل چاند ہی ہوگا۔ آم کبھی کیلے کی دلیل کے طور پر نہیں پیش کیا جاسکتا نہ کیلا آم کی دلیل بن سکتا ہے۔ حضورﷺ دلیل رب ہیں حضورﷺ کو دیکھنا عین اللہ کو دیکھنا ہے۔ حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے حضور کی رضا عین رضائے الٰہی ہے۔ حضور کا قُرب عین قُربِ باری تعالیٰ ہے۔

جان لیں کہ اللہ شکل وصورت سے پاک ہے مگر طالب حق پر وہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہر طالب کو وہ اسی صورت میں نظر آتا ہے یا اس پر اُس صورت میں متجلّی ہوتا ہے جس صورت سے طالب کو سب سے زیادہ محبت ہو۔ ان تمام صورتوں میں سب سے کامل اور اکمل اور بہتر تجلّی، حضور اقدسﷺ کی صورتِ مبارکہ پر ہوتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دُعا اور حضور ﷺ پر عطا

وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّا ھُدْنَآ اِلَیْکَ ط قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ (اعراف۔۱۵۶۔۱۵۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر، اولوالعزم رسول، صاحبِ کتاب مرسل اور صاحبِ شریعت نبی ہیں۔ آپ نے اللہ عزّ وجل کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنی قوم کے واسطے ایک دعا کی فرمایا: وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّا ھُدْنَآ اِلَیْکَ ط اے اللہ ہماری قوم کے واسطے لکھ دے دنیا کی بھی بھلائی اور آخرت کی بھی بھلائی ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کے واسطے دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اسے ہمارے واسطے لکھ دے یعنی ہمارے لیے مخصوص کردے جیسے کوئی کہتا ہے کہ اس چیز کو میرے واسطے لکھ دے تاکہ کوئی اور اس چیز کا دعویدار نہ ہو۔

اس دعا میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے کوئی معمولی چیز نہیں مانگی جان لیں کہ عالم دو ہیں۔ دنیا اور آخرت۔ دنیا کی زندگی مختصر اور ناپائیدار ہے جب کہ آخرت کی زندگی دائمی ہے، ہمیشہ رہنے والی ہے۔ جو آخرت میں ناکام ہوجائے جو آخرت میں ذلیل وخوار ہوجائے وہ کامیاب نہیں۔ اصل کامیاب اور معزز وہی ہے جس کی آخرت سنور جائے لیکن جو دنیا میں بھی کامیاب ہو اور آخرت میں بھی۔ جو دنیا میں بھی سُرخرو ہو اور آخرت میں بھی۔ ایسے شخص کی کامیابی سب سے افضل ہے لہٰذا دارین کی کامیابی کوئی معمولی بات نہیں اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے دنیا وآخرت کی بھلائی چاہی اور نہ صرف چاہی بلکہ تقاضا کیا کہ بھلائی کو ہماری قوم کے واسطے لکھ دے، مخصوص کردے۔

مانگنے کا سلیقہ اور ڈھنگ ہر ایک کو نہیں آتا۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ مختارِ کل ہیں۔ اللہ کی نعمتوں کے قاسم ہیں۔ شہنشاہِ دو جہاں ہیں، جس کو جو چاہیں نعمت عطا کر سکتے ہیں۔ حضور سے جب بھی کسی نے سوال کیا، حضور نے اس کو لا نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا: ''وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ'' اور آپ کسی سائل کو انکار نہ کریں۔ اگر حضور کسی کو کچھ دے نہیں سکتے تو اللہ نے ایسا کیوں فرمایا ۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

اللہ نے اپنے حبیب کو مالک و مختار بنایا اور حکم دیا کہ کسی کو نہ، نہ کہیں۔ حضور کی بارگاہ میں ایک اعرابی آیا۔ کہنے لگا اے محمد ﷺ میں نے سنا ہے آپ بہت سخی ہیں کسی سائل کو خالی نہیں لوٹاتے میرا بھی سوال پورا کیجیے۔ حضور خاموش رہے۔ اس نے پھر یہی عرض کی حضور پھر خاموش رہے پھر سائل نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ''سَل ماشئت یا اعرابی'' اے اعرابی جو چاہے مانگ لے۔ دیہاتیوں کو ادب و آداب نہیں آتے مگر عقیدے کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔ تو حضور نے اس سے فرمایا پھر مانگ جو تو چاہتا ہے۔ ایسا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟ وہی جس سے جو بھی چیز مانگی جائے تو وہ دینے پر قادر ہو۔ جب حضور نے اس اعرابی سے یہ کہا تو حضرت علی فرماتے ہیں: ''قلنا یسئل الجنّة''۔ ہم نے آپس میں کہا یقیناً یہ اب جنت کا سوال کرے گا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ جسے چاہیں جنت عطا کر سکتے ہیں کیا میں یا آپ کسی اور کے مکان یا جائیداد کا سودا کر سکتے ہیں؟ کسی اور کو عطا کر سکتے ہیں؟ ایسا وہی کر سکتا ہے جس کو اپنے رب کے پاس سے مکمل اختیار اور تصرف حاصل ہو۔ ہمارے حضور ﷺ تو احمد مختار ہیں۔ اللہ نے اپنے حبیب کے اختیار میں سب کچھ دیا ہوا ہے ۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اعرابی نے حضور کا جواب سن کر عرض کیا مجھے ایک اونٹ چاہیے۔ حضور نے اسے اونٹ عطا کر دیا اور وہ خوش خوش وہاں سے لوٹ گیا۔ اس کے جانے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کتنا فرق ہے اس اعرابی کے سوال میں اور اس بڑھیا کے سوال میں جو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بڑھیا کا کیا سوال تھا؟ حضور ﷺ نے فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر دریائے نیل پر پہنچے تو آپ کو حکم ہوا کہ اپنے ہمراہ حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت لے جائیں۔ حکم آ گیا مگر قبر کی نشاندہی نہ کی گئی۔ آپ نے اپنی قوم سے پوچھا کہ تم میں سے

کسی کو یوسف علیہ السلام کی قبر کا پتہ ہے۔ سب نے کہا نہیں البتہ نیل کے کنارے ایک بڑھیا رہتی ہے جس کی عمر 500 سال ہے شاید وہ اس قبر کے بارے میں جانتی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا کو بلوایا وہ بوڑھی خاتون لکڑی ٹیکتی ہوئی آ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کیا تمہیں یوسف علیہ السلام کی قبر کا پتہ ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا بتاؤ۔ اس نے کہا کیا ایسے ہی بتا دوں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر کیسے بتائے گی اس نے کہا دو شرطیں ہیں انہیں پورا کرنے کا وعدہ کرو تو بتاتی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ عمر رسیدہ ہے یہی کہے گی کہ خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ مغفرت ہو جائے۔ آپ نے وعدہ کر لیا۔ بڑھیا نے کہا میرا سوال تو سن لیں پہلی بات یہ آپ دعا کریں میں دوبارہ سے جوان ہو جاؤں دوسرے یہ کہ مجھے جنت میں تمہارے جیسا محل عطا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام یہ سوال سن کر سکتے میں آ گئے کہنے لگے اتنا بڑا سوال!''سلی الجنّة تکفیک'' تو مجھ سے جنت مانگ لے یہ تیرے لیے کافی ہے۔ مگر بڑھیا اپنے مطالبے پر اڑی رہی۔ اللہ عزّ وجل نے وحی بھیجی اے موسیٰ جو یہ مانگ رہی ہے اسے دے کیوں نہیں دیتے۔ آپ دعا کریں، میں اس کو عطا کرتا ہوں وہ کچھ دیکھ کر مانگ رہی ہے۔ موسیٰ کلیم اللہ کی بارگاہ میں سوال کر رہی ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں چیزیں اس کو عطا کر دیں۔ ادھر حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ کتنا فرق ہے اس اعرابی کے سوال میں اور اس بڑھیا کے سوال میں گویا حضور اس اعرابی کے قصورِ ہمّت کا شکوہ کر رہے ہیں۔ تو مانگنے کا ڈھنگ ہر ایک کو نہیں آتا۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت باقی باللہ کے چند مرید پیدل سفر کرتے ہوئے آدھی رات کو دلّی پہنچے اور بازار سے گزرے۔ وہاں ایک نانبائی کی دوکان تھی جو باقی باللہ کا مرید تھا وہ ان لوگوں کے رنگ ڈھنگ سے سمجھ گیا کہ حضرت صاحب کے مریدین ہیں۔ کاملین اپنے مریدین پر اپنا رنگ چڑھاتے ہیں۔ پیر کا رنگ ڈھنگ ان کے مریدین سے عیاں ہوتا ہے۔ مریدین کو دیکھ کر پیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کسی کی کاملیت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے مریدوں کو دیکھو۔ کامل پیر علاج کرتا ہے، اصلاح کرتا ہے، تربیت کرتا ہے پھر حضوری والا بناتا ہے۔ مریض جب حکیم کے پاس جاتا ہے تو وہ مریض کو کچھ پرہیز اور دوا تجویز کرتا ہے اگر مریض اس پر عمل کرے گا تو اس کو شفا ہو گی اور جو نہ پرہیز کرے نہ دوا لے تو اس کی شفایابی ممکن نہیں۔ اسی طرح کاملین، مریدین کی اصلاح کے لیے، ان کی تربیت کے لیے ان کو پابند

کرتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولنا، غیبت نہ کرنا، حسد، طمع، بغض اور کینہ سے دور رہنا، تکبر وغرور سے بچنا، نماز روزوں کی پابندی کرنا، ہر وقت ذکر میں مشغول رہنا اللہ کی معیت کو دھیان میں رکھنا اور اللہ سے حیا کرتے ہوئے گناہوں سے بچنا اور نیکیوں میں سبقت کرنا، جو مرید ان باتوں پر عمل کرتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اس مریض کی طرح جو طبیب کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر صحت یاب ہو جاتا ہے۔ تو نانبائی نے دیکھا کہ رنگ ڈھنگ سے حضرت کے مرید لگ رہے ہیں۔ یقیناً سفر کی تکان اور بھوک غالب ہوگی۔ اس نے سوچا کہ آج خدمت کا وقت ہے جلدی کھانا گرم کروایا، گرم گرم روٹیاں لگائیں اور سر پر رکھ کر حضرت باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ادھر باقی باللہ سوچ رہے تھے کہ آدھی رات کو مریدین آئے ہیں تھکے ہوئے اور بھوکے ہیں اتنی جلدی کھانے کا کیسے بندوبست کیا جائے کہ نانبائی کھانا لے کر آن پہنچا اور عرض کیا میں نے آپ کے مریدین کو آتے دیکھا تو سوچا کہ یہ بھوکے ہوں گے لہٰذا کھانا لے آیا ہوں۔ باقی باللہ بہت خوش ہوئے مریدین کو کھانا کھلوایا پھر خوش ہو کر نانبائی سے کہا تو نے ہمیں خوش کر۔ ہے مانگ کیا مانگتا ہے۔ نانبائی نے کہا حضرت پھر جو مانگوں دینا پڑے گا۔ آپ نے فرمایا مانگو ہم دیں گے۔ نانبائی نے کہا پھر اپنے جیسا باقی باللہ بنا دیں۔ باقی باللہ یہ سوال سن کر خاموش ہو گئے۔ فرمایا نانبائی تو نے بہت بڑی چیز مانگ لی جو باقی باللہ نے ساری زندگی میں حاصل کیا تو ایک لمحے میں پانا چاہتا ہے۔ ہم دینے کو تیار ہیں مگر تو اسے برداشت نہ کر سکے گا۔ کچھ اور مانگ لے۔ نانبائی نے عرض کیا حضرت آپ زبان دے چکے ہیں۔ مجھے تو بس یہی چاہیے۔ آگے میری قسمت۔ باقی باللہ نانبائی کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے سامنے بٹھا کر اتحادی توجہ دی۔ جب وہ دونوں باہر نکلے تو لوگوں نے دیکھا دو باقی باللہ تھے۔ ایک ہوش میں تھا دوسرا مدہوش۔ نانبائی تین دن زندہ رہا پھر اس کا وصال ہو گیا۔ کیا عمدہ شہ نانبائی نے طلب کی۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ مانگنا ہر ایک نہیں آتا۔ نانبائی کی جگہ ہم ہوتے تو کیا مانگتے؟ کاروبار چل جائے، بچے ہو جائیں، دنیا مل جائے وغیرہ! مرنا ایک دن سب کو ہے مگر نانبائی جو چیز حاصل کر کے مرا وہ بہت کم خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہے۔

تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے بہت بڑی چیز یعنی دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگی اور اس بھلائی کو اپنی امت کے حق میں مخصوص کر دینے کا مطالبہ کیا۔ اللہ عزّ وجل نے اس سوال کے جواب میں فرمایا: ''عَذَابِیٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ'' پہلے

عذاب اور رحمت کے اصول بتائے پھر ان کے سوال کا جواب دیا۔ فرمایا میرا عذاب اسے پہنچتا ہے جسے میں چاہوں اور میری رحمت سب کے لیے عام ہے میری رحمت نے ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ عذاب ہر ایک کو نہیں پہنچتا صرف اسے پہنچتا ہے جسے اللہ چاہے۔ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ لوگ اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں اللہ کے حدود پامال کرتے ہیں، مخلوق پر ظلم وستم کرتے ہیں مگر ایسے لوگوں پر عذاب نہیں آتا! اس کا سبب کیا ہے؟ اللہ نے اس سوال کا جواب حدیثِ قُدسی میں دیا۔ فرمایا لوگوں کے گناہوں، نافرمانیوں، ظلم وستم اور حدود توڑنے پر میرے عذاب میں حرکت ہوتی ہے۔ میرا عذاب ایسے لوگوں پر نازل ہونے کے لیے متحرک ہو جاتا ہے مگر جب میری نگاہ راتوں میں اٹھ کر عبادت کرنے والوں، استغفار کرنے والوں، عاجزی کرنے والوں گڑگڑانے والوں پر پڑتی ہے تو ان لوگوں کی وجہ سے "صرفت عنهم عذابی" مستحقین عذاب پر عذاب نازل ہونے سے رک جاتا ہے۔ ہم جو اسقدر نافرمانیوں کے باوجود عذاب الٰہی سے بچے ہوئے ہیں یہ اولیائے کرام کا صدقہ ہے۔ ان کی شب بیداریوں، آہ وزاری، استغفار اور عاجزی کے سبب عذاب نازل ہوتے ہوئے موقوف ہو جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ دافع العذاب ہیں اور جو اللہ کے عذاب کو دور کرنے والا ہو وہ عام بلائیں اور مصیبتیں دور کرنے پر زیادہ قادر ہوگا کہ اللہ کا عذاب سب سے بڑی بلا اور مصیبت ہے۔ دوسری بلائیں اور مصیبتیں اللہ کے عذاب کے مقابلے میں بہت چھوٹی ہیں۔ تو جب اولیاء دافع العذاب ہو سکتے ہیں تو ہمارے نبی رسول اکرم رحمت عالم ﷺ جو تمام انبیاء واولیاء کے سردار ہیں کیوں دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم نہیں ہو سکتے؟ حضور کے غلاموں کی جب ایسی شان ہے تو حضور ﷺ کا خود کیا عالم ہوگا اور یہ شب بیدار لوگ اولیاء اللہ ہی ہیں جن کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے "يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا" وہ اپنے رب کے لیے سجدہ وقیام میں رات گزار دیتے ہیں۔ ذرا اولیاء کے حالات اٹھا کر دیکھیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۶ برس عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ ہمارے سردار سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے ۴۰ برس عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ان میں ۱۵ برس ایسے گزرے کہ آپ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کرتے اور صبح تک قرآن ختم کر دیتے، حالانکہ آپ مادرزاد ولی تھے مگر آپ نے اس قدر سخت ریاضت ومجاہدہ فرمایا۔ اصلاح نفس کے لیے، حق کو پانے کے لیے ریاضت ومجاہدہ بڑا ضروری ہے جبکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ بس ایسا پیر ملے جو ایک نظر میں

قطب بنادے!۔ دیکھیں سونا، سونا ہے لیکن اگر کوئی سونے کی ڈلی گلے میں پہن لے تو سب اس کا مذاق اڑائیں گے۔ سونا پہننے کے قابل اس وقت بنتا ہے جب اسے آگ میں پگھلایا جائے، زیور کے سانچے میں ڈھالا جائے آگ میں جلانے سے اس کی اکڑ نکل جاتی ہے وہ نرم پڑ جاتا ہے پھر جیسے سانچے میں چاہے ڈھال لو۔ اسی طرح ریاضت و مجاہدے کی بھٹی میں اولیاء اللہ کندن ہو جاتے ہیں۔ دن کو روزہ، رات کو شب بیداری، ذکر و اذکار، گریہ وزاری۔ جب اللہ اپنے ایسے بندوں کو دیکھتا ہے تو ان کے سبب اوروں پر سے عذاب موقوف کر دیتا ہے۔ حقیقتاً ان اولیاء اللہ کا وجود ہمارے لیے موجب برکت ہے۔

ملتان میں ایک جلالی بزرگ جنگلوں سے آئے۔ رات کو جب نظر ماری تو بیشتر مخلوق کو شراب و کباب اور عیاشی میں مشغول دیکھا۔ جلال میں آ گئے شہر کے قطب سے کہا کیا تو دیکھتا نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ان تمام کو تباہ و برباد کیوں نہیں کرتا؟ انہوں نے کہا لگتا ہے آپ نئے نئے آئے ہیں۔ ذرا صبر کریں۔ جب رات کا تیسرا پہر آیا تو اللہ والے اُٹھے۔ ذکر و اذکار، تہجد، عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اللہ کے حضور عاجزی اور گریہ وزاری کرنے لگے دیگر لوگوں کے لیے استغفار کرنے لگے، ان کی مغفرت اور معافی کے خواہاں ہوئے۔ قطب نے فرمایا اب ان لوگوں کو دیکھو، ان کی وجہ سے اللہ اُن گناہگاروں پر عذاب نہیں فرماتا ۔

رات پڑے تو بے درداں نو نیندر پیاری آئے

درد منداں نو یاد سجن کی ستیاں آن جگائے

اللہ والے اہل درد ہوتے ہیں۔ سجن کی یاد اور دردِ عشق انہیں سونے نہیں دیتا اللہ اپنے ان بندوں کے سبب بروں پر سے عذاب پھیر لیتا ہے۔ ایک بزرگ کا ایک جھوٹے شخص سے مناظرہ ہو گیا۔ نوبت مباہلے تک جا پہنچی کہ کڑاہی میں تیل کھولا کر اس میں ہاتھ ڈالا جائے۔ جھوٹا شخص بڑا ہوشیار تھا اس نے کہا دونوں کے ہاتھ باندھوں اور ایک ساتھ کھولتے تیل میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ قدرت خدا کی دونوں کا ہاتھ نہ جلا۔ وہ بزرگ بڑے حیران ہوئے باطن میں حق تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ تو جانتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے مگر اس کا بھی ہاتھ نہ جلا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اس کا ہاتھ تیرے ہاتھ کی برکت سے بچ گیا اگر میری قدرت کا جلوہ دیکھنا ہے تو اس سے کہو کہ دونوں الگ الگ ہاتھ ڈالیں۔ ان بزرگوں نے لوگوں سے کہا کہ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی برکت سے

جلنے سے بچا ہے۔اب الگ الگ ڈالتے ہیں۔جھوٹا شخص اس بات کے لیے تیار نہ ہوا۔تو ان اللہ والوں کا ہمارے اندر رہنا بڑی رحمت و برکت کا موجب ہے۔ باجماعت نماز کا حکم بھی اسی لیے ہے تا کہ کسی نیک بندے کی برکت سے سب کی نماز قبول ہو جائے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ حج کرنے گئے۔خواب میں دیکھا کہ چند فرشتے آسمان سے اُترے ان میں سے ایک نے پوچھا اس سال کتنے لوگوں نے حج کیا۔دوسرے نے کہا ۶ لاکھ لوگوں نے۔اس نے پوچھا کتنوں کے حج قبول ہوئے۔دوسرے فرشتے نے کہا صرف ۶ کے۔اس نے پوچھا باقیوں کا کیا بنا۔فرشتے نے کہا اللہ نے اُن چھ کے طفیل سب کے حج قبول کر لیے۔ذرا غور کرو اور وسیلہ کسے کہتے ہیں؟ کسی کی وجہ سے ہماری عبادات بھی ہماری دعائیں بھی قبول ہو جائیں۔اسی لیے عبادت کے واسطے جمع کے صیغے استعمال ہوئے۔''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' ہم تیری ہی عبادت کریں اور تجھی سے استعانت چاہیں۔''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' ہمیں سیدھے رستے پر چلا۔جمع کے صیغے اس لیے استعمال ہوئے تا کہ نیک لوگوں کے سبب ہماری عبادات، دعائیں قبول ہوں۔

نیکوں کا وجود اور ان کے ساتھ مل جل کر رہنا ہمارے لیے غنیمت ہے کہ ان کے صدقے و طفیل بلائیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔یہ تو اولیاء اللہ کا حال ہے۔ہمارے نبی کی ذاتِ گرامی اس قدر موجبِ رحمت و برکت ہے جس کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا۔کفارِ مکہ نے جب مظالم کی حد کر دی تب بھی اللہ کے عذاب نے ان کو نہ پکڑا۔جس سے ان کے حوصلے اور بلند ہو گئے وہ اور زیادہ تکالیف پہنچانے لگے اور مسلمانوں سے کہنے لگے کہ ہم تمہارے نبی کو اتنا ستاتے ہیں، تمہارا رب تمہارے نبی کی مدد کیوں نہیں کرتا۔ان کے دشمنوں کو سزا کیوں نہیں دیتا؟ فی زمانہ بھی بدعقیدہ لوگ اسی طرح کہتے ہیں کہ اگر تمہارا نبی حاضر و ناظر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟ انہیں اختیار ہے تو وہ مظلوموں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ دردمندوں کے مسائل کیوں نہیں حل کرتے؟ وغیرہ تو حضور کے زمانے میں کفار جب اس قسم کی باتیں کرتے تو مسلمان انہیں جواب دیتے کہ ہمارے نبی رحمۃ للعالمین ہیں وہ کسی کے حق میں بددعا نہیں کر سکتے۔کافروں نے کہا اگر وہ بددعا نہیں کر سکتے تو ہم بددعا کرتے ہیں۔قرآن میں اس بات کا ذکر ہے کہ کافروں نے خود اپنے لیے بددعا کی، اللہ کو چیلنج کیا، نزولِ عذاب کی دعوت دی۔کافروں نے کہا: اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ

فَامۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ٥ (سورۂ انفال: ۳۲) اے اللہ اگر یہ تیرا دین اور تیرے نبی حق ہیں اور تیری طرف سے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر عذاب الیم لے آ۔ کفار نے اللہ کو چیلنج کیا مگر پھر بھی عذاب نہ آیا۔ مسلمان بھی سوچنے لگے کہ وجہ کیا ہے؟ عذاب طلب کرنے کے باوجود کیوں نہیں آتا۔ اللہ عزّ وجل نے اس کے جواب میں فرمایا: وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمۡ وَاَنۡتَ فِیۡھِمۡ (سورۂ انفال۔ ۳۳) اللہ ان کافروں پر اس لیے عذاب نازل نہیں فرماتا کیونکہ اے محبوب ﷺ آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔ یہ کافر بھی آپ ہی کے سبب سے عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ تو جس ہستی مقدسہ کا وجود کافروں کے لیے بھی دافع العذاب ہو وہ مومنوں کے لیے کیسے ہوں گے؟ وہ مومنوں کے واسطے کیسے دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم نہ ہوں گے؟ جبکہ اللہ نے مومنوں کے حق میں آپ ﷺ کو رؤف ورحیم بنا کر مبعوث فرمایا۔ حضور ﷺ اگر چاہتے تو اللہ آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کی مثل آسمانوں پر یا جنت میں اٹھا سکتا تھا مگر حضور نے یہیں رہنا اختیار کیا تا کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ اور آپ کے روضۂ مبارک کی برکت سے لوگ عذاب سے بچے رہیں۔

تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: میرا عذاب ہر ایک پر نازل نہیں ہوتا بلکہ اس پر نازل ہوتا ہے جس پر میں چاہتا ہوں اور میری رحمت سب کے واسطے عام ہے، سب کو پہنچتی ہے، میری رحمت سے کوئی شہ دور نہیں، میری رحمت نے ہر شہ کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور ہر شہ پر محیط اللہ کی وہ رحمت ہے کیا؟ فرمایا: ''وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ'' ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے عالمین کے واسطے رحمت بنا کر۔ حضور ﷺ سراپا رحمت ہیں اور یہ رحمت جملہ عالمین میں سے ہر شہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ حضور اپنی رحمت سے ہر شے پر محیط ہیں۔ پھر آگے حق تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ جس چیز کا تو نے اپنی قوم کے واسطے سوال کیا ہے اور اسے اپنی قوم کے واسطے لکھ دینے کا کہا ہے اس چیز کو یعنی دنیا اور آخرت کی بھلائی کو میں اپنے محبوب کی امت کے واسطے لکھ چکا ہوں۔ فرمایا: فَسَاَکۡتُبُھَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ ٥ (سورۂ اعراف۔ ۱۵۶) میں نے دنیا اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کے واسطے لکھ دی ہے جو متقی ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں اور میری نشانیوں پر ایمان لانے والے ہیں (یعنی آیات اللہ، اللہ والوں کو ماننے والے ہیں) آگے کھول کر بیان کر دیا کہ یہ لوگ کس قوم میں ہوں گے فرمایا: ''اَلَّذِیۡنَ

يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ" (اعراف۔۱۵۷) "وہ لوگ جو میرے رسول نبی اُمیﷺ کے پیروکار ہوں گے"۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے واسطے جس بھلائی کے درخواست گزار تھے۔ حق تعالیٰ نے بن مانگے اسے اپنے محبوب کے پیروکاروں، امتیوں کے حق میں پہلے ہی سے لکھ دیا، خاص کر دیا۔ ہمیں حضورﷺ کے صدقے دنیا و آخرت کی بھلائی کی بشارت دی گئی۔

مذکورہ آیات بتا رہی ہیں کہ حضورﷺ کے پیروکاروں میں سے جو بھی دنیا اور آخرت کی بھلائی کا خواہاں ہے اس کے لیے لازم ہے کہ تقویٰ اختیار کرے اور تقویٰ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی موجودگی اور معیت کا ہمہ وقت احساس کرتے ہوئے برائیوں سے اجتناب اور نیکیوں پر گامزن ہونا۔ پھر اپنے مال کو دوسروں پر خرچ کرے، کم از کم زکوٰۃ کی مکمل ادائیگی یقینی بنائے۔ اللہ کی آیات، نشانیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔ جان لیں کہ اللہ کی آیات اولیاء اللہ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔

اولیاء اللہ کا منکر نہ ہو، اولیاء اللہ سے بغض رکھنے والا نہ ہو آخری بات حضورﷺ کی اتباع کرنے والا ہو۔ حضور اقدسﷺ کی سنتوں کی دو قسمیں ہیں: سنّتِ عبادات، سنّتِ معاملات۔ بعض لوگ سنّتِ عبادات کی اتباع پر ہی سارا زور دیتے ہیں۔ سنّتِ معاملات سے بے بہرہ رہتے ہیں چشم پوشی اختیار کرتے ہیں۔ ضروری ہے کہ دونوں سنّتوں کی پیروی کی جائے۔ عبادات اور اوراد و وظائف میں حضور کی سنّتوں اور طریقے کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے ساتھ ہی حضورﷺ کے اخلاقِ عالیہ سے آگاہی اختیار کی جائے اور اپنے اخلاق کو ان کے مطابق بنایا جائے۔ حضورﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی پیروی کی جائے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے نفس اور خواہش کے برخلاف حضورﷺ کے طریقے کے مطابق دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے بنیں۔ اپنے آپ کو عفو و درگزر کا پیکر بنائیں۔ دل کو حسد، بغض کینے، لالچ، ریا اور تکبر سے بالکل صاف رکھیں۔ سب کے حق میں سراپا کرم رہیں۔ سب کی بھلائی و بہتری کے خواہاں ہوں سب کے حق میں استغفار کرنے والے اور دعا گو ہوں۔ بیماروں کی عیادت کریں۔ مصیبت زدوں کی مدد کریں۔ سائلوں کو نہ جھڑکیں جتنا مقدور ہو تقسیم کرتے رہیں۔ حضورﷺ کی امّت کی بھلائی و مغفرت کے لیے ہمیشہ دعا گو رہیں تا کہ اتباعِ رسول کا حق ادا ہو سکے اور حقِ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق دنیا اور آخرت کی بھلائیوں سے ہمیں نواز دے۔ ہمارے لیے لکھ دے اور ہمیں ان بھلائیوں کے ساتھ خاص فرما دے۔ آمین بجاہ النبی الکریمﷺ۔

محبت رسول ﷺ

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (پارہ ۱۰۔ سورۂ توبہ۔ ۲۴)

میرے حبیب فرما دیجیے کہ اے لوگو! تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی تمہاری عورتیں، تمہارا کنبہ تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہاری پسند کے مکان، ان میں سے کوئی چیز بھی اگر اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا عذاب اُتارے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے حضور اقدس ﷺ کی محبت کا ہر شہ کی محبت پر غالب ہونا فرض ہے۔ جان لیں کہ حضور ﷺ کی محبت تمام تر طاعتوں اور عبادتوں کی اصل ہے۔ تمام تر عبادتیں حضور کے صدقہ اور طفیل ہیں۔ آپ ﷺ کی محبت سے ہی دل سینوں میں زندہ اور روشن ہوتے ہیں۔ یہ کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، عبادات، اوامر و نواہی، یہ تمام ہوں اور آپ کی محبت نہ ہو تو سب بے کار ہے۔ حضور کی محبت کے بغیر نہ سوز ہے نہ ساز، نہ ذوق ہے نہ شوق، بلا محبت زندگی ایک بوجھ ہے، بے لذت و کیف ہے۔ بزمِ ہستی میں رونق آنجناب کی محبت کے سبب ہے۔ انسانیت کا کمال، اپنے آپ کو ان کے درِ اقدس تک پہنچانا ہے۔ جو آپ تک پہنچا، اللہ تک پہنچا۔ جو آپ تک نہ پہنچ سکا وہ ہلاک و برباد ہو گیا۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

حضور اقدس ﷺ سے محبت زندگی کا حاصل ہے۔ اولیاء کے دل آپ ﷺ ہی کی محبت سے مخمور و مسرور ہیں۔ جس دل میں بھی آپ کی محبت جلوہ گر ہو گئی وہ مسرور ہو گیا۔ مخمور ہو گیا۔ شاد

ہو گیا، آباد ہو گا۔ سر فراز ہو گیا، بے نیاز ہو گیا۔

درحقیقت دل وہی ہے جس میں آپ کی محبت ہے۔ اگر ساری کائنات پاس ہو اور آپ کی محبت نہ ہو تو گویا کچھ بھی نہیں اور اگر پاس کچھ بھی نہ ہو مگر آنجناب کی محبت حاصل ہو تو پاس ہر شے ہے۔ آپ ﷺ کی محبت ہر شے پر حاوی، زندگی کا حاصل اور دونوں جہانوں کا سرمایہ ہے۔

محبت جس دل میں جلوہ گر ہو، وہ دل اپنے محبوب کو ملنے کے لیے اسے پانے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے، شب و روز ایک ہی دھن میں محو اور مستغرق رہتا ہے۔ کسی اور کی طرف کبھی رجوع نہیں کرتا اور نہ ہی کسی شے کو پا کر خوش ہوتا ہے۔ بس ہمہ وقت اپنے محبوب کے خیالوں میں گم رہتا ہے اُس کی یاد سے راحت حاصل کرتا ہے اور اسی کے تذکرے سے مخمور ہو جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے اس محبت کی اہمیت جتلاتے ہوئے فرمایا: **"لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین"** "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے والدین اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی لذّت و حلاوت پائے گا ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے تمام ماسوا سے زیادہ پیارے ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی اور سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے تیسرے یہ کہ وہ کفر میں لوٹ جانے کو اس قدر برا سمجھے جس قدر آگ میں پھینکے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

جان لیں کہ محبت ایک فطری جذبہ ہے کسی کو زبردستی کسی سے محبت کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بالعموم کسی سے محبت یا تو ظاہری حسن و جمال کے سبب ہوتی ہے یا باطنی کمالات و خوبیوں کی بنا پر یا اس کے احسانات کے سبب دل میں محبت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اوپر دی گئی حدیث میں حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ مجھ سے محبت کرو اور وہ محبت ایسی ہو کہ تمام کی محبتوں سے بڑھ کر ہو، ماں باپ کی محبت سے بڑھ کر، اولاد کی محبت سے بڑھ کر بلکہ تمام انسانوں سے زیادہ مجھ سے محبت کرو۔ اور حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت، اپنے مال اپنی تجارت، اپنی ازواج اپنے کنبے اور اپنی جائیداد سے بھی بڑھ کر ہونی چاہیے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ تمام خوبیاں جن کے سبب محبت پیدا ہوتی ہے وہ تمام کی تمام حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ مقدّسہ میں موجود ہیں۔ حقیقتاً خوبی اور کمال وہی ہے جو حضور ﷺ میں ہے اور جو نہیں ہے وہ خوبی اور کمال ہی نہیں۔ کون سی ایسی

صفت، خوبی یا کمال ہے جو حضورﷺ میں نہیں؟ کہ حق تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا ''وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ'' میں نے آپ پر اپنی ساری نعمتیں تمام فرمادیں۔

اگر کوئی ظاہری حسن و جمال کا عاشق ہے تو حضورﷺ جیسا حسین و جمیل آج تک کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ؎

واحسن منک لم ترقط عینی　　واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأ من کل عیب　　کانک قد خلقت کما تشاء

ایک مرتبہ ایک حبشی نوجوان مدینہ آیا اور مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھا محمد (ﷺ) کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ہوں۔ اس نے پوچھا کیا آپ نے ہی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ حضورﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے پوچھا آپ کے پاس اس دعوے کی کیا دلیل ہے؟ حضورﷺ مسکرائے اور فرمایا میرا چہرہ! حبشی نوجوان بولا آپ کا چہرہ سچوں کا چہرہ ہے اگر میں آپ پر ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ حضورﷺ نے فرمایا اللہ تمہارے گزشتہ گناہوں کو بخش دے گا۔ اس نے پوچھا اور کیا ملے گا؟ حضورﷺ نے فرمایا اگر نیک عمل کرو گے تو اللہ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ اس نے پوچھا اور کیا ملے گا؟ حضورﷺ نے فرمایا جو تیرے دل میں خواہش ہے، انشاءاللہ وہ بھی پوری ہوگی۔ وہ آپ پر ایمان لے آیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اتنے میں ایک غزوہ درپیش ہوا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں بھی اس میں شریک ہو سکتا ہوں۔ حضورﷺ نے فرمایا، ہاں۔ جہاد تم پر بھی فرض ہے۔ وہ جنگ میں بہادری سے لڑا اور شہید ہو گیا۔ غزوہ سے فراغت کے بعد حضور اس نوجوان کی لاش کے قریب آئے اور فرمایا اے نوجوان تیرے اعمال بہت کم ہیں مگر ان کی جزا بہت زیادہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہﷺ ایسا کس لیے ہے۔ حضور نے فرمایا جب اس نوجوان نے میرا چہرہ بطور دلیلِ نبوّت دیکھا تو مجھ پر عاشق ہو گیا اور اس کے دل میں میری رفاقت کی خواہش پیدا ہوئی۔ پھر اس کی توجہ نہ گناہوں کی معافی کی طرف گئی نہ جنت کی نعمتوں کی طرف گئی وہ تو جنت میں بھی میری رفاقت کا طلبگار تھا سو میں نے اس سے وعدہ کر لیا۔

اگر کوئی صدق و صفا کا عاشق ہے تو حضورﷺ سے بڑھ کر کوئی صادق و باصفا نہیں آپ کی یہ صفت تو اظہارِ نبوّت سے قبل ہی مشہور تھی اور آپ صادق و امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ جب حضورﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کو آنے لگے ان میں

یہودیوں کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن سلام بھی تھے۔ وہ فرماتے ہیں جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ انور دیکھا تو جان لیا کہ یہ سچے آدمی کا چہرہ ہے۔ اس وقت آپ ﷺ فرمارہے تھے۔ لوگوں! سلامتی پھیلاؤ، صلۂ رحمی کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو اللہ کی عبادت کرو اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اگر کوئی شجاعت و بہادری پر عاشق ہے تو حضور ﷺ جیسا جری، بہادر اور شجاع کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے اُس رکانہ کو بآسانی پچھاڑ دیا جسے آج تک کوئی زیر نہ کر سکا تھا۔ غزوہ تبوک میں جب بیشتر صحابہ ساتھ چھوڑ گئے تو آپ ﷺ مقابلے پر بے خوف ڈٹے رہے۔

اگر کوئی علم و عرفان، حکمت و دانائی کا عاشق ہے تو حضور ﷺ منبعِ علم و حکمت ہیں، علوم و عرفان کا سرچشمہ ہیں۔ اللہ کے سب سے بڑے عارف ہیں اور اسی سبب اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہیں۔ خالق و مخلوق میں سے آپ پر کچھ نہاں نہیں۔ سب کچھ عیاں ہے۔ آپ نے فرمایا ''فتجلی لی کل شیء وعرفت'' مجھ پر ہر شہ روشن ہو گئی اور میں نے انہیں پہچان لیا۔

اگر کوئی تصرف و اختیار اور قدرت والے کا عاشق ہے۔ تو وہ احمد مختار ﷺ کے اختیارِ کل کو دیکھے کہ کوئی چیز، کوئی بات، کوئی امر آپ کے قبضہ اختیار سے باہر نہیں۔ انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے فرمانا، ڈوبا سورج لوٹانا، انگلیوں سے چشمے بہا دینا۔ دست مبارک سے کھانے میں برکت ڈال دینا۔ جس نے دُنیا کی دولت مانگی اس کو دنیا کی دولت سے مالا مال کر دینا اور جس نے جنت مانگی اسے جنت عطا کر دینا سب آپ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ ربیعہ بن کعب اسلمی کو جنت میں اپنی رفاقت عطا کر دی۔ کنکریوں سے اپنی نبوّت کی گواہی دلا دی۔ درختوں کو اشارہ سے قریب بلا لیا۔ دست مبارک کے مس سے سوکھے تھنوں کو دودھ سے لبریز فرما دیا، مریضوں کو شفا بخش دی۔

اگر کوئی ان ظاہری اور باطنی خوبیوں سے بھی متاثر نہیں ہوتا تو بتقضائے فطرت انسانی اپنے محسن سے ضرور محبت کرتا ہے کہ یہ انسانی فطرت ہے۔ اس دار فانی میں اگر کوئی ہم پر ذرا سا احسان کر دے، وقت پر کام آ جائے ہماری مصیبت و تکلیف دور کر دے تو ہمارے دل میں اس کی محبت و عظمت (اس احسان کے سبب) جاگزیں ہو جاتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ہر شہ پر احسانِ عظیم ہے۔ عالمین میں سے کون سی شہ رحمتِ عالمیاں سے بے نیاز ہو سکتی ہے۔ انسان، حیوان، اشجار، نباتات و جمادات اپنے وجود و بقا کے لیے حضور ﷺ کے محتاج ہیں۔ ہمارا وجود، نمود، حیات،

حضور ﷺ کی مرہونِ منّت ہے۔ یہ جو نظام کائنات رواں دواں ہے، حضور کے دم قدم اور فیضانِ رحمت سے ہے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

دُنیاو عقبیٰ کی نعمتیں، دنیائے میں اسلام، ایمان، نظامِ حیات، دین اور عمدہ اخلاق حضور کے صدقے نصیب ہوئے پھر آخرت میں عذاب الٰہی سے نجات وخلاصی حضور کی شفاعت سے ممکن ہوگی اور جنت میں ہمیشہ کے لیے دخول اور وہاں کی نہ ختم ہونے والی انمول نعتیں حضور ﷺ کے صدقے ملیں گی۔ تو جن کے صدقے ودنیاو عقبیٰ کی ساری نعمتیں ہوں کیا وہ اس بات کا استحقاق نہیں رکھتے کہ ان سے سب سے زیادہ محبت کی جائے؟

محبت کا تقاضہ کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”من احبّ شیء فاکثر ذکرہ“ جو جس شے سے محبت کرتا ہے کثرت سے اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ جس کو دنیا سے محبت ہے وہ دنیا کا ہی تذکرہ کرتا ہے جس کو مال سے کاروبار سے محبت ہے وہ مال کا کاروبار کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ محبّ، محبوب کے تذکرے سے ہی قرار پکڑتا ہے۔ اگر ہمیں حضور ﷺ سے محبت ہے تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہم کتنا حضور کا ذکر کرتے اور سنتے ہیں اور اس ذکر سے کتنا قرار وسکون پاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اس کے رسول کو ماسوی اللہ سے زیادہ دوست رکھے۔ اللہ کے حبیب سے دوستی ومحبت بڑھانے کے لیے آپ ﷺ کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ تذکرہ، ذکر سے ماخوذ ہے اور ذکر یاد کو کہتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے فضائل ومناقب سے آگاہی اور آنجناب کے احسانات کو یاد کرتے رہنا، دل میں آپ کی محبت ورغبت پیدا کرتا ہے اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ حضور ﷺ کی محبت کے بغیر سب کچھ بیکار ہے تو پھر ضروری ہے کہ آنجناب کی محبت پیدا کرنے اور فزوں تر کرنے کے لیے حضور کے فضائل ومناقب، آپ کے کمالات اور آپ کے ہم پر اور بنی نوع انسانی پر جو احسانات ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے انہیں یاد رکھا جائے، ان کا چرچا کیا جائے۔ خلوت میں بھی اپنے نفس سے آپ کی باتیں کی جائیں، آپ کے دھیان میں رہا جائے اور ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی ملحوظِ خاطر رکھی جائے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”حبک شیء یعصمی ویعمی“ جس شے سے محبت

ہوجاتی ہے انسان اس کے بارے میں اندھا اور بہرا ہوجاتا ہے یعنی نہ پھر اس میں کوئی عیب نظر آتا ہے نہ ہی اس کا کوئی عیب بن سکتا ہے۔ یہ دلیل محبت ہے کہ محبوب کی ہر شے عمدہ اور بہترین نظر آتی ہے۔ ہر عیب خوشنما لگتا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھا گیا کہ تیرے محبوب کے چہرے پر تو چیچک کے داغ ہیں۔ عاشق نے کہا نادان یہ داغ نہیں یہ تو ستارے ہیں اور چاند ستاروں میں ہی بھلا لگتا ہے۔ تو عاشق کو، محبّ کو، محبوب کا عیب بھی حُسن نظر آتا ہے تو جن کم عقلوں کو بے عیب محمد میں عیب اور نقص نظر آئے وہ اپنے دعویٰ محبت میں کیونکر سچّے ہو سکتے ہیں۔

محبت کا کمال یہ ہے کہ محبّ پر محبوب کا رنگ غالب آجاتا ہے۔ دوسروں کو محب کے دیکھنے سے اس کے محبوب کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ محبوب کے صفات کا محب پر غلبہ ہوجاتا ہے اور یہ مسلسل محبوب کی طرف متوجہ رہنے سے ہوتا ہے۔ محب کو محبوب کی ہر بات پیاری ہوتی ہے۔ بلا تکلیف، غلبہ محبت کے سبب وہ خود بخود اعمال، اخلاق کردار و معاملات میں محبوب کی پیروی شروع کر دیتا ہے۔ محبوب کے ناپسندیدہ سے اجتناب کرتا ہے محبوب کی پسندیدہ باتوں کو اپناتا ہے۔ محبوب کی بارگاہ کے آداب بجالاتا ہے اور اس طرح حضوری کی دولت سے آشنا ہوجاتا ہے۔ محبوب کے جلووں سے اس کی روح سیراب ہوجاتی ہے پھر اس کی ذات میں فنا ہو کر محبوب کا مظہر ہوجاتا ہے۔ کسی نے مجنوں سے کہا کہ جس لیلیٰ کا تو عاشق ہے وہ سامنے قافلے میں جا رہی ہے، جا اسے دیکھ کر اپنی آنکھیں سیراب کر مجنوں نے کہا "انا لیلیٰ" "میں خود لیلیٰ ہوں۔ یہ فنائیت کا مقام ہے۔ اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ اپنے محبوب کے صدقے ہم سب کو اس نعمت عظمیٰ سے مشرف فرمائے۔ آمین

دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم

ہمارے پیارے نبی احمد مختار، اللہ کے عطا کردہ اختیارات سے دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم ہیں۔ حضورﷺ کی ان صفات کا جب درودِ تاج میں تذکرہ کیا جاتا ہے تو کم علمی کے سبب کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور کچھ شرک و بدعت کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقتاً حضورﷺ کا نام نامی ہی دافع البلاء ہے اور دافع العذاب ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ اس امت میں سے کچھ لوگ جہنم میں داخل کیئے جائیں گے ان میں کچھ حفاظ بھی ہوں گے۔ جب ان حفاظ پر آگ کا عذاب ہوگا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دکھ لاحق ہوگا کیونکہ جبرئیل بھی حافظ قرآن ہیں اور حافظوں کو حافظوں سے انسیت ہوتی ہے تو جبرئیل ان حفاظ کو اشارۃً سمجھائیں گے کہ حضورﷺ کا نام لو۔ جب وہ حفاظ حضور کا نامِ نامی لیں گے تو ان کے ارد گرد آگ بجھ جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص تھا جس نے دو سو برس اللہ کی نافرمانی کی جب وہ مرا تو لوگوں نے اسے کچرے پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ ہمارے فلاں بندے کی لاش کچرے پر پڑی ہے اس کی تجہیز و تکفین کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اس شخص کو دیکھا تو حیران ہوئے عرض کیا اے اللہ تو جانتا ہے یہ کس قدر نافرمان تھا اور تو مجھے اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دے رہا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ٹھیک ہے اس نے دو سو برس میری نافرمانی کی مگر جب یہ توراۃ پڑھتا اور اس میں میرے حبیب کا نام دیکھتا تو اس کو ادب سے بوسہ دیتا۔ اس بنا پر میں نے اس کی مغفرت کی اور اس کو جنت عطا کی۔

حضرت ام جندب کے سامنے ایک عورت نے اپنے آسیب زدہ بچے کی صحت یابی کے لیے حضور اقدسﷺ سے فریاد کی تو حضور نے پانی منگوایا اس میں کلّی کی اور اسے وہ پانی دیا حضرت ام جندب نے اس میں سے تھوڑا سا پانی اپنے بیٹے عبداللہ کو پلا دیا اس پانی کی برکت سے آسیب

زدہ بچہ صحت یاب ہوگیا اور یہ دونوں بچے عقل وفراست اور نیک بختی میں اوروں سے ممتاز ہو گئے۔ ایک اور عورت اپنے بیٹے کو لے کر حضورﷺ کی خدمت میں آئی۔ بچے پر جن چمٹا ہوا تھا۔ حضور اقدسﷺ نے بچے کے سینے پر ہاتھ مارا جس سے اسے قے ہوئی اور کالے بلے جیسی چیز نکلی پھر وہ بچہ مکمل شفایاب ہوگیا۔

یثرب، ثرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں فساد۔ یہاں کی ہر چیز فاسد تھی۔ جو یہاں آتا، یہاں کی آب وہوا سے متاثر ہو کر سخت بیمار پڑ جاتا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال بیمار ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور سے عرض کیا۔ آپﷺ نے دعا فرمائی۔ ''یا اللہ! مکہ کی طرح مدینہ کو ہمارا محبوب بنادے بلکہ مکہ سے بھی زیادہ محبوب کردے، مدینہ کی آب وہوا کو ہمارے لیے درست فرمادے اس کے غلّہ اور پھلوں میں ہمارے لیے برکت فرمادے اور مدینہ کی بیماری کو جحفہ (یہودیوں کی بستی) کی طرف منتقل کردے''۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیاہ فام پراگندہ عورت مدینہ سے نکل کر جحفہ چلی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضورﷺ کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد حضور اقدسﷺ نے ایک رومال سے ہاتھ صاف کیا۔ وہ رومال جب بھی میلا ہو جاتا تو حضرت انس اسے آگ کے تنور میں ڈال دیتے اس کا میل کچیل جل جاتا اور رومال صاف شفاف نکل آتا۔ حضورﷺ کے دستِ مبارک جس سے مس ہو جائیں اسے آگ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مولانا روم اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

اے دلِ ترسندہ از نار و عذاب   باچناں دست و لب کن اقتراب
چوں جمادے را چنیں تشریف داد   جانِ عاشق را چہا خواہد کشاد

اے وہ دل جسے نار جہنم کا ڈر ہے تجھے چاہیے کہ آنجناب کے پیارے پیارے ہونٹوں اور مقدّس دستِ مبارک سے نزدیکی حاصل کرلے۔ جب آپ نے بے جان چیز (جماد) یعنی دسترخوان کو ایسی فضیلت عطا فرمائی کہ وہ آگ میں نہ جلے تو جو اُن کے عاشق صادق ہیں جو ان کی بارگاہِ بیکس پناہ کے بندے ہیں ان پر جہنم کیوں نہ حرام ہو۔

بیہقی میں حدیث ہے حضورﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے''۔ یعنی وہ بندہ پھر حکم ربی سے دوسروں کی حاجت

روائی کرتا ہے۔ حضور ﷺ کے غلاموں کا یہ حال ہے تو حاجت رواؤں کے سردار رحمت عالمیاں ﷺ کا کیا حال ہوگا۔

حضورِ اقدس ﷺ **دافع القحط** ہیں۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے کہ مکہ میں ایک بار قحط پڑا تو لوگوں نے حضور کے دادا عبدالمطلب سے رجوع کیا۔ حضرت عبدالمطلب نے رحمتِ عالم ﷺ کو کعبہ کی دیوار کے ساتھ کھڑا کیا۔ آپ کے چہرہ انور کی طرف دیکھا پھر اس حسین و منور رخِ انور کا واسطہ دے کر حق تعالیٰ سے بارش کے لیے دعا مانگی تو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ابر کرم بھیج دیا۔ مکہ سیراب ہوگیا۔ خشک سالی دور ہوگئی۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ ایک اعرابی آیا اس نے قحط کی شکایت اشعار میں عرض کی اور آخر میں یہ شعر پڑھا۔

ولیس لنا الا الیک فرارنا　　　و این فرار الخلق الا الی الرسل

یارسول اللہ ﷺ آپ کے سوا کون ہے جس کے پاس جا کر ہم قرار پکڑیں اور خلق اپنے رسول کے پاس نہ جائے تو کس کے پاس جائے؟ اعرابی کی یہ فریاد سن کر حضور جلدی سے منبر پر تشریف لائے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے ذرا سی دیر میں بارش شروع ہوگئی اور پورا ہفتہ بارش ہوئی۔ ایک ہفتے بعد وہی اعرابی آیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ بارش کے سبب ہمارے مکانات گرنے لگے ہیں۔ احمدِ مختار ﷺ نے بادلوں کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا ''حوالینا لا علینا'' ہمارے اردگرد برسو ہم پر نہ برسو۔ یہ فرمانا تھا کہ بادل پھٹ گئے اور بارش موقوف ہوگئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں یہ دیکھ کر ٹھنڈی ہوتیں کون ہے جو ہمیں ان کے اشعار سنائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہ اشعار سنائے۔ ''وہ گورے رنگ والا پیارا جس کے چاند سے چہرے کے صدقے مینہ اترتا ہے۔ وہ یتیموں کا حافظ، بیواؤں کا نگہبان وہ ملجا و ماویٰ کہ تباہی کے وقت بڑے بڑے اس کی پناہ میں آ کر اس کی نعمت اور اس کے فضل سے چین حاصل کرتے ہیں''۔ یہ اشعار سن کر حضور ﷺ مسرور ہوئے اور فرمایا ہاں انہیں اشعار کو ہم سننا چاہتے تھے۔

بخاری شریف میں ہے قحط عام الرمادہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کے وسیلے سے دعا کرتے ہوئے فرمایا اے اللہ! ہم پہلے تیرے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے اب ان کے چچا حضرت عباس کا وسیلہ لے کر آئے ہیں ان کے طفیل ہمیں سیراب فرما دے۔ حضرت عمر کی اس

دعا کے بعد حضرت عباس منبر پر آئے اور بارش کے لیے ہاتھ پھیلا دیے یکا یک آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بارانِ رحمت نے سارے علاقے کو سیراب کر دیا۔ بارش اتنی غیر متوقع ہوئی کہ لوگ خوشی میں ڈوب کر حضرت عباس کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیتے اور کہتے یا ساقی الحرمین مبارک یا ساقی الحرمین مبارک۔

حضور اقدس ﷺ دافع المرض ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوطالب شدید بیمار ہو گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو بلایا اور دعا کے لیے کہا حضور ﷺ نے ان کی شفایابی کے لیے دعا کی تو حضرت ابوطالب یکدم ٹھیک ہو گئے اس اچانک تبدیلی پر وہ حیران رہ گئے اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا اے بھتیجے بے شک تیرا رب تیری اطاعت کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا اے چچا! اگر تم اس پر ایمان لے آؤ تو وہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کرے۔

خیبر کی جنگ میں حضرت علی کو آشوبِ چشم کی بیماری لاحق تھی حضور ﷺ نے حضرت علی کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا تو حضرت علی کی آنکھیں اسی وقت شفایاب ہو گئیں۔ غزوۂ بدر میں حضرت رفاعہ کی آنکھ میں تیر لگا اس سے آنکھ باہر نکل آئی حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگا کر آنکھ کو ٹھیک کر دیا۔ اسی غزوہ میں مسعود بن عفراء کا ہاتھ ابوجہل نے کاٹ دیا وہ اپنا کٹا ہوا ہاتھ اٹھائے حضور کی خدمت میں آئے حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن مل کر کٹے ہاتھ کو ملا دیا تو وہ اسی وقت جڑ گیا۔

غزوہ خیبر میں سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر شدید زخم آیا۔ حضور ﷺ نے اس زخم پر دم فرمایا تو وہ اچھا ہو گیا۔ غزوۂ احد میں کلثوم بن حصین کے سینے میں تیر لگا حضور نے لعاب دہن لگا کر زخم کو مندمل کر دیا۔

ایک نابینا صحابی کو حضور ﷺ نے اپنے وسیلے سے دعا مانگنے کی تلقین کی۔ ایسا کرنے سے انہیں آنکھیں عطا ہو گئیں۔

امام شرف الدین بوصیری نے مرضِ فالج میں حضور ﷺ سے استعانت طلب کی حضور ﷺ نے خواب میں ان سے قصیدہ سنا انہیں مرض فالج سے شفا بخشی اور اپنی چادر عطا فرمائی۔

حضور اقدس ﷺ دافع الالم ہیں۔ غم واندوہ کو آلام کو دور فرمانے والے ہیں۔ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور رحمت دافع زحمت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کی بے پایاں رحمتوں سے بڑا حصہ عورتوں کو ملا۔ زمانہ جاہلیت میں سب سے زیادہ ناقدری عورتوں کی ہوتی تھی نہ انہیں جائیداد میں سے ورثہ

ملتا تھا نہ ہی کسی قسم کے حقوق حاصل تھے۔ ظلم کا یہ عالم تھا کہ بچیوں کو پیدائش کے بعد زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ ذرا ان معصوموں کو پہنچنے والی اذیت کا احساس کریں۔ بلاقصور زمین میں گاڑ دینا اوران کا دم گھٹنے سے تڑپ تڑپ کر مرنا۔ تڑپنے کے لیے جگہ بھی نہ ہوتی نہ ہاتھ ہلا سکتی تھیں نہ پاؤں اوپر منوں مٹی؟ ایک شخص حضورﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے آیا اور پوچھا کیا اسلام قبول کرنے سے میرے گزشتہ کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ حضورﷺ نے فرمایا ہاں۔ اللہ تیرے سارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ اس نے کہا میرے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ ذرا ایک گناہ تو سن لیں میں تجارت کی غرض سے ملک سے باہر تھا۔ میری بیوی امّید سے تھی۔ میری غیر موجودگی میں بچی کی ولادت ہوئی۔ میں جب واپس آیا تو بچی چند سال کی ہوگئی تھی میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے تیار کر دے میں اس بچی کو لے کر صحرا میں آیا بچی خوش خوش آئی کہ شاید میں اسے سیر کرانے لے جارہا ہوں۔ پھر میں نے گڑھا کھودنا شروع کیا وہ دیکھتی رہی میں نے اسے گڑھے میں ڈالا اور اوپر سے مٹی ڈالنی شروع کی وہ سمجھی کہ شاید یہ کوئی کھیل ہے کچھ دیر وہ ہنسی پھر اس نے رونا شروع کر دیا مگر میرا دل نہ پسیجا میں مٹی ڈالتا رہا کچھ دیر تک تو اس کے رونے کی آواز آتی رہی پھر وہ بھی معدوم ہوگئی۔ یا رسول اللہ! کیا اللہ میرا یہ گناہ بھی معاف فرمادے گا۔ حضورﷺ یہ واقعہ سن کر زارو قطار رونے لگے اور روتے ہوئے فرمایا اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تیرا یہ گناہ بھی بخش دے گا۔ جاہلیت کے ان ایام میں جب بچوں کو زندہ دفن کرنے کی رسم عام تھی اس وقت حضور کے کردار کا کیا عالم تھا۔ ام ایمن (برکہ) حضور کو چوتھی بیٹی کی پیدائش کی خبر دینے دوڑتی ہوئی جارہی تھیں کہ ایک قریشی عورت سے ٹکرا گئیں۔ اس عورت نے کہا برکہ اندھی ہو کر دوڑ رہی ہو۔ برکہ نے کہا میں اپنے آقا کو چوتھی بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری سنانے جارہی تھی۔ عورت نے کہا کیا تمہارا دماغ بالکل چل گیا ہے چوتھی بیٹی اور خوشخبری؟ اس نے کہا جب میرے آقا کے ہاں پہلی بیٹی کی پیدائش ہوئی تو مجھے کہا گیا کہ جا کر اپنے آقا کو اطلاع کروں۔ میں ڈر رہی تھی کہ بیٹی کا نام سن کر میرا آقا غضبناک ہوگا اور کہیں بچی کے ساتھ مجھے بھی دفن نہ کر دے مگر جب میں نے اپنے آقا کو خبر سنائی تو ان کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا وہ گھر تشریف لائے بچی کی ماں کو تھپکتے ہوئے مبارکباد دی۔ بچی کو پیار کیا اوراس کی پیدائش کی خوشی منائی پھر اسی طرح دوسری اور تیسری بچی کی ولادت کے موقع پر ہوا اور اب میں انہیں چوتھی بیٹی کی ولادت کی خوشخبری سنانے جارہی ہوں۔ یہ سن کر وہ قریشی عورت دنگ

رہ گئی اور اسے اپنی وہ بچیاں یاد آ گئیں جنہیں اس کے خاوند نے زندہ دفن کر دیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے عورتوں پر سے اس الم کو دور فرمایا انہیں مساوی حقوق دیے ان کا ترکہ میں حصہ رکھا اور ان پر ظلم کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا۔

حضور دافع الالم ہیں کہ بروز حشر جب انبیاء نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ ماں اپنے بیٹے کو بھول جائے گی۔ باپ کو اپنی پڑی ہوگی کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ مخلوقِ خدا ایک ایک نبی کے در پر شفاعت کے لیے جائے گی اور وہ سب جواب دے دیں گے۔ مخلوقِ خدا غم واندوہ کا شکار ہوگی ایسے میں ان کے آلام کو شفیعِ روزِ جزا حبیبِ کبریا اپنی شفاعت سے دور فرمائیں گے۔ آپ ﷺ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر ایسی حمد وثنا بیان کریں گے جو حق تعالیٰ اسی وقت ان کے دل پر القا فرمائے گا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے اے محمد ﷺ اپنے سر مبارک کو اٹھایئے آج آپ جس کی شفاعت کریں گے میں اسے بخش دوں گا۔ حضور ﷺ کی شفاعت لوگوں کو مصیبت وآلام سے نجات دلائے گی۔

قیامت میں گر پھیر لیں وہ نگاہیں کوئی پوچھنے والا حیرتؔ نہ ہوگا

تفسیر روح المعانی میں ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میرے پروردگار نے میری امت میں ستّر ہزار ایسے افراد عطا فرمائے جو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت عمر نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ زیادہ کے لیے درخواست کرتے۔ حضور نے فرمایا: میں نے درخواست کی تو میرے رب نے مجھے اس قدر عطا فرمایا۔

تفسیر روح المعانی میں عمرو بن حزام انصاری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ تین دن تک صرف نماز پنجگانہ کے لیے آئے۔ تیسرے دن آپ ﷺ نے فرمایا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امّت میں سے ستّر ہزار افراد بلا حساب وکتاب جنت میں جائیں گے۔ میں تین دن برابر اس تعداد میں اضافہ کے لیے التجا کرتا رہا تو حق تعالیٰ نے فرمایا ان میں سے ہر شخص اپنے ہمراہ ستّر ہزار افراد بلا حساب وکتاب جنت میں لے جائے گا۔

رحمتِ عالمیاں ﷺ اپنے مرض الموت میں فکر امت میں غم گیر تھے۔ جبرئیل امین نے یہ حالت بارگاہ خداوندی میں عرض کی تو حق تعالیٰ نے فرمایا میرے حبیب کو میرا سلام پہنچاؤ اور کہو کہ آپ کی امت میں سے جو بھی اپنی موت سے ایک سال پہلے گناہوں اور معاصی سے توبہ کر لے گا اور پشیمان ہوگا میں اسے بخش دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل ایک سال کا عرصہ بہت

طویل ہے حق تعالیٰ نے ایک سال کوایک ماہ سے بدل دیا حضورﷺ اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے تو اسے ایک ہفتہ پھرایک دن اور پھرایک ساعت میں تبدیل فرمادیا۔ اپنے پیارے حبیب کو راضی کرنے کے لیے بالآخرحق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ کا امتی آخری سانس میں بھی توبہ کرلے اور اگرتوبہ نہ کرسکے تو حسرت کے آنسوہی بہادے، نادم وپشیمان ہوجائے میں اسے بخش دوں گا اور اگراس لمحے بھی پشیمان نہ ہوتو قیامت کے روز آپ کواس کا شفیع بنادوں گا۔ اسے آپ کے سپرد کردوں گا۔ یہ سن کرآپﷺ خوش ہوئے۔ پھرآپ نے جبرئیل سے فرمایامیں اپنی امت کی مفارقت برداشت نہیں کرسکتا۔ میری حق تعالیٰ سے تین حاجات ہیں ایک یہ کہ مجھے قیامت کے دن تمام گناہگاروں کا شفیع بنائے۔ دوسرے یہ کہ میری امت کو گناہوں کی شامت میں تباہ نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ ہفتے میں دوروز میری امت کے اعمال میرے سامنے پیش ہوں۔ حق تعالیٰ نے آپﷺ کی تینوں باتیں قبول فرمائیں اور پوچھا اے محبوب! آپ کی امّت کے بارے میں یہ دوستی آپ کے دل میں کس نے رکھی؟ حضورﷺ نے عرض کیا اے پروردگار تو نے۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا اے محمدﷺ میں تمہاری امت پر ہزار مرتبہ زیادہ رحیم ہوں انہیں میرے سپرد کرو۔ یہ سن کر حضورﷺ نے فرمایا ''الله خلیفتی علی امتی''۔ اللہ میری امت کا نگہبان ہے۔

اس واقع رنج والم کا آخرت میں کیا حال ہوگا اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیں کہ بروز حشر سیدنا آدم علیہ السلام سبز حلہ پہن کر عرش کے ایک کونے سے مخلوقات کا حال دیکھ رہے ہوں گے۔ اتنے میں وہ دیکھیں گے کہ حضورﷺ کے ایک امتی کو فرشتے کھینچتے ہوئے جہنم کی طرف لے جارہے ہیں۔ وہ وہیں سے پکاریں گے یارسول اللہ وہ دیکھیں آپ کے فلاں امتی کو فرشتے جہنم کی طرف لے جارہے ہیں۔ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمینﷺ فرماتے ہیں میں یہ پکارسن کر اپنی تہہ بند کو مضبوطی سے پکڑکر اس طرف دوڑوں گا اور فرشتوں کو روک کر پوچھوں گا کہ اسے کیوں جہنم میں ڈالنے لے جارہے ہو۔ وہ کہیں گے کہ ہم تو مامور من اللہ ہیں۔ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اعمال تولو جس کے گناہ زیادہ ہوں اسے داخل جہنم کرو اس کے اعمال میں نیکیاں تھوڑی اور گناہ زیادہ ہیں۔ حضورﷺ حق تعالیٰ سے عرض کریں گے یا اللہ کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہ فرمایا تھا کہ امت کی مغفرت کے معاملے میں مجھے رسوانہ کرے گا۔ رب مصطفیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ میرے حبیب کی بات مانو اور جیسا وہ کہیں ویسا کرو۔ چنانچہ حضورﷺ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس

کے اعمال دوبارہ تولواور اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالیں گے اور اسے بسم اللہ پڑھ کر نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دیں گے جس کی بدولت نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ ندا ہوگی کہ یہ کامیاب ہوگیا، نجات پا گیا۔ فرشتے اسے جنت کی طرف لے جانے لگیں گے تو وہ امتی کہے گا ذرا رکو اور مجھے اپنے محسن سے پوچھنے تو دو کہ وہ کون ہیں اور اس کرم فرمائی کا سبب کیا ہے؟ اس کے استفسار پر حضور ﷺ فرمائیں گے۔ کہ میں تیرا نبی ہوں اور یہ تیرا وہ درود تھا جو تو نے مجھ پر پڑھا تھا، اسے میں نے آج کے لیے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ مولانا حسن رضا خاں اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں ۔

کوئی قریب ترازو کوئی لبِ کوثر — کوئی صراط پہ ان کو پکارتا ہوگا

کسی کے پلے پہ ہوئیں گے وقتِ وزنِ عمل — کوئی امید سے منہ ان کا تک رہا ہوگا

کسی طرف سے صدا آئے گی حضور آؤ — نہیں تو دم میں غریبوں کا فیصلہ ہوگا

کسی کو لے کے چلیں گے فرشتے سوئے جحیم — تو کوئی راستہ پھر پھر کے دیکھتا ہوگا

عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے — خدا گواہ یہی حال آپ کا ہوگا

حضورِ اقدس ﷺ خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں۔ آپ سے توسل کے بغیر حق تک رسائی ممکن نہیں۔ امام شعرانی فرماتے ہیں قرب حق کا قریب ترین راستہ حضور ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنا ہے۔ جو حضور کی خدمت کے بغیر درگاہ الٰہی تک جانے کا ارادہ کرے وہ امر محال کا ارادہ کرتا ہے۔

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ ہمیں ایسے اعمال، افعال، اقوال اور احوال نصیب فرمائے جن کے سبب اللہ کے حبیب ہم سے راضی ہو جائیں کہ آنجناب کی رضا عین رضائے الٰہی ہے۔ آمین

بعثتِ محمدی ﷺ

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودِین الحق لیظھرہٗ علی الدِین کلہ.

''وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کرتا کہ اس سچے دِین کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے۔''

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے اس عظیم الشان رسول کو بھیجا؟ اس نے اپنا نام تو لیا نہیں۔ نہ ذاتی نہ صفاتی، نہ یہ کہا **ھو اللہ الذی ارسل رسولہٗ** ''وہ اللہ ہے جس نے اپنا رسول بھیجا''۔ نہ یہ فرمایا **ھو الرحمٰن الذی ارسل رسولہ** ''وہ رحمٰن ہے جس نے اپنا رسول بھیجا'' بلکہ فرمایا **ھو الذی ارسل رسولہٗ** ''وہ ہے جس نے اپنا رسول بھیجا'' گویا وہ یہ فرما رہا ہے کہ اگر یہ جاننا چاہتے ہو کہ میں کون ہوں تو اس رسول کو دیکھ لو۔ اللہ نے اپنا تعارف اس عظیم الشان رسول کے ذریعے کروایا کہ میں وہ ہوں جس نے ایسا عظیم المرتبت رسول بھیجا۔ جب اس رسول کی یہ شان ہے تو اس کے بھیجنے والے کی کیا شان ہوگی! جس طرح شاگرد کی قابلیت سے اُستاد کا پتا چلتا ہے، جس طرح ایجاد سے موجد کے کمال کا اندازہ ہوتا ہے اسی طرح اِس عظیم الشان رسول سے اللہ کی شانِ عظیمی کا پتا چلتا ہے۔ حواس اور ادراک سے اللہ کا پتا نہیں لگ سکتا تو حق تعالیٰ نے اپنی معرفت کی خاطر اپنے حبیب کو مبعوث فرمایا۔ خدا کے جمال کو دیکھنا ہو تو مصطفیٰ ﷺ کے جمال کو دیکھ لو۔ خدا کے کمال کا اندازہ لگانا ہو تو مصطفیٰ ﷺ کے کمال پر نگاہ دوڑاؤ۔ خدا کا علم دیکھنا ہو تو مصطفیٰ ﷺ کے علم کو دیکھو۔ الغرض حق تعالیٰ نے جتلا دیا کہ اگر مجھ سے آگاہ ہونا چاہتے ہو، میری ذات وصفات کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرے حبیب کا دامن پکڑ لو کہ اُن کے بغیر تم مجھ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔

اللہ کی ذات وصفات کی معرفت کا ذریعہ، ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

مصطفےٰ ﷺ آئینہ روئے خدا
منعکس در ہمہ خوئے خدا

(اقبال)

''مصطفےٰ ﷺ ذاتِ خداوندی کا ایسا آئینہ ہیں جس میں تمام صفاتِ الٰہیہ کا عکس ہے''

چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے اور ملا علی قاری فرماتے ہیں یہ حدیث معناً صحیح ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کنت کنزاً مخفیا فاحبت ان اعرف فاخلقت الخلق (ای خلقت نور محمد) ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا یعنی اوّل الخلق نورِ محمدی کو اس لیے پیدا کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نورِ محمدی کی تخلیق کا مقصد اللہ کی معرفت ہے۔

اب ذرا غور کریں کہ جب اللہ کے سوا کوئی تھا ہی نہیں تو وہ کس سے پوشیدہ تھا؟ اللہ قدیم، ازلی، ابدی ہے، اس کی جملہ صفات قدیم ہیں۔ وہ ازلی طور پر خالق ہے، رازق ہے، رب ہے، ستار و غفار ہے، مگر یہ تمام صفات اس کی ذات میں پوشیدہ تھیں نہ مخلوق تھی، نہ وہ کسی کا خالق کہلاتا تھا، نہ مربوب تھی، نہ وہ کسی کا رب تھا، نہ گناہگار تھے، نہ ہی اس کی ستاری و غفاری کا ظہور ہوا تھا۔ تو اللہ عزّ وجل نے اپنی اِن صفات کے اظہار کے لیے نورِ محمدی کو پیدا فرمایا پھر اس نور سے کُل مخلوقات کو پیدا کیا۔ پتا چلا مصطفےٰ ﷺ نہ ہوتے تو رب رب نہ ہوتا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے! اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنے رب ہونے کو ظاہر ہی نہ کرتا لولاک لما اظہرۃ الربوبیہ۔ حضور ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

اللہ اپنا تعارف خود حضور ﷺ کے ذریعے کرواتا ہے فرمایا قل ھو اللّٰہ احد آپ فرما دیں وہ اللہ ایک ہے۔ اگر حضور ﷺ کا دامن چھوڑ دیا جائے تو اللہ مل ہی نہیں سکتا کہ آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ خالق و مخلوق کے درمیان برزخِ کبریٰ ہے۔ ذرا حضور ﷺ کے نامِ نامی پر غور کریں ''محمد'' (ﷺ) کیا پیارا نام ہے! زباں پر آتے ہی ہونٹ خود بخود اس نام کو چومتے ہیں۔ کوئی چومے نہ چومے اللہ نے نام ہی ایسا بنایا ہے کہ ہونٹ خود بخود اس نام نامی کو چومتے ہیں۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کا کسے اندازہ۔ ارے جس کسی نے صرف آپ کے نامِ نامی

کی تعظیم کی وہ دُنیاوآخرت میں کامیاب اور بامراد ہوا۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دوسو برس اللہ کی نافرمانی کی۔ جب وہ مرا تو قوم نے بجائے تدفین کے اس کی لاش کو کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے بندے کی لاش کچرے پر پڑی ہے اس کی تجہیز و تدفین کریں۔ موسیٰ علیہ السلام آئے اور اس کی لاش دیکھ کر حیران رہ گئے اور کہا یا اللہ! تُو اس شخص کو جانتا ہے کہ اس نے ۲۰۰ برس تیری نافرمانی کی اور تُو مجھے کہہ رہا ہے کہ اس کا کفن دفن کروں؟ حق تعالیٰ نے فرمایا ٹھیک ہے یہ دوسو برس کا نافرمان تھا، مگر جب بھی یہ توریت میں میرے حبیب کا نام دیکھتا تو اسے ادب سے بوسہ دیتا تھا۔ اس کے عوض میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیے اور اسے جنت میں جگہ دی۔

مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔ انجیل میں جناب احمدﷺ کا نام نامی درج تھا، آپ کے شمائل، اوصاف اور دیگر فضائل مذکور تھے۔ عیسائیوں کی ایک جماعت آنحضرتﷺ کے نامِ مبارک کو بوسہ دیتی اور وہ اس ذکرِ مبارک پر بطور تعظیم اپنا منہ رکھ دیتے۔ اس تعظیم کی بدولت ان کی نسل بہت بڑھ گئی اور جناب احمدﷺ کا نورِ مبارک ہر معاملے میں ان کا مددگار اور ساتھی بن گیا۔ نصرانیوں کا ایک دوسرا گروہ حضورﷺ کے نام کی بے قدری کرتا تھا۔ وہ لوگ ذلیل وخوار ہوئے۔ بدمذہب اور بدعقیدہ ہوگئے اور قتل کیے گئے۔ جب آنجناب کا نام مبارک ایسی مدد کرتا ہے تو خیال کرو کہ آپ کا نور پاک کس قدر مدد کرسکتا ہے۔ جب جناب احمد مجتبیٰﷺ کا نام مبارک حفاظت کے واسطے محفوظ قلعہ ہے تو اس رُوحِ اقدس کی ذاتِ مبارک کیسی ہوگی۔

یہی وجہ تھی کہ حق تعالیٰ نے ایمان لانے کے بعد اہلِ ایمان کو سب سے پہلے حضورﷺ کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا فرمایا لتومنوا باللّٰہ ورسولہٖ وتعزروہُ وتوقروہُ یعنی ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔ حضورﷺ کی تعظیم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نورِ محمدی ہمارا محافظ ہوجاتا ہے اور ہمیں بدعقیدگی کے زہر قاتل سے بچاتا ہے۔ آج دیکھیں لیں جو حضورﷺ کی تعظیم کے قائل ہیں ان کے ایمان (نورِ محمدی کی مدد کے سبب) سلامت ہیں اور جو تعظیم کے منکر ہیں اور حضورﷺ کی تعظیم کو شرک گردانتے ہیں وہ تمام بدعقیدہ اور بدمذہب ہوگئے۔

تو اللہ نے آپﷺ کا نام نامی ہی ایسا بنایا کہ ہونٹ خود بخود اس نام کو بوسہ دیتے ہیں، پھر دیکھیں حضورﷺ کے نام میں ۴ حرف ہیں، اسم اللہ میں بھی ۴ حرف ہیں۔ اسم اللہ میں دو لام ہیں،

اسم محمد میں دو میم ہیں۔ اللہ کا دوسرا لام مشدد ہے۔ محمد کا دوسرا میم مشدد ہے اور جو حرف مشدد ہو وہ اپنے سے پہلے حرف سے اور بعد والے حرف سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ محمد کے مشدد میم سے پہلے 'ح' ہے یعنی حق اور بعد میں 'د' ہے یعنی دُنیا۔ اور آپ دونوں سے ملحق ہیں۔ دونوں کے درمیان برزخ ہیں۔ حق سے لے رہے ہیں اور دُنیا کو دے رہے ہیں۔ فرمایا انما انا قاسمٌ واللہ معطی "بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں، اللہ کی نعمتیں بانٹنے والا ہوں اور اللہ مجھے عطا فرماتا ہے"۔

اِدھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل ۔۔۔ خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

حضور ﷺ کا نامِ نامی بتا رہا ہے کہ آپ حق اور خلق کے درمیان برزخِ کبریٰ ہیں۔ حضور ﷺ کے بغیر کسی کو بھی نہ حق سے کچھ مل سکتا ہے اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی حق تک پہنچ سکتا ہے۔

تو اللہ نے اپنی پہچان اپنے حبیب کے ذریعے کروائی۔ فرمایا ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ "وہ ہے جس نے اپنا رسول بھیجا" اور بھیجی وہی چیز جاتی ہے جو پہلے سے موجود ہو۔ اللہ نے یہاں خلق کا لفظ استعمال نہ کیا، نہ صرف یہاں بلکہ سارے قرآن میں کہیں بھی حضور کے لیے خَلَقَ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ فرمایا یا ایھا النبی انا ارسلنک...... وما ارسلنک الا رحمۃ للعٰلمین...... ھو الذی بعث فی الامین رسولا...... لقد منَّ اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا...... لقد جاء کم رسولٌ من انفسکم...... قدجاء کم برھانٌ من ربکم...... قدجاء کم من اللہ نورٌ ...... کہیں بھی خَلَقَ کا لفظ استعمال نہ ہوا۔ پتا چلا حضور ﷺ پہلے سے موجود تھے۔ حقیقتِ محمدیہ کا پہلے سے وجود تھا بعد میں آپ کا ظہور ہوا۔ خود حضور ﷺ نے فرمایا اوّل ما خلق اللّٰہ نوری "اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا"۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی "مدراج النبوت" میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (درحدیثِ صحیح آمدہ است اوّل ما خلق اللہ نوری)

اور اللہ نے آنجناب کی شان میں فرمایا ھو الاوّل والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیءٍ علیم۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت کے خطبہ میں فرماتے ہیں یہ آیات حمد باری بھی ہیں اور حضور ﷺ کی تعریف وثنا میں بھی ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر ۔۔۔ وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

جبریل امین نے ایک بار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا السّلامُ علیک یا

اوّل السّلام علیک یا آخر السّلام علیک یا ظاہرُ السّلام علیک یا باطن۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے جبریل یہ تو اللہ کے بارے میں ہے۔ فرمایا یا رسول اللہ، تمام انبیاء و مرسلین میں یہ صرف آپ کے ساتھ خاص ہے۔

سرالاسرار میں سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رُوحِ پرفتوح حضور اقدس ﷺ کو اپنے نورِ جمال سے پیدا فرمایا جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری رُوح کو پیدا فرمایا اور فرمایا اوّل ما خلق اللّٰہ نوری اور فرمایا اوّل ما خلق اللّٰہ قلم اور فرمایا اوّل ماخلق اللّٰہ العقل۔ ان سب سے مراد ایک ہی شے ہے اور وہ حقیقتِ محمدی ہے پس رُوحِ محمدی تمام موجودات کا خلاصہ اور جملہ کائنات کی ابتداء اور اصل ہے۔

تو حضور ﷺ ہی اوّل الخلق ہیں، حضور ﷺ ہی سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ فرمایا قل ان الصلاتی ونسکی و محیایَ ومماتی للّٰہِ رب العالمین لاشریک لہ وبذٰلک امرت وانا اوّل المسلمین۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس حدیث کو امام عبدالرزّاق جو کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے اُستاد ہیں، اپنی کتاب ''مصنف'' میں لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث میں اِن جیسا امام نہیں دیکھا۔ اس حدیث کو زرقانی نے شرح مواھب لدنیہ میں، امام یوسف بن اسمٰعیل نبھانی نے حجۃ اللہ علی العالمین میں اور اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں بیان کیا، مگر افسوس ان دیوبندیوں نے اس کتاب ''مصنف'' کو چھاپا تو اس میں سے یہ حدیث ہی غائب کردی۔ یہ دِین کے چور ہیں۔ کراچی میں وہابیوں نے فتوح الغیب چھپوائی تو اس میں سے یہ عبارت غائب کردی کہ ''جب ولی قطبیت کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کلمہ کن عطا ہوتا ہے'' یہ لوگ تو حضور کے اختیار کے منکر ہیں، ولی کا اختیار کیسے مان سکتے ہیں؟

تحفہ اثنا عشریہ میں سے شاہ عبدالعزیز کی یہ عبارت غائب کردی کہ سُنیوں کے چاروں سلسلے کے بزرگ امام حسین کی نذر و نیاز کرتے رہے ہیں۔ تم نہ مانو! مگر حدیثیں اور عبارتیں تو غائب نہ کرو۔ یہ اس اُمّت کے یہودی ہیں۔ یہودیوں کا کیا کام تھا؟ وہ بھی اسی طرح توریت اور زبور میں درج حضور کے فضائل و مناقب چھپاتے تھے، حذف کردیتے تھے۔

تو بات ہو رہی تھی اس حدیث کی جسے امام عبدالرزّاق نے اپنی کتاب ''مصنف'' میں بیان

کیا کہ حضور ﷺ کے صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے خبر دیجئے کہ اللہ نے ساری مخلوقات سے پہلے کس شے کو پیدا کیا؟ صحابی کا سوال بتا رہا ہے کہ صحابہ کا کیا عقیدہ تھا؟ کہ حضور ﷺ کو اوّل الخلق کی بھی خبر ہے جبکہ اِن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کو کسی چیز کی خبر ہی نہیں! حضور ﷺ کو تو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں! اس پر قرآن سے دلیل بھی دیتے ہیں **لاادری مایفعل بی ولابکم** ''مجھے خبر نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا''۔ سیدھے سادھے مسلمان قرآن سُن کر اِن کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ اگر یہ مطلب لے لیا جائے تو دوسری متعدد آیات اور احادیث کا انکار ہوجاتا ہے۔ اگر ہمارا شیعوں سے مناظرہ ہوجائے اور ہم کہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ابوبکر صدیق جنتی ہیں، عمر فاروق جنتی ہیں، عثمانِ غنی جنتی ہیں، علی المرتضیٰ جنتی ہیں، عشرہ مبشرہ جنتی ہیں، اصحابِ بدر جنتی ہیں اور شیعہ اس کے جواب میں کہیں کہ تم نے تو اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو تو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں اور نہ ہی دوسروں کے انجام کی، تو بتائیں ہمارا کیا جواب ہوگا؟ اِن لوگوں نے دِین کا علم عالموں سے حاصل نہیں کیا۔ اِدھر اُدھر سے لوگ پکڑ لیتے ہیں، پہلے کہتے ہیں کلمہ سناؤ، پھر اسے تبلیغ پر لے جاتے ہیں اور بالآخر وہ بھی تبلیغی بن کر اس قسم کی باتیں شروع کردیتا ہے۔ صرف دِینی کتابیں پڑھنے سے کوئی عالم نہیں ہوجاتا اور نہ ہی دِین سمجھ میں آتا ہے۔ کیا میڈیکل کی کتابیں پڑھ کر کوئی ڈاکٹر ہوسکتا ہے؟ اگر بنے گا تو ایسا علاج کرے گا کہ نہ مرض رہے گا نہ مریض۔ حضور ﷺ نے تو قیامت تک کی خبریں دی ہیں۔ آیتیں پڑھ کر اس طرح کے نتیجے نکالنا خارجیوں کا طریقہ تھا، جیسا انہوں نے **اِن الحکم الّا اللّٰہ** کہ حکم صرف اللہ کا ہے، پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاکمیت کا انکار کردیا، خروج کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا **کلمۃُ حقٌ و اُریدُ بھا باطل** ''کلمہ تو حق ہے مگر جو مراد انہوں نے لی ہے وہ باطل ہے۔''

علم کئی طرح کا ہوتا ہے مگر اس میں سب سے ناقص اور جس میں غلطی کا سب سے زیادہ امکان ہو وہ ادراک ہے یعنی اپنی عقل وفہم سے جاننا، جبکہ ایک علم وحیِ الٰہی ہے اور ایک علمِ الٰہی میں غوطہ زن ہونا ہے۔ ان دونوں میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا **فتجلّٰی لی کُل شیءٍ و عرفت** مجھ پر ہر چیز منکشف ہوگئی اور میں نے انہیں پہچان لیا۔ **لاادری مایفعل بی ولا بکم** میں ادراک کی نفی ہے اور وحیِ الٰہی، علمِ الٰہی کا اثبات ہے۔ حضور ﷺ علمِ الٰہی میں ایسے غوطہ

زن ہیں کہ اکثر جبریل علیہ السلام کے پڑھنے سے پہلے علمِ ولایت کے سبب خود پڑھنا شروع کردیتے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ولا تعجل بالقرآنِ من قبل انّ یُقضیٰ الیک وحیہ یعنی اے محبوب وحی کی تکمیل سے پہلے ہی قرآن پڑھنے میں سبقت نہ کیا کریں۔

تو صحابی کا سوال بتارہا ہے کہ صحابہ کا کیا عقیدہ تھا اور حضور ﷺ نے بھی اس سوال کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ مجھے کیا پتا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے، بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا یاجابر ان اللّٰہ خلق قبل الاشیاء نورنبیک من نورہٖ ''اے جابر! اللہ نے سب سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اور جو شے اوّل ہو وہی آخر ہوتی ہے۔ درخت کی مثال لیں ابتداء بیج سے ہوتی ہے اور انتہا پر بھی وہی بیج ہے۔ اس شجرۃ الکون کی صورت میں درحقیقت اُسی نورِ محمدی کا ظہور ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری ''میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے''۔ حضور ﷺ ہی اوّل ہیں، حضور ﷺ ہی آخر ہیں، آپ ﷺ ہی ظاہر ہیں، آپ ﷺ ہی باطن ہیں۔ جس نے بھی آپ ﷺ کو دیکھا اُس نے حق کو دیکھا، جو بھی آپ ﷺ تک پہنچا وہ حق تک پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، آپ ﷺ کی رضا، رضائے الٰہی ہے۔ آپ ﷺ کو تکلیف دینا اللہ کو تکلیف دینا ہے۔ آپ ﷺ کا کلام فرمانا حق کا کلام فرمانا ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھویٰ الا وحی ٌ یوحیٰ۔ آپ ﷺ کا کنکریاں پھینکنا اللہ کا کنکریاں پھینکنا ہے۔ وما رمیت اِذرمیت ولا کن اللہ رمیٰ۔ آپ ﷺ کا تقرب، قربِ حق ہے۔ آپ ﷺ کو دیکھنا عین اللہ کو دیکھنا ہے۔ رسالہ غوث الاعظم میں حق تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا لیس الظھوری فی شئیٍ کظھوری فی الانسان (ای نورِ محمد ﷺ) کسی شے میں میرا ظہور ایسا نہیں ہوا جیسا ظہور انسان میں یعنی انسانِ کامل حضور اقدس ﷺ۔ اور اللہ نے فرمایا قدجاء کم برھانٌ من ربکم تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان (دلیل) آگئی۔ خدا دعویٰ ہے، حضور ﷺ اس دعوے کی دلیل ہیں۔ دلیل جتنی مضبوط ہوگی دعویٰ اس قدر مضبوط ہوگا۔ دلیل میں خامی ہوگی، دلیل میں نقص نکالے جائیں گے تو دعویٰ کمزور ہوجائے گا۔ حضور اقدس ﷺ برہانِ ربی ہیں، دلیلِ رب ہیں اور دلیل بہ عینہٖ ویسی ہی ہوتی ہے۔ سورج کی دلیل سورج ہی ہے، چاند کی دلیل چاند ہے۔ ایک مرتبہ جبریل امین علیہ السلام سے حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم نے کبھی رب کو دیکھا؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا،

یارسول اللہ اگر میں اپنے مقام سے ذرا سا بھی آگے بڑھوں تو میرے پر جلنے لگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اجازت دیتا ہوں جاؤ اور جا کر دیکھو۔ اذنِ حضوری پا کر جبریل علیہ السلام نے اپنے سارے پر کھول دیے اور بڑی سرعت سے پرواز کر کے اللہ کے حضور پہنچ گئے اور یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ وہاں بھی حضور ﷺ تشریف فرما ہیں اور عمامہ شریف باندھ رہے ہیں، فوراً واپس پلٹے دیکھا یہاں بھی ویسے ہی عمامہ باندھ رہے ہیں۔ سات چکّر لگائے، بالآخر حضور ﷺ کی بارگاہ میں گھٹنے ٹیک دیے اور عرض کی یارسول اللہ، یہ کیا ماجرا ہے، یہاں بھی آپ وہاں بھی آپ؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جبریل میں برہانِ ربی ہوں اور برہان بہ عینہٖ اُس طرح ہوتی ہے جس کی وہ برہان ہو اور اس آیتِ کریمہ میں بھی حق تعالیٰ نے یہی ارشاد فرمایا ھو الذی ارسل رسولہ وہ ہے جس نے اپنا رسول بھیجا۔ وہ ہے کون، اگر اسے دیکھنا چاہتے ہو، اُسے جاننا چاہتے ہو، اُسے سمجھنا چاہتے ہو اور اُس تک پہنچنا چاہتے ہو تو اُس کے اس عظیم الشان رسول کو دیکھو، اسے جانو، اسے سمجھو، اس تک پہنچو۔

حضور ﷺ کے صرف ظاہر پر نظر نہ رکھو۔ اس ظاہر کے پردے میں ایک باطن ہے جس کی حقیقت سے، حقیقتِ محمدیہ سے کماحقہٗ کوئی آگاہ نہیں۔ شاہ ولی اللہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ویسے تو آپ بڑے حسین وجمیل ہیں مگر وہ بات نظر نہیں آتی جیسا حُسنِ یوسف میں تھی کہ عورتوں نے دم بخود ہو کر اُنگلیاں تراش لیں! تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''اللہ نے میرے جمال کو اپنے غیرت کے پردوں میں چھپا رکھا ہے اگر یہ پردے اُٹھ جائیں تو سب کچھ جل کر تباہ ہو جائے۔''

حضور ﷺ کی ایسی شان ہے کہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب میری رُوح حقیقت محمدیہ تک پہنچی تو راہ میں ہزاروں آگ کے دریا حائل پائے اور نور کے ہزاروں حجاب نظر آئے اور عالم یہ تھا کہ اگر میں پہلے دریا میں قدم رکھتا تو جل کر برباد ہو جاتا۔ ہر چند میں نے کوشش کی کہ محمد ﷺ کے خیمے کی طناب تک ہی پہنچ جاؤں لیکن حقیقت محمدیہ تک نہ پہنچ سکا۔

پس آنحضرت ﷺ کو کوئی ادراک کرنے والا ادراک نہیں کر سکتا، کوئی آپ کی حقیقت پر کماحقہٗ مطلع نہیں ہو سکتا۔ اللہ عزّ وجل کے سوا موجودات میں سے کسی کو بھی آپ ﷺ کی حقیقت کا علم نہیں اور جب کماحقہٗ آنجناب کا ادراک نہیں کر سکتا تو کماحقہٗ تعریف بھی نہیں کر سکتا۔

غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کا ازالہ

اولیاء اللہ اور مِنْ دُوْنِ اللّٰہ:

افسوس اس زمانے میں درسِ قرآن کے نام پر آیاتِ قرآنی کی غلط تشریحات کی جارہی ہیں۔ بتوں کے حق میں نازل آیتیں انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کی جارہی ہیں۔ لوگ خود سے قرآن کا ترجمہ پڑھ کر درس دینے لگ جاتے ہیں اور غلط عقاید کی ترویج کرتے ہیں۔ سیدھے سادھے مسلمان جنہیں نہ آیات کے شانِ نزول کا پتا ہے نہ ہی اس موضوع کی دیگر آیات سے واقف ہیں وہ ان کی باتوں میں آکر ایمان برباد کر لیتے ہیں۔

جان لیں کہ ایک ہیں اولیاء اللہ۔ یہ اللہ کے دوست، اللہ کے مقرب اور محبوب بندے ہیں۔ دوسرے ہیں من دون اللہ جس کے لفظی معنی ہیں غیر اللہ یا اللہ کے سوا۔ یہ حقیقتاً بت ہیں۔ من دون اللہ کی بیشتر آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ کفار اور مشرکین مکہ ان بتوں کو اپنا حاجت روا مانتے، مشکل کشا گردانتے، انہیں اپنا شفیع جانتے، انؐ کی پوجا کرتے، ان کو پکارتے۔ اللہ نے رد میں فرمایا مالکم من دونہٖ من ولی ولا نصیر (اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں) اور فرمایا مالکم من دونہٖ من ولی ولا شفیع (اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا ولی ہے اور نہ ہی شفاعت کرنے والا) درسِ قرآن کے نام پر بدعقیدہ بنانے والی تمام مجلسوں میں سارا زور اس طرح کی آیات پر ہوتا ہے اور سیدھے سادھے مسلمان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ولی نہیں، کوئی مددگار نہیں، کوئی شفاعت کرنے والا نہیں۔ آیات قرآنی سے اس طرح کے نتیجے نکالنا خارجیوں کا کام تھا۔ بتوں اور مشرکوں کی آیات کو انبیاء اور اولیاء پر سب سے پہلے خوارج نے چسپاں کیا۔ بظاہر خوارج بڑے نماز روزے کے پابند تھے مگر صرف اپنے آپ کو صحیح مسلمان سمجھتے اور اکابر صحابہ کو کافر ومشرک گردانتے، واجب القتل سمجھتے۔

قرآن کی تفسیر وتشریح کا پہلا اصول یہ ہے کہ اس موضوع پر قرآن کی ساری آیات کو سامنے رکھا جائے اور ایسا نتیجہ نکالا جائے جس میں کسی دوسری آیت کا انکار نہ ہو۔ اللہ عزّ وجل کا قرآن میں ارشاد ہے انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والذین اٰمنو (بیشک تمہارا دوست اور مددگار اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے) دوسرے مقام پر فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے پوچھا مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہ (اللہ کی طرف میرا کون مددگار ہے) تو حواریوں نے جواب دیا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ (ہم اللہ کے دِین کے لیے آپ کے مددگار ہیں) (صف ۱۴) اگر اللہ کے سوا کوئی مددگار ہوتا ہی نہیں تو حواری عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار کیسے ہوتے؟ اور فرمایا فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ (تحریم:۴) (پس اللہ حضور کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومنین بھی حضور کے مددگار ہیں) اور فرمایا یا ایھا النبی حسبک اللّٰہ ومن اتبعک من المومنین (اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین)

من دون اللہ سے مراد ہیں بت۔ مشرکین ان بتوں کو معبود مان کر ان کی عبادت کرتے، ان کو اپنا مشکل کشا، حاجت روا سمجھتے، ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے اور ان بتوں کا نام لے کر جانور ذبح کرتے۔ تو اللہ نے ان بتوں کی مذمّت میں آیتیں اُتاریں اور فرمایا کہ من دون اللہ کو مت پکارو یہ تمہیں کوئی نفع ونقصان نہیں دے سکتے۔ یہ تمہیں کیا نفع ونقصان دیں گے یہ تو اپنے اوپر سے مکھی تک نہیں اُڑا سکتے۔ اللہ ان بتوں کے حق میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اَمْ لَھُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا جن لوگوں نے من دون اللہ (بت) کو پوجا وہ اُن ہی کی طرح کے بندے ہیں تو ان کو پکار کر دیکھو اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جس سے وہ چل سکیں، کیا ان کے ہاتھ ہیں جس سے وہ پکڑ سکیں، کیا ان کی آنکھیں ہیں جس سے وہ دیکھ سکیں، کیا ان کے کان ہیں جس سے وہ سن سکیں بلاشبہ بتوں کے نہ کان ہیں نہ ہاتھ نہ پاؤں نہ آنکھیں جس سے وہ دیکھ سکیں، چل سکیں، سن سکیں پکڑ سکیں۔ جبکہ اپنے دوستوں، اولیاء اللہ کی شان میں فرماتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے کسی ولی سے دُشمنی رکھے میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ مسلسل نفل عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا

رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں فَکنت سمعهُ الذی یسمعُ بهِ وبصره الذی یبصرُ بهِ ویدُ الّتی یبطشُ بها ورِجلَهُ الّتی یمشی بها تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں''۔ (بخاری)

حضرت عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''میری اُمّت میں ہمیشہ تیس آدمی (ابدال) رہیں گے جن کے صدقے یہ زمین قائم ودائم رہے گی اور جن کے تصدق سے تم پر بارش برسائی جاتی ہے اور جن کے ذریعے تمہاری مدد کی جاتی ہے (طبرانی)

تو بتوں کے حق میں نازل آیات کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنا ظلم ہے، عدل نہیں۔ ظلم کی تعریف یہ ہے کہ شے کو اس کے مقام کے خلاف رکھنا۔ چیز کو اس کے محل اور مقام پر رکھنا عدل ہے۔ جرم کرے کوئی، سزا کسی اور کو دی جائے تو یہ ظلم ہے۔ اللہ پہلے ہی سے ایسے لوگوں سے واقف تھا، اس نے پہلے ہی آیت نازل فرمادی وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَايَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل: ۸۲) قرآن مومنوں کے واسطے شفاء و رحمت ہے اور ظالمین کے خسارے میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ قرآن ظالموں کے واسطے شفا و رحمت نہیں۔ یہاں ولا یزید الکافرین نہیں فرمایا کیونکہ کافر تو قرآن پڑھتا ہی نہیں۔ نہ ہی اس کا ترجمہ و تفسیر کرتا ہے نہ ہی بتوں والی آیات نبیوں اور ولیوں پر لگاتا ہے۔ اس واسطے ولا یزید الکافرین نہ فرمایا بلکہ فرمایا ولا یزید الظالمین تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو قرآن کا غلط مفہوم بیان کرتے ہیں، غلط ترجمہ کرتے ہیں، یہ قرآن ایسے ظالموں کے واسطے شفا و رحمت نہیں بلکہ خسارے میں اضافے کا موجب ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں یارسول اللہ نہ کہو، یا غوث الاعظم مت پکارو، انبیاء و اولیاء کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے وغیرہ، یہ لوگ وہی بتوں والی آیتیں پڑھ کر انبیاء اور اولیاء پر لگاتے ہیں۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب قرآن پڑھ رہے ہیں۔ جنہیں شانِ نزول کا پتا نہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ بت کچھ نہیں کر سکتے مگر انبیاء و اولیاء اللہ کی دی ہوئی طاقت و اختیار سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون کیا تم ان بتوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ کسی شے کا نفع دے سکتے ہیں نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں، تُف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر کیا تم عقل والے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے من دون اللہ کسے کہا؟ ولیوں کو یا بتوں کو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انکم وماتعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم تم اور جن من دون اللہ (بتوں) کی تم پوجا کرتے ہو وہ تمام جہنم کا ایندھن ہیں۔ ذرا غور کریں اگر من دون اللہ سے مراد اللہ کے سوا لی جائے اور اس میں تمام انبیاء واولیاء کو شامل کیا جائے تو کیا انبیاء، اولیاء اور مومنین جہنم کا ایندھن بنیں گے؟ ثابت ہوا من دون اللہ اور ہیں اور اولیاء اللہ، اہل اللہ اور ہیں۔ من دون اللہ کچھ نہیں کر سکتے، اہل اللہ، اللہ کے دیے ہوئے اختیار وقدرت سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں سورۂ نحل میں سلیمان علیہ السّلام کے ایک درباری، خدا کے ولی آصف بن برخیا کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ تختِ بلقیس دو ماہ کی مسافت کے فاصلے سے سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پلک جھپکنے کی دیر میں لے آئے۔ من دون اللہ کچھ نہیں کر سکتے مگر عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کے بندے، اس کے نبی، رسول اور مرسل فرماتے ہیں وابرئُ الاکمہ والابرص میں اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور بلا دوا برص والے کو ہاتھ پھیر کر اچھا کرتا ہوں۔ اسی لیے آپ کا نام ہے مسیح یعنی ہاتھ پھیرنے والا واحی الموۃ باذن اللّٰہ وانبئکم بماتا کلون وماتدخرون اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے اِذن سے اور تمہیں خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ ماننا پڑے گا کہ پیغمبر شفا دے سکتے ہیں، مردہ زندہ کر سکتے ہیں اور انہیں یہ اختیار اور اس بات کی اجازت اللہ نے دی۔ پھر فرمایا انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً میں بناتا ہوں تمہارے لیے مٹی سے پرندہ، پھر اسے پھونک مارتا ہوں اور میری پھونک سے اس میں جان پڑ جاتی ہے وہ اُڑنے لگ جاتا ہے۔

اکابر علمائے دیوبند بھی اولیاء اللہ کے اختیارات وتصرفات کے قائل تھے اور وہ بتوں کی آیات اس طرح ولیوں پر چسپاں نہ کرتے تھے، مگر فی زمانہ خارجیت کا دور دورہ ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی ملفوظات میں اپنی پیدائش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں میری والدہ

کے ہاں بچّے نہیں بچتے تھے یا تو مردہ پیدا ہوتے یا پیدائش کے بعد انتقال کر جاتے۔ میرے ماموں میری والدہ کو لے کر اس علاقے کے ایک مجذوب کے پاس گئے اور ساری بات اس کے گوش گزار کی۔ مجذوب نے کہا دو بیٹے ہوں گے، دونوں زندہ رہیں گے شرط یہ ہے کہ ان کا نام علی کے نام پر رکھنا۔ ان میں سے ایک مولوی ہوگا ایک مجذوب۔ ذرا دیکھیں مجذب نے کوئی دُعا نہ کی، سائل کا سوال سُن کر صرف ایک شرط کے ساتھ دو بیٹے (اللہ کی عطا کردہ قوت واختیار سے) عطا کر دیے۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں جیسا اس مجذوب نے فرمایا ویسا ہی ہوا۔ پہلے بڑے بھائی اکبر علی کی پیدائش ہوئی، پھر میری۔ دونوں کے نام علی کے نام پر رکھے گئے اکبر علی اور اشرف علی۔ دونوں زندہ رہے، بڑے بھائی پر جذب کا غلبہ ہے اور میں مولوی ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرّحیم کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دن دوپہر کو درس کی مجلس سے واپس آرہے تھے، گرمی کے سبب گلیاں سنسان تھیں، ذہن میں شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کی رُباعی آگئی اور آپ مزے سے اسے گنگناتے ہوئے آرہے تھے۔

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است　　جز سرِّ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدیؔ بشوئے لوحِ دل از نقش غیرِ حق　　..............................

"دوست (اللہ) کی یاد کے سوا جو کچھ بھی زندگی میں کیا حقیقتاً وہ عمر کو ضائع کیا۔ رازِ عشق کے سوا جو کچھ پڑھا وہ بچپنا تھا۔ اے سعدی اپنے دل کی لوح سے اللہ کے غیر کا نقش مٹا دے"۔ تین مصرعے گنگنانے کے بعد چوتھا مصرعہ بھول گئے، جتنا ذہن پر زور ڈالتے یاد نہ آتا۔ اتنے میں ایک گلی سے ایک خوبصورت نوجوان جس کی زُلفیں دراز تھیں آیا اور اس نے چوتھا مصرعہ پڑھ دیا "علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است" وہ علم جو حق کی راہ نہ دِکھائے جہالت ہے۔ شاہ عبدالرّحیم بڑے خوش ہوئے، جیب سے پان کا بٹوا نکالا ایک خود کھایا دوسرا اس نوجوان کو پیش کیا تو اُس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا۔ انہوں نے پوچھا کیا شریعت میں پان کھانا منع ہے؟ اس نے کہا منع تو نہیں مگر میں نہ کھاؤں گا۔ پھر وہ نوجوان اجازت لے کر جانے لگا تو اس کا ایک قدم گلی کے دوسرے کونے پر پڑا یعنی ایک قدم میں گلی کے دوسرے کونے پر پہنچ گیا۔ شاہ عبدالرّحیم یہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ کوئی مجرد رُوح ہے جو مدد کے لیے آئی، زور سے پکارا بھائی اپنا نام تو بتاتے جاؤ تا کہ فاتحہ میں یاد رکھوں۔ وہ

نوجوان رُکا، ان کی طرف مڑا اور کہا سعدی فقیر میں ہی تو ہوں۔ یہ فرما کر شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ غائب ہو گئے۔

تو اکابر علمائے دیوبند اور ان کے اکابرین اولیاء اللہ کے بعد از وصال زندہ ہونے، باخبر ہونے، باتصرف اور بااختیار ہونے کے قائل تھے، جبکہ تمام اولیاء اللہ میں سردارِ اولیاء سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی سب سے منفرد شان وعظمت ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو غوث الاعظم کے لقب سے خطاب فرمایا جس کے معنی ہیں سب سے بڑے فریادرس۔ جس کسی نے بھی آپ کو مشکل میں پکارا اس کی مشکل حل ہوئی۔ جس نے بھی بلاومصیبت میں آنجناب سے استمداد چاہی اس کی مصیبت دُور ہوئی۔ جس نے بھی حق تعالیٰ کو آپ کے نام کا واسطہ دیا اس کی دُعا قبول ہوئی کہ اللہ کو آپ کے نام کی بڑی لاج ہے۔ بہجۃ الاسرار میں آپ کا عالی فرمان مذکور ہے، آپ نے فرمایا ”جو بھی مجھے مصیبت میں پکارے میں اس کی مصیبت دُور کرتا ہوں اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر مجھے پکارے میں اس کی تکلیف رفع کرتا ہوں اور جو شخص کسی حاجت میں اللہ کی طرف میرا توسل کرے اس کی حاجت پوری ہوگی۔“

فی زمانہ وہابیوں کے حاشیہ بردار سب سے زیادہ، آنجناب کو پکارنے سے روکتے ہیں۔ آپ کو پکارنے والوں، گیارہویں شریف کا انعقاد کرنے والوں کو مشرک اور بدعتی گردانتے ہیں اور استدلال میں قرآن کی وہی آیتیں پیش کرتے ہیں جو بتوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ جو ایک ولی سے عادر کھے اللہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتا ہے تو جو تمام اولیاء کے سردار سے بغض وعاد رکھے وہ اللہ کا کتنا بڑا دُشمن ہوگا۔ میرے پیارے مسلمان بھائیو! اِن دُشمنانِ خدا کے درس قرآن اور ان کی صحبتوں سے دُور رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا رنگ غالب آجائے اور ان کے ساتھ محشور کیے جاؤ۔

گیارھویں شریف:

بدعقیدہ اور گمراہ لوگ گیارہویں شریف پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ غیر اللہ کے نام کی نیاز ہے، حرام اور شرک ہے۔ اس قسم کی باتوں سے لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر کے گمراہ کر دیتے ہیں، عقیدہ خراب کر دیتے ہیں۔

ہم جو عبادات کرتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔ عباداتِ بدنی، قولی اور مالی۔ جن عبادات کا تعلق بدن سے ہے وہ بدنی عبادات ہیں۔ جس کا تعلق قول سے ہے جیسے ذکر واذکار،

تسبیحات وتلاوتِ قرآن وغیرہ، یہ قولی عبادت ہے اور جس کا تعلق مال سے ہے جیسے صدقہ وخیرات کرنا، کھانا کھلانا، غریبوں کی مالی امداد کرنا وغیرہ، یہ تمام مالی عبادات ہیں۔ اہلسنّت کا اجماع ہے کہ ان تینوں عبادتوں میں سے جو بھی اللہ کے لیے کی جائے اس کا ثواب اگر کسی کو ایصال کیا جائے تو اسے اس کا ثواب ملتا ہے اور ایصال کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ اگر قرآن ختم کیا گیا یا نیاز تقسیم کی یا لوگوں کو کھانا کھلایا تو اس کا ثواب ملے گا۔ ہم کہتے ہیں یا اللہ اس کا ثواب فلاں فلاں کی بارگاہ میں پیش فرما اور بالخصوص فلاں کی رُوح کو پہنچا۔ تو اللہ جتنا ثواب ان کو دے گا اتنا ہی ہمیں ملے گا اور اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

حدیث میں آتا ہے اگر گناہگار کے لیے ایصال کیا جائے، اس کی طرف صدقہ وخیرات یا استغفار کی جائے تو گناہگار کی بخشش ہو جاتی ہے۔ اگر کسی بخشے ہوئے کو ثواب پہنچایا جائے تو اس کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ تو ایصالِ ثواب سے اولیاء اللہ کے درجات اور بلند ہوں گے جس سے انہیں خوشی ہوگی۔ ہم نے آج سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا، لیکن اگر ہم اپنے کسی کام سے انہیں خوش کریں تو خدا قسم اللہ بھی اس سے خوش ہوتا ہے۔ اگر ہم باقاعدہ یہ کرتے رہیں تو وہ احسان فراموش نہیں، وہ قیامت میں ہمارا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے اے مرید! تُو ہمیں دُنیا میں خوش کرتا تھا **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** آج ہم تجھے خوش کریں گے اور وہ اگر اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش فرما کر مغفرت و بخشش کروادیں تو ان کے کرم سے کیا بعید۔

امام ابوحازم، حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا "میری اُمّت کے ستّر ہزار یا سات لاکھ افراد جنت میں بلاحساب و کتاب داخل ہوں گے (ابوحازم کو یاد نہیں رہا کہ ان میں سے کون سی تعداد مروی ہے) وہ ایک دوسرے کو (گروہ در گروہ) مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں گے ان میں سے پہلا شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک (اس گروہ کا) آخری فرد بھی داخل نہ ہو جائے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے"۔ (بخاری)

سبحان اللہ، اولیاء کے گروہ جنت میں جائیں گے۔ ہر گروہ کا ایک میر لشکر ہوگا جو اس کا ا ل ہوگا۔ قادری لشکر کے سالار سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ چشتیوں کے میر لشکر خواجہ غریب نواز ہوں گے وغیرہ۔ اور ذرا حدیث کے الفاظ پر غور کریں۔ حضور ﷺ فرما رہے ہیں

لَا یَدْخُلُ اَوَّلُھُمْ حَتّٰی یَدْخُلَ آخِرُھُمْ ان کا اوّل یعنی ان کا میرِ لشکر اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک ان کے گروہ کا آخری شخص جنت میں نہ چلا جائے۔ سب کو بھیج کر میرِ میراں پلٹ کر دیکھیں گے کہ کوئی رہ تو نہیں گیا پھر جنت میں داخل ہوں گے۔

آنجناب فرماتے ہیں میرا دستِ حمایت میرے مریدوں پر ایسا ہے جیسا آسمان زمین کے اُوپر۔ اگر میرا مرید اچھا نہیں تو میں تو اچھا ہوں۔ جلالِ پروردگار کی قسم جب تک میرے تمام مرید جنت میں نہیں چلے جائیں گے میں جنت میں نہیں جاؤں گا۔

شرک و بدعت:

اس دور میں بعض لوگ اپنی ناسمجھی کی بناء پر ایسی چیزوں کو شرک و بدعت کہنے لگ گئے ہیں جو حقیقت میں نہ شرک ہیں نہ بدعت۔ شرک ایک ایسا گناہ ہے جو نا قابلِ معافی اور نا قابلِ بخشش ہے۔ اسی طرح بدعت کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا "ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے" اس لیے جاننا بڑا ضروری ہے کہ شرک و بدعت کیا ہے تا کہ اس سے بچا جا سکے۔

شرک یہ ہے کہ کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے برابر اور ہمسر سمجھا جائے۔ مثلاً اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے اسماء اور اس کے افعال میں کسی کو شریک کرے یا اللہ کے سوا کسی کو معبود سمجھے تو یہ شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے۔

جہاں تک اللہ عزّ وجل کی ذات کا تعلق ہے، اس کی ذات کی معرفت کماحقہٗ آج تک کسی کو معلوم نہ ہو سکی اور نہ ہی آج تک کسی نے ایسا شرک کیا کہ کسی کو اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرایا۔ پھر اللہ کی صفات ہیں۔ اللہ اپنی صفات، اسماء اور افعال میں لاشریک ہے۔ وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ جیسے اللہ میں یہ صفت ہے اسی طرح کسی اور میں ان صفات کا اثبات کرنا شرک فی الصفات کہلاتا ہے۔ اس طرح اللہ کے افعال میں کسی کو شریک کرنا کہ کوئی اللہ کی طرح اس جیسے افعال کر سکتا ہے، شرک فی الافعال ہے۔ اسی طرح کسی اور کے ناموں کو اللہ کے اسماء کی تاثیر کے ساتھ ماننا شرک فی الاسماء کہلاتا ہے اور اللہ کے سوا کسی اور کو عبادت کے لائق ماننا بھی شرک ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اللہ کی تمام صفات اس کی ذاتی، ازلی، ابدی اور قدیم ہیں۔ اللہ کو اس کی صفات کسی اور نے

عطا نہیں کیں، بلکہ اس کی ذاتی ہیں، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، قدیم ہیں حادث نہیں۔ جبکہ مخلوقات میں چاہے کوئی بھی ہو خواہ نبی یا ولی اس کو جو بھی قدرت، اختیار اور صفات حاصل ہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ اُن کے پاس یہ صفات ازلی نہیں، کیونکہ جب اللہ نے انہیں پیدا فرمایا اس کے بعد انہیں ان صفات سے متصف فرمایا تو اللہ کے علاوہ مخلوقات میں سے جس کسی کے پاس جو بھی صفت، کمال یا خوبی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے اور حادث ہے۔ اللہ کی صفتیں ذاتی ہیں جبکہ بندے کی عطائی ہیں۔ اللہ کی صفتیں ازلی، ابدی اور قدیم ہیں۔ اللہ کی صفتیں غیر مخلوق ہیں جبکہ بندہ خود بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے، اس کی مخلوق ہے اور اس کی صفات بھی عطا کردہ اور مخلوق ہیں۔ اللہ کی صفتیں فنا نہیں ہو سکتیں، ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی، بندے کی صفتیں جائز الفنا ہیں، وہ فنا ہو سکتی ہیں۔ شرک اس وقت ہوگا جب کوئی کسی کے لیے ویسی ہی صفت مانے جیسے اللہ کے لیے مانتا ہے مثلاً یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ کی صفتیں یا اولیاء کے اوصاف ذاتی، ازلی، ابدی، حقیقی اور قدیم ہیں، تو یہ شرک ہے اگر اس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفتیں، اولیاء اللہ کی صفتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں، حادث ہیں تو یہ شرک یا برابری نہیں۔

اسی طرح اللہ کے جو افعال ہیں ان کے بارے میں ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ جو کام کرتا ہے اس کام کی صلاحیت، قدرت، اللہ میں ذاتی اور حقیقی طور پر ہے اور مخلوقات میں کام کرنے کی صلاحیت طاقت وقدرت اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ اللہ ہر بات پر قادر ہے جبکہ بندہ کو اللہ نے جتنی قدرت دی ہے وہ اللہ کی دی ہوئی قدرت وطاقت کے مطابق کام کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔

اسی طرح کسی بھی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ جیسے اللہ کے نام ہیں، بغیر کسی فرق کے دوسروں کے بھی نام ہیں اور اللہ کے ناموں میں جو تاثیریں و برکتیں ہیں وہی تاثیر و برکت کسی اور کے نام میں ہے۔ اس طرح کسی بھی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق ہے۔

اللہ تعالیٰ حیّ ہے۔ حی کے معنی ہیں زندہ۔ اللہ زندہ ہے اور بندہ بھی زندہ ہے۔ اس وقت موجود لوگ زندہ ہیں یا مردہ؟ ارشادِ باری ہے یخرج الحیَّ من المیت ومخرج المیت من الحی (وہ نکالتا ہے مردوں سے زندے اور زندوں سے مردے) تو اللہ نے حی کا لفظ یہاں اپنے علاوہ دوسروں کے لیے استعمال کیا۔ شہداء کے بارے میں اس کا ارشاد ہے بل احیاء ھم (بلکہ وہ زندہ ہیں) احیاء ھم جمع ہے حیّ کی۔ تو اللہ نے شہداء کو حی فرمایا۔ اللہ بھی حی ہے بندہ

بھی حی۔ اللہ بھی زندہ ہے بندہ بھی زندہ ہے۔ لفظ حی دونوں کے لیے آیا مگر دونوں جگہ حقیقت ایک نہیں۔ اللہ ذاتی طور پر حی ہے، اس کو کسی نے زندگی نہیں بخشی۔ بندوں اور دیگر مخلوقات کو اللہ نے زندگی بخشی ہے۔ اللہ کی حیات حقیقی ہے۔ بندہ کی حیات اللہ کی بخشش سے ہے، عطا سے ہے۔ اللہ ہمیشہ سے زندہ ہے، ہمیشہ زندہ رہے گا، لیکن بندہ پہلے نہیں تھا، اللہ نے اس کو حیات بخشی تو وہ زندہ ہوا، اس کا فنا ہونا جائز ہے جبکہ اللہ کا فنا ہونا ناممکن اور محال ہے پھر اللہ اپنی شان کے مطابق حی ہے اور بندہ اپنی حیثیت کے مطابق حی ہے۔

اسی طرح اللہ عزّ وجل سمیع وبصیر ہے۔ ارشاد ہوا انَّ اللّٰہ کان سمیعاً بصیراً (بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) بندے کو بھی اللہ نے یہ صفتیں عطا فرمائی ہیں۔ ارشاد باری ہے فجعلنٰہ سمیعاً بصیراً (ہم نے انسان کو سمیع اور بصیر بنایا) سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔ دونوں جگہ سمیع وبصیر کے الفاظ استعمال ہوئے۔ اللہ سمیع وبصیر ہے ذاتی اور حقیقی اعتبار سے بندہ سمیع وبصیر ہے اللہ کی عطا سے اگر اللہ بندے کو یہ صفات عطا نہ فرماتا تو بندہ سمیع وبصیر نہ ہوتا۔ اللہ کا سمیع وبصیر ہونا ازلی، ابدی اور قدیم ہے غیر مخلوق ہے، جبکہ بندہ کا سمیع وبصیر ہونا حادث ہے، مخلوق ہے اللہ کی عطا سے ہے۔ اللہ کا سمیع وبصیر ہونا اللہ کی شان کے مطابق ہے، لامحدود ہے۔ بندے کا سمیع وبصیر ہونا اُس کی حیثیت کے مطابق ہے، محدود ہے۔ الفاظ ایک ہیں، مگر حقیقت ایک نہیں۔ معلوم ہوا صرف الفاظ کے اطلاق سے، صرف الفاظ کے بولنے سے برابری نہیں آتی جب تک کہ حقیقی مساوات اور برابری مراد نہ ہو۔ یہ بنیادی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم ہے۔ فرمایا انَّ اللّٰہ بالناس لرؤفٌ الرّحیم بیشک اللہ انسانوں پر رؤف ورحیم ہے۔ رؤف کے معنی ہے شفقت کرنے والا، رحیم کے معنی ہیں رحم کرنے والا۔ یہی الفاظ اللہ عزّ وجل نے اپنے حبیب کے لیے استعمال فرمائے۔ فرمایا بالمومنین رؤف الرّحیم میرا رسول مومنوں پر بڑی شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔ رؤف اور رحیم کے الفاظ دونوں جگہ ایک ہیں، مگر حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ اللہ کا رؤف ورحیم ہونا ذاتی ہے۔ حضور ﷺ کا رؤف ورحیم ہونا اللہ کی عطا سے ہے۔ اللہ کا رؤف ورحیم ہونا ازلی اور قدیم ہے۔ حضور ﷺ کا رؤف ورحیم ہونا حادث ہے۔ اللہ ہمیشہ سے رؤف ورحیم ہے، جبکہ حضور ﷺ اس وقت سے رؤف ورحیم ہیں جب اللہ کی طرف سے یہ صفات عطا فرمائی گئیں۔ اللہ کی صفتیں کسی کے قبضہ وکنٹرول میں نہیں جبکہ

حضورﷺ اور دیگر تمام مخلوقات کی صفتیں اللہ کے قبضہ اور کنٹرول میں ہیں۔ شرک اس وقت ہوتا ہے۔ جب حقیقی مساوات اور حقیقی برابری کی جائے، یعنی کسی کو ذات وصفات میں بالکل اللہ جیسا سمجھا جائے۔ کسی بھی جاہل سے جاہل مسلمان سے پوچھیں کہ حضور اقدسﷺ کو صفات وکمالات کس نے عطا کیے؟ تو وہ کہے گا اللہ نے۔ غوث الاعظم کو یہ شان، قدرت وطاقت اور کمال وبزرگی کس نے عطا کیں؟ تو وہ کہے گا "اللہ نے"۔ جب یہ مان لیا کہ اللہ نے عطا فرمائیں تو اب شرک ہو ہی نہیں سکتا اور اگر محض لفظوں کو سُن کر شرک شرک کرنا ہے تو پھر لفظ سُنتے جایئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللّٰــه ولــی الـذیـن آمنوا (اللہ ولی ہے ایمان والوں کا) ولی کے معنی ہیں دوست، مددگار، مقرب، پیارا۔ تو اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔ ولی ہونا اللہ کی صفت ہے اور اللہ نے اپنے ولیوں کو، دوستوں کو بھی ولی فرمایا الا ان اولیاء اللّٰه لا خوفٌ علیهم ولا هم یحزنون خبردار میرے ولیوں کو کوئی خوف وغم نہیں۔ اللہ ایمان والوں کا ولی اور اولیاء اللہ، اللہ کے ولی۔ وہ اِن کا ولی، یہ اس کے ولی۔ اور ہم آپس میں بھی ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ ارشادِ باری ہے والـمـومـنـون والمومنات بعضهم اولیاء بعض مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور حضور بھی ولی ہیں۔ فرمایا انـمـا ولیکم اللّٰه ورسوله والذین آمنوا تمہارا ولی، اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں۔ تو لفظ ولی ایک ہے مگر اس کا اطلاق اللہ پر بھی ہو رہا ہے، اس کے رسول پر بھی ہو رہا ہے، اولیاء اور ایمان والوں پر بھی ہو رہا ہے تو کیا یہ شرک ہو گیا؟ اگر کوئی سُن کر کہے ولی تو اللہ ہے اور تم رسول کو، ولیوں کو اور ایمان والوں کو بھی ولی کہہ رہے ہو؟ تو ہم کہیں گے کہ ہم نہیں کہہ رہے یہ اللہ کہہ رہا ہے۔ اگر لفظوں کا اطلاق شرک ہے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ اپنے کلامِ مقدّس میں شرک کی تعلیم دے رہا ہے (نعوذ باللہ) اللہ کبھی بھی شرک کی تعلیم نہیں دیتا وہ تو ایمان کی تعلیم دیتا ہے۔ بولو اب اللہ کو بھی ولی ماننا ہے، رسول کو بھی ولی ماننا ہے اور ایمان والوں کو بھی ولی ماننا ہے۔ انـما ولیکم اللّٰه ورسوله والذین آمنوا (بیشک اللہ تمہارا ولی ہے اور اس کا رسول بھی تمہارا ولی ہے اور ایمان والے بھی تمہارے ولی ہیں) تو اب یہ کیسے ہوگا؟ اس طرح یعنی اللہ ذاتی اور حقیقی طور پر ولی ہے اسے کسی نے ولی نہیں بنایا، جبکہ حضور کو اللہ نے ولی بنایا اگر اللہ آپ کو ولی نہ بناتا تو آپ ولی نہ ہوتے۔ اللہ کی صفت ذاتی اور غیر مخلوق ہے، جبکہ حضورﷺ اور ایمان والوں کی یہ صفت حادث ہے۔ اللہ کی صفت کسی کے قبضہ وکنٹرول میں

نہیں جبکہ حضور علیہ السلام اور دیگر ایمان والوں کی یہ صفت اللہ کے قبضۂ کنٹرول میں ہے۔ جب اتنے فرق ہو گئے تو برابری نہ ہوئی اور جب برابری نہ ہوئی تو شرک بھی نہ ہوا۔

موجودہ دور میں ایسے لوگ ہیں جو لٹھ لیے پھرتے ہیں، اُن کے پاس نہ علم ہے نہ عقل، بس لفظ سُنا نہیں کہ شرک کا فتویٰ لگا دیا۔ اب افعال کو دیکھیں۔

ارشاد باری ہے فعالٌ لما یرید (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) یفعل اللّٰہ مایشاءُ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔ اللہ کا ایک فعل دیکھیں، فرمایا اللّٰہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰتِ الی النور (اللہ ایمان والوں کا دوست ہے، انہیں ظلمات (اندھیروں) سے نور (روشنی) کی طرف نکالتا ہے)۔ یخرج فعل ہے اس کا فاعل اللہ ہے۔ ظلمتوں سے نور کی طرف نکالنا اللہ کا کام ہے۔ دوسری جگہ حضور ﷺ کی شان میں فرمایا لتخرج الناس من الظلمٰتِ الی النور (اے حبیب ہم نے آپ کو اس واسطے بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لائیں)۔ اللہ بھی ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور حضورِ اقدس ﷺ بھی لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں۔ جو کام اللہ کرتا ہے وہی کام حضور ﷺ کرتے ہیں، کیا یہ شرک ہو گیا؟ اگر یہ شرک ہے تو کہنا پڑے گا کہ اللہ خود قرآن میں شرک بیان کرتا ہے۔ یہاں بھی وہی فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالنے کی جو قدرت و طاقت ہے وہ ذاتی طور پر ہے، ازلی، ابدی اور قدیم ہے اور نبی کریم ﷺ کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالنے کی قدرت و طاقت اللہ کی عطا سے ہے اور حادث ہے یعنی جب اللہ نے عطا فرمائی اُس وقت سے ہے۔ ظلمتوں سے نور کی طرف نکالنے کی یہ قدرت و طاقت حق تعالیٰ میں لامحدود اور لامتناہی ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود یہ وصف اللہ کے مقابلے میں محدود اور متناہی ہے۔ جب ہم اتنے فرق مانتے ہیں تو برابری نہ ہوئی اور جب برابری نہ ہوئی تو شرک بھی نہ ہوا۔

اللہ کا ایک کام یہ ہے کہ وہ جانیں نکالتا ہے۔ اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا (اللہ موت کے وقت تمہاری جانیں نکالتا ہے)۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا قل یتوفکم ملک الموت الذی یتوکل (آپ فرما دیں کہ تمہاری جانیں موت کے وقت ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں جو تم پر مقرر ہیں) ان دونوں آیتوں میں یتوفی ایک فعل ہے مگر ایک جگہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور دوسری جگہ عزرائیل ہیں۔ اللہ بھی جان نکالتا ہے، عزرائیل بھی جان نکالتا ہے۔ جو

کام اللہ کا ہے وہی کام عزرائیل کر رہے ہیں تو کیا یہ شرک فی الافعال ہو گیا؟ نہیں شرک نہیں ہوا کیونکہ لفظ، فعل یتوفی ایک ہے مگر حقیقت ایک نہیں۔ اللہ کو جان نکالنے کی قدرت ذاتی اور حقیقی طور پر حاصل ہے جبکہ عزرائیل کو یہ قدرت اللہ کے عطا کرنے سے حاصل ہے اس کے علاوہ دوسرے، ازلی، ابدی، قدیم اور حادث کے فرق بھی ملحوظ رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ صرف لفظوں کے بولنے سے شرک لازم نہیں آتا۔

اور سنیں، اللہ حفیظ و علیم ہے، حفاظت کرنا اور علم والا ہونا اللہ کے افعال ہیں۔ سورۂ یوسف میں یہ دونوں افعال حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے استعمال کیے گئے فرمایا: **انی حفیظ علیم** (میں حفیظ و علیم ہوں) اللہ بھی حفیظ و علیم ہے، یوسف علیہ السلام بھی حفیظ و علیم ہیں حضور علیہ السلام کے لیے بھی حق تعالیٰ نے یہی الفاظ استعمال کیے فرمایا **فمن تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا** (اے میرے حبیب! جو تجھ سے منہ موڑتے ہیں ہم نے اُن پر تجھے حفیظ نہیں بنایا) مطلب یہ ہوا کہ جو حضور سے وابستہ ہیں جو حضور ﷺ کے غلام ہیں حضور ﷺ ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ تو حضور حفیظ بھی ہیں اور علیم بھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا **وفوق کل ذی علم علیم** (ہر علم والے کے اوپر ایک علیم ہے) تو اللہ کے افعال مخلوقات کے لیے قرآن سے ثابت ہیں مگر جب ہم نے مذکورہ فرق کو مدنظر رکھا تو نہ برابری لازم آئی نہ شرک ٹھہرا۔

اور دیکھیں! اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ ہے، ہمارا مددگار ہے۔ سورۂ بقر میں ہے **انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکفرین** تو اللہ ہمارا مولانا یعنی مددگار ہے۔ جبکہ یہ لوگ ہر داڑھی والے کو مولانا کہتے ہیں۔ تو یہ شرک ہوا۔ انہوں نے مولانا بنائے ہوئے ہیں انہیں چاہیے کہ اب یہ کسی کو مولانا نہ کہیں کیونکہ مولانا تو اللہ ہے اور انہوں نے لاکھوں بنائے ہوئے ہیں! جو اسم اللہ کے لیے آیا یہ اپنے مولویوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو شرک فی الاسماء ہے۔ اگر ایسے شرک ہونے لگے تو دُنیا کا کوئی بھی آدمی شرک سے نہ بچے۔ ہر فرقہ کا آدمی مولوی کو مولانا کہتا ہے تو بتائیں شرک سے کون سا فرقہ بچا؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ محض لفظوں کے اطلاق سے شرک لازم نہیں آتا جب تک کہ حقیقی برابری اور مساوات مراد نہ لی جائے۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، وہ غیب جاننے والا ہے۔ اللہ کی عطا سے انبیاء اور اولیاء بھی علمِ غیب سے آگاہ ہیں۔ غیب جاننے والے ہیں۔ ہم لوگ عالم الغیب کا اطلاق اللہ ہی پر کرتے ہیں۔

اور انبیاء واولیاء بعطائے الٰہی غیب جانتے ہیں۔ اگر چہ عالم الغیب کے معنی غیب جاننے والے کے ہیں جیسا کہ رسول کے معنی قاصد کے ہیں مگر ہم ہر قاصد کو رسول نہیں کہتے کہ یہ لفظ خاص اُن لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کا پیغام لے کر آئے۔ اسی طرح لفظ نبی ہے جس کا معنی ہے خبر دینے والا۔ مگر ہر خبر دینے والے کو نبی نہیں کہتے۔ یعنی بعض الفاظ بعض کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں ان کا اطلاق دوسروں پر نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح عالم الغیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جبکہ دیگر انبیاء واولیاء کو جتنا علم غیب اس نے چاہا بتایا، عطا فرمایا، مطلع فرمایا۔ جو یہ کہتا ہے کہ علم غیب صرف اللہ کا خاصہ ہے اس کا اطلاق کسی اور پر کرنا شرک ہے۔ یہ فتویٰ غلط ہے۔ اللہ کا علم غیب، اس کا ذاتی ہے، حقیقی ہے ازلی ابدی اور قدیم ہے اس کو یہ علم کسی نے عطا نہیں کیا، اس سے یہ علم زائل نہیں ہو سکتا۔ انبیاء اور اولیاء کے پاس جو علم غیب ہے وہ اللہ کی عطا سے ہے، حادث ہے اور اُن سے اس علم کا زائل ہونا ممکن ہے۔ نیز اللہ کے مقابلے میں انبیاء واولیاء کا علمِ غیب متناہی اور محدود ہے۔ لفظ ''علمِ غیب'' ایک ہے مگر حقیقت میں برابری ومساوات مراد نہیں۔ جب ہم نے یہ مان لیا کہ نبی کریم ﷺ کو علمِ غیب بہ عطائے الٰہی حاصل ہے تو یہ ہرگز ہرگز شرک یا برابری نہیں۔ یہ لوگ جب بھی ہم سے سنتے ہیں کہ حضور ﷺ کو علم غیب حاصل تھا تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ شرک ہو گیا، علمِ غیب تو اللہ کا خاصہ ہے اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ حالانکہ ان کو یہ کہنا چاہیے کہ ذاتی طور پر جاننا اللہ کا خاصہ ہے اور عطائی طور پر جاننا نبیوں ولیوں کا خاصہ ہے۔ صرف غیب پر ہی اعتراض کیوں؟ ذرا آیت تو پوری پڑھو عالم الغیب والشھادۃ (اللہ جاننے والا ہے غیب کا اور شہادت کا) یعنی عالم ظاہر کا بھی جاننے والا ہے۔ صرف غیب کا علم اس کی ذاتی صفت نہیں بلکہ ظاہر کا اور شہادت کا علم بھی اس کی ذاتی صفت ہے۔ ظاہر کا علم بھی اللہ کا خاصہ ہے۔ باطن کا علم بھی اللہ کا خاصہ ہے۔ تو پھر ظاہر کا علم بھی کسی کے واسطے نہ مانا جائے، کہ یہ اللہ کا خاصہ ہے۔ کسی کے حق میں ایسا ماننا ان لوگوں کے مطابق شرک ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ کی صفت یہ ہے کہ جیسا وہ غیب کا علم جانتا ہے ویسا ہی ظاہر کا علم بھی جانتا ہے۔ تو بھائی غیب کے علم پر کیوں بحث کرتے ہو یہ کہو کہ جو ظاہر کا علم بھی کسی کے لیے ثابت کرتا ہے وہ مشرک ہے۔ اب بتاؤ کہ کون شرک سے بچ سکتا ہے؟ یہ صرف غیب کی صفت پر شرک کا فتویٰ دیتے ہیں اللہ کی دوسری صفات بھی ہیں اور کسی بھی صفت میں شریک کیا جائے تو شرک واقع ہوتا ہے۔ غیب کے اطلاق پر شرک اور ظاہر کے اطلاق پر شرک نہیں؟ اللہ غیب اور

شہادت کا جاننے والا ہے۔اس کا یہ علم ذاتی اور حقیقی ہے جبکہ ہمارے پاس اس علم میں سے کچھ،اللہ کی عطا سے ہے اللہ اگر ہمیں آنکھ ناک کان عطا نہ فرماتا تو ہم نہ کچھ دیکھ سکتے نہ سن سکتے ہمیں ظاہر کا جو بھی علم ہے اللہ کی عطا سے ہے۔

سیدھے سادھے لوگوں کو چکر میں ڈالنے کے لیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہ کہتے ہو کہ حضور ﷺ کو اللہ نے علم غیب عطا کیا۔اگر اللہ نے انہیں غیب پر مطلع کردیا تو ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہی۔جب حضور ﷺ کو پتا تھا تو پھر علم غیب کا کیا معنی؟ کیونکہ علم غیب کے معنی ہیں پوشیدہ اور مخفی چیز کا علم اور جب کوئی چیز پوشیدہ ہی نہیں تو علم غیب کیسا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کیا اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ ہے؟ فرمانِ باری ہے **لایخفٰی علیه شیء فی الارض ولا فی السّماء** (زمین وآسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ و مخفی نہیں) جب اس کے واسطے کوئی چیز غیب ہی نہیں تو اللہ کو ''عالم الغیب'' کیوں کہتے ہو؟

آیت میں ''عالم الغیب والشھادۃ'' سے مراد غیب بہ نسبت مخلوق ہے یعنی وہ چیزیں جو دیگر مخلوقات سے،عام لوگوں سے مخفی ہیں،اللہ اُن کا جاننے والا ہے۔اسی طرح عام مخلوقات سے جو امور اور چیزیں مخفی ہیں،ان کا علم اللہ نے حضور کو عطا فرمایا تو حضور کا عالم الغیب ہونا مخلوق کے اعتبار سے ہے کہ عام لوگ جس سے ناواقف ولاعلم ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بعطائے الٰہی اُن سے واقف وآگاہ ہیں۔ایک عالم دنیا ہے ایک عالم برزخ ہے اور ایک عالم آخرت ہے۔ابھی ہم عالم دنیا میں ہیں،مرنے کے بعد عالم برزخ میں منتقل ہوجائیں گے۔برزخ کے معنی ہیں پردہ۔ عالمِ برزخ عام لوگوں سے پوشیدہ ہے،پردے میں ہے،غیب میں ہے۔مگر ہمارے پیارے نبی عالم برزخ اور اس میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ ہیں۔ایک مرتبہ حضور صحابہ کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے،راہ میں دو قبریں نظر آئیں۔حضور نے صحابہ سے فرمایا دو تر شاخیں لاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے اُن شاخوں کو قبروں پر رکھ دیا۔صحابہ کے استفسار پر فرمایا ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہورہا ہے۔ایک چغلی کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا۔دیکھیں وہ عالم جو عام لوگوں سے مخفی ہے،حضور سے غیب میں نہیں۔حضور نہ صرف عالم برزخ میں اُن پر ہونے والے عذاب سے آگاہ تھے بلکہ اس کا سبب بھی جانتے تھے۔اُن لوگوں کی گزری ہوئی حیات آپ پر منکشف تھی۔حضور ﷺ نے فرمایا یہودیوں پر اُن کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے اور میں ان کے

چیخنے چلّانے کی آوازیں یہاں بیٹھا سنتا ہوں۔ جو باتیں عام بندوں سے پوشیدہ ہیں حضور اللہ کی عطا سے انہیں جانتے ہیں۔ یہ لوگ صرف وہ آیتیں پڑھتے ہیں جن میں علمِ غیب کا دوسروں کے حق میں انکار ہے۔ مثلاً اللہ نے فرمایا **لا یعلم من فی السمٰوٰت و من فی الارض الغیب الا اللّٰہ** یعنی ''زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ غیب ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ بار بار یہی آیت پڑھیں گے۔ سننے والے کا بار بار سن کر یہی عقیدہ ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی علم غیب نہیں جانتا۔ اگر یہی بات ہے تو صرف غیب کی ہی کیوں بات کرتے ہو، اللہ فرماتا ہے **انما العلم عند اللّٰہ** یہاں غیب کا لفظ نہیں صرف علم کی بات ہے کہ ''بیشک علم اللہ کے پاس ہے''۔ جب علم اللہ ہی کے پاس ہے تو پھر اپنے مولویوں کو عالم کیوں کہتے ہو؟ علامہ کیوں کہتے ہو؟

آیت کا صرف ایک رُخ پیش کرنا، لوگوں کو چکر دینا ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے **ان العزۃ للّٰہ جمیعا** (بیشک عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے) اب اگر صرف یہی ایک آیت پیش کر کے کہا جائے کہ عزّت صرف اللہ کے لیے ہے، صرف اللہ کا خاصہ ہے، اگر کسی اور کی عزّت کی تو شرک ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ تصویر کا ایک رُخ پیش نہ کرو، ڈنڈی نہ مارو دوسری آیت بھی پڑھو **وللّٰہ العزّۃ ولرسولہ وللمؤمنین** عزت تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے۔ ماننا دونوں آیتوں کو ہے تو اب کیسے مانیں؟ ایک جگہ فرمایا صرف اللہ کے لیے عزت ہے اور دوسری جگہ اس میں اپنے رسول اور سارے مومنوں کو شامل کر لیا! تیسری آیت میں فرمایا **وتعز من تشاء و تذل من تشاء** (اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلّت دیتا ہے) تو جس کو وہ عزّت عطا کرے اس کو مانو گے یا نہیں؟ اور یہ عطائے الٰہی ماننے والوں کو مشرک کہو گے تو یہ عین جہالت ہے اور کچھ نہیں۔ یہ تو ان لوگوں کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ قرآن میں سے ایسی آیتیں نکال دیں جیسا کہ یہ کتابوں میں سے ایسی حدیثیں اور اقوال نکال دیتے ہیں جو اہلسنّت کے عقائد پر برہان ہیں۔

ارشاد باری ہے **تبارک الذی بیدہ الملک** (برکت والی ہے وہ ذات جس کے قبضہ وقدرت میں سارے ملک ہیں) جبکہ دنیا میں تو سارے ملک غیروں کے ہاتھ میں ہیں۔ امریکہ، امریکہ والوں کے پاس ہے۔ روس، روس والوں کے پاس ہے وغیرہ۔ سارے ملک تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں تو غیروں کے واسطے کیسے اثبات کرو گے؟ آؤ ہم بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام ملکوں

کا اور ساری کائنات کا ذاتی اور حقیقی مالک ہے مگر وہ جسے چاہے ملک عطا فرماتا ہے۔ فرمایا تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء (وہ جسے چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے) اس طرح تمام تر عزتوں کا ذاتی اور حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے مگر وہ جسے چاہے عزت عطا فرماتا ہے۔ اور جسے وہ عزّت یا ملک عطا فرمائے اس کے واسطے بعطائے الٰہی عزّت اور ملک ماننا کسی طرح سے بھی شرک یا برابری نہیں۔ بالکل اسی طرح اس آیت میں فرمایا لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللّٰہ (زمینوں اور آسمانوں کے غیوب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا) ہمارے نبی نے کہیں سے تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ دنیا میں تشریف لائے تو والد کا سایہ سر سے پہلے ہی اُٹھ گیا تھا۔ چند سال کے ہوئے تو والدہ کا وصال ہو گیا ۸ سال کے تھے کہ دادا فوت ہو گئے چچا نے بکریاں چَرانے پر لگا دیا۔ ذرا بڑے ہوئے تو کاروبار شروع کر دیا الغرض کسی سے کوئی تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی مگر جوں ہی اعلانِ نبوت فرمایا، گزرے ہوئے اور قیامت تک آنے والے واقعات کی خبریں دینا شروع کر دیں اس بات سے تو اس آیت کی تکذیب ہوتی ہے کہ اللہ تو یہ کہتا ہے میرے علاوہ کوئی غیب جانتا ہی نہیں اور حضور ﷺ غیب کی خبریں دے رہے ہیں اور اس پر قرآن بھی شاہد ہے۔ فرمایا وماھو علی الغیب بضنین (اور وہ (نبی) غیب کی خبریں دینے میں بخل نہیں کرتا) کسی کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ اُسے کسی اور کو نہ دے، اسے بخل کہتے ہیں۔ اگر کوئی چیز ہی نہ ہو، مال ہی نہ ہو تو اسے قلاش یا فقیر کہیں گے نہ کہ بخیل! اس آیت کی تفسیر میں دیوبند کے ایک بڑے عالم مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "پیغمبر ہر قسم کے غیب، خواہ ان کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے، مطلع ہیں اور اس کی خبر دینے میں بخل سے کام نہیں لیتے"۔ اب اس آیت سے پہلی آیت کے اس مفہوم کی تکذیب ہوتی ہے جو بعض جاہل علماء مراد لیتے ہیں۔ یہاں وہیں بات ہے کہ آسمانوں اور زمین کے تمام غیوب اور ہر طرح کے علوم سے اللہ عزّ وجل ذاتی طور پر اور حقیقی طور پر آگاہ ہیں اور نبی کریم ﷺ بہ عطائے الٰہی جاننے والے ہیں اور دوسروں کو مطلع بھی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول (اللہ غیب کا جاننے والا ہے اور اس کا ذاتی غیب کسی پر ظاہر نہیں سوائے اس رسول کے جسے اس نے پسند کر لیا) ان لوگوں کو یہ آیت نظر نہیں آتی، اس آیت کو دیکھ کر یہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں افتؤمنون

بعض الکتب و تکفرون ببعض بعض آیتوں پر یہ ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے ما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی من رسول من یشاء (اللہ کا یہ کام نہیں کہ (اے عام لوگو!) تمہیں اپنے غیب پر مطلع کرے سوائے اُن رسولوں کے جنہیں اس نے چن لیا) جن آیتوں میں علم غیب کی نفی ہے وہ بھی حق ہیں کہ ان میں نفی ہے ذاتی طور پر جاننے کی۔ اور جن آیتوں میں علم غیب کا اثبات ہے وہ بھی حق ہیں کہ اللہ کی عطا سے اس کے نبی اس کے ولی جانتے ہیں۔ لفظ نبی کا معنی ہی ''غیب کی خبریں دینے والا'' ہے۔ نبی ہوتا ہی وہ ہے جو غیب کی خبر دے۔ ''النبی یخبر علی الغیب''۔ اور خبر وہی دے سکتا ہے جو خبر رکھتا ہو۔ جس کو خود ہی خبر نہیں وہ دوسروں کو کیا خبر دے گا۔ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو علمِ غیب عطا نہیں کیا بلکہ وہ فرماتا ہے عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضیٰ من رسول.

ایک مولوی صاحب، حضورﷺ کے علمِ غیب کے بڑے خلاف تھے۔ درس قرآن دے رہے تھے کہ آیت آئی ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین یعنی ''حضور اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں''۔ اس آیت کی شرح میں مولوی صاحب نے کہا کہ حضورﷺ نے فرمایا میرے بعد تیس جھوٹے دجال پیدا ہوں گے اور نبوت کا دعویٰ کریں گے آگاہ رہنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ایک شاگرد نے سن کر کہا اس حدیث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو علمِ غیب تھا کہ آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ جھوٹے مدعیان نبوت ہوں گے اور ان کی تعداد بھی بتا دی۔ مولوی صاحب نے سنتے ہی کہا خبردار اُستاد کے سامنے بولتا ہے! بس جو میں کہتا ہوں وہی صحیح ہے۔

ہمارے نبیﷺ نے تو قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب بتا دیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے مخلوقات کی ابتداء سے لے کر جنتیوں کے جنت میں جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک ساری خبریں ہمارے سامنے بیان فرما دیں پس جس نے یاد رکھنا تھا، یاد رکھا اور جس نے بھولنا تھا بھول گیا (بخاری و مسلم) اگر حضورﷺ جانتے ہی نہ تھے تو بیان کیسے کر دیں؟

غیب کی خبریں دینے والے ہمارے پیارے نبیﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے قریب عورتیں زیادہ ہوں گی ایک آدمی پچاس پچاس عورتوں کا کفیل ہوگا۔ عورتیں ایسے بال رکھیں گی جیسے

اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں۔ بدکاری اور بے حیائی بے حد ہوگی۔ لوگ کتوں کی طرح سب کے سامنے بدکاریاں کریں گے۔ حضورﷺ نے فرمایا ایک فوج کعبہ کو ڈھانے کے لیے آئے گی اور اس قدر کثیر تعداد میں ہوگی کہ اس کا پہلا آدمی کعبہ کے پاس ہوگا اور آخری آدمی جدہ کے سمندر کے پاس ہوگا۔ وہ جو ہتھیار لے کر کعبہ کو ڈھانے آئیں گے، میں وہ ہتھیار دیکھ رہا ہوں۔

اور ہمارے پیارے نبیﷺ نے فرمایا لوگ میری شفاعت سے جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اور جو آخری آدمی جہنم سے نکالا جائے گا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اللہ اس سے فرمائے گا جا جنت میں چلا جا۔ وہ آہستہ آہستہ جنت میں داخل ہوگا پھر لوٹ آئے گا اور عرض کرے گا یا اللہ جنت میں تو کوئی جگہ باقی نہ رہی وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے پوری دنیا کے برابر جگہ اگر میں تجھے جنت میں دے دوں تو تُو راضی ہے؟ وہ سن کر کہے گا یا اللہ مجھ سے مذاق نہ کر میں پہلے ہی بڑی سزا بھگت کر آیا ہوں، جنت میں ذرا سی بھی جگہ نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جا میں نے تجھے جنت میں روئے زمین کے برابر جگہ دی۔

یہ بات قیامت میں ہونی ہے، اس شخص نے سب سے آخر میں جہنم سے نکلنا ہے اور اللہ اور اس بندے کے درمیان جو گفتگو ہونی ہے، حضورﷺ اس دُنیا میں اس کی خبر دے رہے ہیں۔ کوئی چیز، کوئی شے کوئی بات ایسی نہیں جس کی حضورﷺ کو خبر نہ ہو۔ اللہ نے کل شہ کا علم حضورﷺ کو عطا فرما دیا۔ حضورﷺ نے فرمایا ''فتجلی لی کل شیء و عرفت ''مجھ پر ہر شہ روشن ہوگئی اور میں نے انہیں پہچان لیا۔ تو اللہ کا علم ذاتی اور حقیقی ہے اور حضورﷺ کا علم عطائی ہے اور جو عطائی علم کا اعتراف کرنے والوں کو مشرک کہے وہ جاہل ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے حضورِ اقدسﷺ نے فرمایا'' مجھے اپنی امت سے شرک کا خطرہ نہیں بلکہ اس بات کا خطرہ ہے کہ میری اُمت اللہ کی یاد سے غافل ہوتی جائے گی اور دُنیا کی طرف مائل ہوتی جائے گی''۔ اور یہی ہو رہا ہے۔ جس کو دیکھو دنیا اور مال کی طرف بھاگ رہا ہے، دولت کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی ہو رہی ہے۔ اور یہی حضورﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے شرک کا خطرہ نہیں۔ اور ان لوگوں نے دہائی مچائی ہوئی ہے کہ شرک بڑا پھیل گیا ہے، شرک بڑا پھیل گیا ہے۔ اگر ان کی دُہائی کو سچا سمجھا جائے تو حضور کا فرمان غلط ہو جاتا ہے جبکہ حضورﷺ کا فرمان غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا یاد رکھیں یہ امت شرک نہیں کرے گی کیونکہ جاہل سے جاہل بھی نبی اور ولی کے کمال کو اللہ کی عطا سے جانتا

ہے۔ ذاتی نہیں جانتا اور جو اس کو بھی شرک کہے وہ شرک کی تعریف سے واقف نہیں۔

ہمارے سردار سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اللہ کی عطا کردہ قدرت وطاقت سے متصرف ہیں، فریادوں کو سنتے ہیں، مدد کو آتے ہیں، دستگیری فرماتے ہیں اور ایسا اس لیے ہے کہ اللہ نے آپ کو غوث الاعظم (سب سے بڑا فریادرس) بنایا۔

بدعت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ و خیر الهدی هدی محمد و شر الامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة** (مسلم۔ مشکوٰۃ) ''یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین چیز دین کی بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔ محدث کے معنی ہے جدید اور نو پیدا چیز، یہاں وہ عقائد اور برے اعمال مراد ہیں جو حضور ﷺ کے بعد دین میں پیدا کیے جائیں۔ بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز پیدا کرنا۔ ارشاد باری ہے **اللّٰہ بدیع السمٰوٰت والارض** یعنی اللہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اصطلاح میں بدعت کے تین معنی ہیں:

۱۔ نئے عقیدے، اسے بدعتِ اعتقادی کہتے ہیں۔

۲۔ وہ نئے اعمال جو قرآن وحدیث کے خلاف ہوں اور حضور کے بعد ایجاد ہوئے ہوں۔

۳۔ ہر نیا عمل جو حضور کے بعد ایجاد ہوا۔

پہلے دو معنی سے ہر ہر بدعت بُری ہے کوئی اچھی نہیں۔ تیسرے معنی کے لحاظ سے بعض بدعتیں اچھی ہیں، بعض بری۔ اوپر درج حدیث میں بدعت کے پہلے معنی مراد ہیں۔ یعنی برے عقیدے کیونکہ حضور نے اسے ضلالت یعنی گمراہی فرمایا۔ گمراہی عقیدے سے ہوتی ہے عمل سے نہیں۔ بے نمازی گناہگار ہے گمراہ نہیں اور رب کو جھوٹا اور حضور کو اپنے مثل بشر سمجھنا بدعقیدگی اور گمراہی ہے اور اگر دوسرے معنی مراد ہوں تب بھی یہ حدیث اپنے اطلاق پر ہے کسی قید لگانے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر تیسرے معنی مراد ہوں یعنی ہر نیا کام تو پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعتِ سیئہ اور اوپر درج حدیث میں بدعت سیئہ کی ممانعت کی جارہی بدعتِ حسنہ کی وضاحت میں مشکوٰۃ شریف باب کتاب العلم میں حدیث موجود ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا **من سنّ فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و من عمل بها من بعده من غیر ان**

ينقص من اجورهم شيء، ومن سنّ فی الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اوزارهم شيء (مسلم۔مشکوٰۃ) جواسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے اپنے عمل اور ان کے عملوں کا ثواب ہے جو اس پر کار بند ہوں، ان کا ثواب کم ہوئے بغیر۔ اور جو اسلام میں بُرا طریقہ ایجاد کرے۔ اس پر اپنی بدعملی کا گناہ ہے اور ان کی بدعملیوں کا بھی جو ان پر کار بند ہوں اس کے بغیر کہ ان کا گناہ کچھ کم ہو۔ یعنی موجد خیر تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر پائے گا لہٰذا جن لوگوں نے علم فقہ، فن حدیث، میلاد شریف، عرس بزرگان، خیر کی مجلس، اسلامی مدرسے، طریقت کے سلسلے ایجاد کیے انہیں قیامت تک ثواب ملتا رہے گا۔ یہاں اسلام میں اچھی بدعتیں ایجاد کرنے کا ذکر ہے نہ کہ چھوڑی ہوئی سنتیں زندہ کرنے کا جیسا کہ اگلے مقابلے (بدعت سیئہ) سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس حدیث سے بدعت حسنہ کے خیر ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہوا۔ یہ حدیث اُن تمام احادیث کی شرح ہے جن میں بدعت کی برائیاں آئیں۔ صاف معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ بری چیز ہے اور ان احادیث میں یہی مراد ہے۔ یہ حدیث بدعت کی دو قسمیں بیان فرما رہی ہے، اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہو سکتی۔ اُن لوگوں پر افسوس ہے جو اس حدیث سے آنکھیں بند کر کے ہر بدعت کو برا کہتے ہیں حالانکہ خود ہزاروں بدعتیں کرتے ہیں۔ چھ کلمے، قرآن شریف کے تیس پارے، علم حدیث، حدیث کی اقسام و کتب، شریعت و طریقت کے چار سلسلے حنفی، شافعی قادری، چشتی وغیرہ زبان سے نماز کی نیت، ہوائی جہاز کے ذریعے حج کا سفر، جدید سائنسی ہتھیاروں سے جہاد وغیرہ اور دنیا کی بیشتر چیزیں پلاؤ، زردے، بریانی، ڈاک خانہ، کمپیوٹر ریلوے وغیرہ سب بدعتیں ہیں جو حضور کے بعد ایجاد ہوئیں، حرام ہونی چاہئیں حالانکہ انہیں کوئی حرام نہیں کہتا۔

گیارہویں شریف کا انعقاد نہ فرض ہے نہ سنت، یہ مباح اور بدعت حسنہ ہے۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کی احادیث میں صراحتاً ممانعت کی گئی ہو۔ گیارہویں شریف میں حمد، نعت و منقبت پڑھی جاتی ہے۔ ختم غوثیہ ہوتا ہے (جس میں آیات قرآنی، وظائف اور درود شریف کا ورد ہوتا ہے) اولیاء اللہ کی سیرت و کردار اور تعلیمات پر گفتگو کی جاتی ہے۔ قرآن و حدیث اور اقوال بزرگان دین کی روشنی میں لوگوں کی اصلاح پر مبنی بیان و تقریر ہوتی ہے۔ اجتماعی ذکر، مراقبہ، فاتحہ اور دعا کی جاتی ہے پھر اس کے بعد حسب استطاعت لنگر کھلایا جاتا ہے۔ ایک بات بھی ایسی نہیں

جس کے لیے احادیث میں یا قرآن میں ممانعت ہو۔ اور جس چیز کے لیے منع نہ کیا جائے وہ مباح ہے۔ عمل کرے تو بہتر نہ کرے تو کوئی بات نہیں۔ جہاں اہل اللہ کا، سردارِ اولیاء کا ذکر ہو، وہاں حدیث کی روشنی میں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے عند الذکر الصالحین تنزل الرحمة جہاں بھی صالحین کا ذکر ہو، وہاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ ذکر کی مجلس کی فضیلت پر متعدد احادیث موجود ہیں۔ اپنی کم علمی کے سبب خیر سے بھری گیارہویں کی مجلس کو بدعت اور گمراہی قرار دینا افسوسناک ہے، مبنی بر جہالت ہے۔

رہبانیت:

صوفیاء پر ہر زمانے میں کم علم علماء رہبانیت کا الزام لگاتے رہے اور حضور کی حدیث ''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے'' کی روشنی میں صوفیاء اور اولیاء پر اعتراضات کرتے رہے۔ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ رہبانیت ہے کیا؟ اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ نصاریٰ کی رہبانیت اور صوفیاء کے تجرد اور گوشہ تنہائی اختیار کرنے میں کیا فرق ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (پ ۲۷۔ حدید ۲۷) اور رہبانیت (جنگلوں اور پہاڑوں میں تنہائی کی زندگی گزارنا) یہ بات دین میں انہوں (نصاریٰ) نے اپنی طرف سے نکالی، ہم نے اُن پر مقرر نہیں فرمائی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے خود نکالی تھی پھر جیسا کہ اس کو نباہنے کا حق تھا نہ نباہ سکے۔ نصاریٰ میں سے کچھ لوگوں نے اللہ کی رضامندی کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں تنہائی کی زندگی گزارنا اپنے اوپر مقرر کر لیا تھا۔ پھر حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جیسے اس کو نباہنے کا حق تھا انہوں نے نہ نباہا بلکہ تین خداؤں کی پوجا کرنے لگے۔ پتہ چلا کہ اللہ کی رضامندی کے لیے اگر دِین میں کوئی نئی چیز شروع کی جائے جو کتاب اللہ میں فرض نہ کی گئی ہو تو ایسی بدعت حسنہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں گمراہی اور خلافِ شرع کوئی بات شروع نہ کی جائے جیسا کہ نصاریٰ نے کیا۔ اللہ نے کہیں یہ نہ کہا کہ انہوں نے رہبانیت اختیار کر کے غلطی کی بلکہ فرمایا جیسے اس کو نباہنا چاہیے تھا نہ نباہا۔ نصاریٰ میں جو رہبانیت ہے اس میں ساری زندگی شادی نہ کرنا اور اپنے آپ کو چرچ کے لیے وقف کر دینا ہے۔ اس سے بعد میں بڑی قباحتیں پیدا ہوئیں اور رہبانیت کا اصل مقصد فوت ہو گیا۔ ایسی رہبانیت کی اسلام میں ممانعت ہے۔ اولیائے

کاملین اور صوفیائے عظام نفس پر قابو پانے کے لیے اور اللہ تک پہنچنے کے لیے وقتی طور پر تجرد اختیار کرتے رہے ہیں۔ چلہ کشی کے لیے انہوں گوشہ تنہائی میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ بعض پر عشقِ الٰہی کا ایسا غلبہ ہوتا ہے، جذب کی ایسی کیفیات ہوتی ہیں جو انہیں جنگلوں میں کھینچ لے جاتی ہیں۔ تکمیل کے بعد پھر انہیں واپس لوگوں میں آنے کا حکم ہوتا ہے تا کہ ان کے ذریعے دوسرے ناقصین کی تکمیل ہو۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں اسلام کے پہلے صوفیاء، اصحاب صفہ، حضور ﷺ کے حجرہ اقدس کے سامنے چبوترہ پر تشریف فرما رہتے تھے نہ انہوں نے گھر بار بنائے، نہ رزقِ حلال کے لیے کوشاں ہوئے۔ سردی گرمی برسات ہر موسم میں وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں وہاں موجود رہتے حضور ﷺ کے پاس جو مال غنیمت آتا، نذرانے اور ہدایہ آتے، انہیں تقسیم فرمادیتے اور اسی پر ان کا گزارہ تھا ایسے اصحاب کی تعداد ستر سے زائد تھی اور یہ بعض اوقات سو تک تجاوز کر جاتی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ ان کے خلاف آیت نازل فرماتا کہ یہ کیا طریقہ ہے اسلام میں اس کی گنجائش نہیں یا حضور انہیں منع فرماتے کہ میرے دین میں رہبانیت نہیں ہے اور میرا طریقہ نکاح کا ہے جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ نہ اللہ نے ان کے خلاف کوئی آیت اتاری نہ حضور نے انہیں منع کیا بلکہ حق تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (پ۱۰۔ الکھف ۲۸) اے نبی ﷺ اپنے آپ کو ان لوگوں سے مانوس رکھیں جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور رب کا چہرہ دیکھنے کے ارادت مند ہیں اور اے نبی آپ اپنی نظر رحمت ان لوگوں پر سے نہ ہٹنے دیں۔ اللہ نے اپنے حبیب کو ان صوفیاء، اصحاب صفہ کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا جو صبح و شام یاد الٰہی میں مگن ہیں گھر بار چھوڑ کر حضور کی محبت میں سختیاں اور صعوبتیں جھیل رہے ہیں اور ان کا مقصود اللہ تک پہنچنا، اللہ کو دیکھنا ہے۔ پھر حضور کو اپنی نظر رحمت اُن لوگوں پر جمائے رکھنے کا حکم دیا۔ پتہ چلا کہ محض اللہ اور اس کے رسول کی طلب میں گھر بار چھوڑ کر تجرد اختیار کرنا اللہ کو پسندیدہ ہے اور اتنا پسند ہے کہ نہ صرف اس وقت کے بلکہ قیامت تک ایسے آنے والے لوگ حضور کی نگاہ رحمت میں آجاتے ہیں حضور کی نگاہ ان پر سے ہٹتی نہیں ہے اور جو ایسے لوگوں کی صحبتوں میں بیٹھیں، ان کی ارادت کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیں وہ بھی حضور کی نگاہِ رحمت سے اوجھل نہیں ہوتے انہیں بھی حضور کی عنایات و نوازشات سے حصہ ملتا رہتا ہے۔

سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے پچیس برس عراق کے جنگلوں میں مجاہدہ اور ریاضت فرمائی پھر آپ حکم الٰہی سے واپس خلق کی طرف لوٹے۔ شادیاں کیں۔ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مسلسل چالیس برس تک درس وتدریس وعظ ونصیحت اور روحانی فیوض وبرکات اور تصرفات کے ذریعے دین اسلام کے مردہ تن میں نئی روح پھونک دی اور آنجناب محی الدین کے لقب سے سرفراز کیے گئے۔

مزارات پر حاضری وسجدہ تعظیمی:

بزرگوں کے مزارات پر سب سے زیادہ اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ "اللہ یہود پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء کی قبور کو مساجد بنالیا، حدیث کا اصل مقصد قبور کو سجدہ کرنے سے روکنا تھا نہ کہ قبور کے پاس مساجد بنانے کا انکار۔ جبکہ قرآن سے ثابت ہے کہ اولیاء کے قیام کی جگہ کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت نہیں۔ اصحاب کہف کے تذکرہ میں آیا: **قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجدا** (الکھف۔۲۱) جو لوگ اصحاب کہف کے معاملے میں غالب آئے انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے اوپر ایک مسجد بنائیں گے (تا کہ لوگ ان کی برکت حاصل کرسکیں)

ارشاد باری ہے **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ** بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ صفا اور مروہ دو چھوٹی پہاڑیاں ہیں جن پر خدا کی ولیہ حضرت ہاجرہ کے قدم لگے جب وہ پانی کی تلاش میں تھیں۔ ایک ولیہ کے قدم اگر پہاڑی پر پڑ جائیں تو وہ شعائر اللہ، اللہ کی نشانی بن جاتی ہیں۔ تو جس مقام پر اولیاء اللہ آرام فرما ہیں وہ مقام یعنی مزارات بھی اللہ کے شعائر (نشانیوں) میں سے ہیں۔ پھر قرآن میں ارشادِ باری ہے **من یعظم من شعائر اللہ فھو من تقوی القلوب** جس کسی نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو یہ بات قلوب کے تقوے میں سے ہے۔ قلب کا تقویٰ تمام اعضاء وجوارح کے تقوے سے افضل ہے اور یہ اہل اللہ کی تعظیم سے نصیب ہوتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: **من زار قبری وجبت لہ شفاعتی** جس نے بھی میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ یقیناً حضور کے نائبین اولیاء کاملین کی قبور کی زیارت، زائرین کے لیے نفع مند ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جب بھی امام شافع کسی

مسئلے میں الجھ جاتے تو اس کے حل کے لیے امامِ اعظم امام ابوحنیفہ کے مزار پر آتے، معتکف ہوتے اور امام اعظم ان کی مشکل حل فرماتے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا فرمان ہے۔ اذا تحیر کم فی شئی فاستعینوا باھل القبور جب تم کسی معاملے میں حیران ہو تو اہل قبور سے استعانت طلب کرو۔

اولیاء کاملین حیات معنوی کے ساتھ زندہ اور متصرف ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کا واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ والد صاحب حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے اور ادباً مزار شریف سے کافی دور کھڑے ہو گئے اور دلمیں عاجزی سے سوچنے لگے کہ میرے جیسے گناہگار کو اسقدر عظیم بزرگ کے قریب نہ جانا چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک مزار شریف کے اوپر ظاہر ہوئی اور آپ نے فرمایا میرے قریب آؤ۔ شاہ عبدالرحیم کچھ قریب ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا اور قریب آؤ، یہ اور قریب ہوئے پھر حضرت بختیار کاکی کی نگاہ آسمان کی طرف گئی شاہ عبدالرحیم نے بھی اس طرف دیکھا، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تخت پر ایک بزرگ سوار ہیں اور چار فرشتے اس تخت کو اٹھائے لا رہے ہیں۔ اُن بزرگوار نے حضرت بختیار کاکی سے معانقہ و مصافحہ کیا کچھ دیر گفتگو کی پھر واپس تشریف لے گئے۔ جب وہ چلے گئے تو شاہ عبدالرحیم نے ان کے بارے میں استفسار کیا۔ حضرت بختیار کاکی نے فرمایا یہ بہاء الدین نقشبندی تھے اور مجھ سے ایک مسئلہ میں گفتگو کرنے آئے تھے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک بار لاہور میں داتا صاحب کے مزار پر حاضری دی تو دیکھا کہ ہزارہا فرشتے وہاں موجود ہیں۔ کہنے لگے کہ لگتا ہے یہ بہت بڑے ولی اللہ کا مزار ہے۔ تو اکابرین دیوبند مزارات پر حاضری دیتے، ارواحِ اولیاء سے استمداد کرتے اور حاضری کو موجب خیر و برکت جانتے تھے۔

بعض لوگ مزارات پر عقیدت سے بوسہ زن ہوتے ہیں۔ اب بوسہ دینے میں بظاہر ہیئت سجدہ کی بن جاتی ہے جس پر معترضین سجدہ کی تہمت لگا دیتے ہیں۔ جان لیں کہ جو بھی کلمہ گو ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ کبھی کسی کو سجدہ نہ کرتا ہے نہ کرے گا۔ بالفرض محال اگر کوئی سجدہ کرتا بھی ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے اور حرام ہے۔ متصوفین اس بات کی تعلیم نہیں دیتے۔ بوسہ اور سجدہ میں فرق کرنے والی چیز نیت ہے۔ صرف ہیئت بن جانے سے سجدہ کا الزام نہیں لگایا جا سکتا اور اگر ہیئت سے سجدہ لازم آتا ہے تو بیوی سے صحبت کے وقت سجدہ ہی کی ہیئت ہوتی

ہے۔ایسے تمام لوگ (الزام لگانے والے) اس وقت میں بیوی کو سجدہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔
حضور کی شریعتِ مطہرہ سے پہلے سجدہ تعظیمی کی اجازت تھی۔فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا۔ سجدہ عبودیت یعنی معبود سمجھ کر سجدہ کرنا کبھی بھی جائز نہ تھا۔ حضور نے سجدہ تعظیمی سے منع فرمادیا۔اب اس امت میں سجدہ تعظیمی حرام ہے، شرک یا کفر نہیں۔ سجدہ تعظیمی اور سجدہ عبودیت میں فرق کرنے والی چیز بھی نیت ہے۔ ہم لوگ اولیاء اللہ کو اللہ کا دوست مقرب اور محبوب گمان کرتے ہیں اللہ نہیں سمجھتے۔ اور مزارات پر بوسہ دے کر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ خدا نہیں بلکہ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں کہ خدا کو بوسہ دینا ممکن نہیں۔

مقامِ ولایت پر جا کر اولاد کے لیے دعا کرنا سنتِ انبیاء ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ کی ولیہ حضرت مریم کے پاس جا کر، اللہ سے اولاد کے لیے دعا کی اور اللہ نے ان کی دعا اپنی ولیہ کے صدقے قبول فرمائی اور یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔

فی زمانہ اولیاء اللہ کو تلاش کرنا، ان تک پہنچنا ان کو سمجھنا ایک مشکل امر ہے۔ حق تعالیٰ کی خصوصی عنایات کے بغیر صحیح آدمی کا ملنا مشکل ہے۔ تو ضروری ہے کہ وہ اولیائے کاملین جو گزر گئے ان کے مزارت پر جایا جائے ان سے روحانی مناسبت پیدا کی جائے۔ میرا ایک دوست محمد حسین تھا، پاکولا کمپنی میں کام کرتا تھا تو لوگوں نے اس کا نام ماموں پاکولا رکھ دیا۔ سیدھا سادا بے وقوف سا آدمی۔ مگر اس کی نظر کھلی ہوئی تھی بزرگانِ دین کی ارواح سے ملاقات کر لیتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تمہیں یہ چیز کہاں سے مل گئی کہنے لگا ہم پہلے جامع کلاتھ پر رہتے تھے تو میں روزانہ سید عالم شاہ بخاری کے مزار پر حاضری دیتا تھا۔ احمد بھائی ایک دن سید عالم شاہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حضورِ اقدس ﷺ کی مجلس میں پہنچا دیا۔ میں حضور ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ عرصے یہ سلسلہ چلتا رہا پھر نہ جانے مجھ سے کیا غلطی ہوئی حضوری کا دروازہ میرے لیے بند ہو گیا اب میں کسی ایسے بزرگ کی تلاش میں ہوں جو میرا راستہ کھول دے۔

روایت ہے کہ ایک تاجر بغداد سے دور کسی شہر میں رہتا تھا۔ آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کا شہرہ سنتے سنتے دل سے آپ پر شیدا ہو گیا تھا اس نے دل میں عزم کر رکھا تھا کہ جوں ہی امورِ دنیا سے فارغ ہوا، آنحضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہو گا اور راہِ سلوک طے

کرے گا۔ فارغ ہوتے ہوتے چالیس سال گزر گئے۔ فراغت پا کر حسبِ ارادہ آنجناب رضی اللہ عنہ سے بیعت ہونے اور زیارت کی غرض سے طویل سفر طے کر کے بغداد پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے اس خبر سے شدید صدمہ لاحق ہوا۔ اس نے طے کر لیا کہ اب زندہ رہنا فضول ہے چنانچہ وہ دریائے دجلہ پر گیا تا کہ اپنے آپ کو دریا میں گرا کر غرق کر دے۔ ادھر حضور غوث الثقلین اپنے عاشق صادق کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ان کا عاشق کیسے ضائع ہو سکتا تھا۔ آپ کی توجہ و تصرف کے سبب تاجر کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مرنے سے پہلے سیدنا غوث الاعظم کے روضہ انور پر حاضری تو دے لوں، آپ کے روضہ کی زیارت تو کر لوں۔ چنانچہ وہ آپ کی قبر انور پر آیا اور سلام کر کے زار و قطار رونے لگ گیا۔ سید الاولیاء سرکار محبوبِ سبحانی اپنی قبر مبارک سے باہر تشریف لے آئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سلسلے میں داخل فرمایا اور اپنی ایک نگاہِ کیمیا سے اس طالبِ صادق کو واصل باللہ فرما دیا۔ اس وقت تین سو افراد دربار شریف پر حاضر تھے۔ وہ بھی آنجناب کے دیدار اور توجہ سے مشرف ہو کر واصل باللہ ہو گئے۔

تصوف اور اس سے مقصود:

تصوف صفا سے ہے صوفی وہ ہے جس کا باطن تمام آلائشوں کدورتوں سے صاف ہے۔ تصوف تزکیہ نفس پر زور دیتا ہے۔ جو شرع کے عین مطابق ہے۔ اللہ کا فرمان ہے قد افلح من تزکّٰی وذکر اسم ربہ فصلّٰی تحقیق بامراد ہو گیا وہ شخص، فلاح پا گیا وہ شخص جس نے اپنا تزکیہ کر لیا اور پھر اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی۔

تصوف سے سب سے اعلیٰ مقصود قرب حق کا حصول ہے۔ جیسا کہ آیت یریدون وجہ کی تفصیل میں گزر چکا ہے کہ یہ صوفیاء اللہ کا چہرہ دیکھنے کے ارادتمند ہوتے ہیں۔ یہاں سے ہی لفظ ''مرید'' نکلا۔ مرید کا مادہ یرید ہے۔ حقیقی مرید وہ ہے جو اللہ کو دیکھنے اس تک پہنچنے کا ارادہ کرے۔ اب اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسا شخص تلاش کیا جائے جو اللہ تک پہنچا ہوا ہو اور دوسروں کو لے جا سکے۔ اب اگر کوئی شخص جس کی بادشاہ تک رسائی ہو، اس سے کوئی اس کا جاننے والا جو غلاظت و گندگی میں لتھڑا ہو، یہ کہے کہ مجھے بھی بادشاہ سے ملا دو، ملاقات کرا دو۔ تو بادشاہ تک پہلے سے پہنچا شخص کیا کرے گا۔ اسے غلاظتوں سے پاک و صاف کروائے گا۔ بادشاہ کے آداب سکھائے گا جب وہ اس قابل ہو جائے گا تو اسے بادشاہ تک لے جائے گا۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے کہ وہ پہلے طالبانِ حق کی تربیت

کرتے ہیں، ان کا تزکیہ فرماتے ہیں حسد غرور تکبر غصہ کینہ لالچ، ریاکاری جیسی غلاظتوں سے اسے نکالتے ہیں پھر بارگاہِ حق کے آداب سکھاتے ہیں جب وہ اس قابل ہوجاتا ہے تو انہیں اللہ تک پہنچادیتے ہیں۔

ایسے تمام اولیاء میں سرکار محبوب سبحانی کی سب سے منفرد شان ہے کہ رسالہ غوث الاعظم میں ہے حق تعالیٰ نے آنجناب سے فرمایا ''اے غوث الاعظم میں نے آپ کو ایسا بنایا ہے کہ آپ میرے طالب کو پلک جھپکنے میں مجھ تک پہنچا سکتے ہیں۔ پس جب آپ کے پاس میرے طالب آئیں تو انہیں مجھ تک پہنچانا آپ پر لازم ہے۔''

تصوف سے دوسرا مقصود برے اخلاق سے نجات اور اخلاق حسنہ کا حصول ہے اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض بزرگوں نے فرمایا **التصوف کله الاخلاق فمن زاده الاخلاق فقد زاده التصوف** تصوف سارے کا سارا اخلاق ہے پس جس کے پاس جتنا زیادہ اخلاق ہے اسکے پاس اتنا زیادہ تصوف ہے۔ ارشاد باری ہے **یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم** قیامت کے دن نہ تمہارا مال تمہیں نفع دے گا نہ تمہارے بیٹے مگر وہ جو اپنے قلب کو سلامتی کے ساتھ لے آیا۔ قلب کی سلامتی اخلاق حسنہ کے حصول میں ہے اور ہلاکت، اوصاف ضمیمہ سے نجات نہ پانے میں ہے۔ اور تصوف، صوفیاء کی صحبت و تلقین طالبین کو برے اخلاق سے نجات دلاتی ہیں اور اوصاف حسنہ سے مزین کردیتی ہیں۔

سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے مسلسل درس و تدریس اور وعظ و نصیحت اور روحانی توجہات کے ذریعے گمراہوں، بدکرداروں کی اصلاح فرمائی اور ساتھ ہی ساتھ ہزار ہا متوسلین کو مقرب حق بنادیا اور آنجناب کا یہ فیضان آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا ؎

افلت شموس الاولین و شمسنا

ابداً علیٰ افق العلیٰ لا تغرب

تصوف سے مقصود مرتبہ احسان کا حصول ہے اور اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہوسکا تو نتیجتاً ایک تہائی دین سے محرومی ہے۔ حدیثِ جبریل میں ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام شکل انسانی میں آئے اور تین سوال کئے کہ ایمان کیا ہے، اسلام کیا ہے اور احسان کیا ہے؟ حضور ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا تو انہوں نے ہر جواب پر فرمایا ''صدقت'' کہ آپ نے سچ فرمایا۔

ان میں سے تیسرا سوال یہ تھا کہ مجھے خبر دیں کہ احسان کیا ہے؟۔ حضورﷺ نے فرمایا: اعبدوا ربک کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر اسے نہ دیکھ سکو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یعنی مرتبۂ احسان کا کم از کم پہلو یہ ہے کہ مسلمان اس دھیان میں رہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور اعلیٰ ترین پہلو یہ ہے کہ وہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے مشاہدۂ حق میں محو و مستغرق ہے۔ جبریل کے جانے کے بعد حضور نے فرمایا یہ جبریل تھے اور تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ یہاں حضور نے اسلام، ایمان اور احسان کو دین سے تعبیر فرمایا تو جس کے پاس احسان نہیں وہ ایک تہائی دین سے محروم ہے۔ مرتبہ احسان کیسے حاصل ہو، اس کی تعلیم صوفیاء عظام تلقین فرماتے ہیں۔ صوفیاء مریدین کو سب سے پہلے سبق یہی دیتے ہیں کہ خلوت ہو یا جلوت، اس بات کو ہمیشہ نگاہ میں رکھیں کہ اللہ کی معیت میں ہو، اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اس احساس کے تحت ہر برائی سے اجتناب کرو اور ہر نیکی کو اختیار کرو۔ ارشاد باری ہے وھو معکم اینما کنتم تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس امر کی اس قدر تلقین کی جاتی ہے کہ مرید ہمیشہ مراقبہ معیت میں رہتا ہے اور مرتبہ احسان کا کم از کم درجہ پا جاتا ہے۔

پیر و مرشد کی ضرورت اور اس کا جواز:

ہدایت کے لیے ولی و مرشد کا ہونا بڑا ضروری ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے ہمیں ولی و مرشد کی کوئی حاجت نہیں ہمارے لیے قرآن و حدیث کافی ہے، وہ لوگ اس آیت پر غور کریں و من یضلل فلن تجد لہ ولی مرشدا اور جسے اللہ گمراہ کر دے وہ نہیں پاتا اپنے واسطے کوئی ولی و مرشد۔ اور جسے ولی و مرشد مل جائے تو وہ سمجھ لے کہ اللہ نے اس کی ہدایت کا ارادہ کر لیا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر زمانے میں اور اس دور میں بھی صرف وہی لوگ ہدایت پر ہیں جو کسی نہ کسی طرح سے اولیاء اللہ سے وابستہ اور منسلک ہیں اولیاء سے بغض و عناد رکھنے والے بھلے کتنے نمازی، پرہیزگار، چلے کرنے والے کیوں نہ ہوں، ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا اور ہو بھی بھلا کیسے کہ جب اللہ نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہو۔ من عاد لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب جس نے بھی میرے ولی سے عناد رکھا میں اسے جنگ کی دعوت دیتا ہوں (حدیثِ قدسی)۔ مولانا روم نے ایسے ہی نہیں فرما دیا، کچھ دیکھ کر فرمایا ہے ؎

ساعتِ یک صحبتِ با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
او کہ خواہد ہم نشینی باخدا — او نشیند در حضورِ اولیاء

اکابر علماء تحصیلِ علم کے بعد تربیت، تزکیہ اور قربِ باری کے حصول کے لیے اولیاء کے حضور حاضر ہوتے تھے اور یہ سنتِ انبیاء بھی ہے۔ دیکھیں موسیٰ علیہ السلام نبی، رسول اور مرسل ہونے کے باوجود علم لدنی سیکھنے کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے۔

ہمارے امامِ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ جن سے بڑا کوئی عالم نہیں کئی صحابہ اور متعدد تابعین سے احادیث حاصل کر کے بالآخر سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور دو سال ان کی خدمت میں رہے وہاں قربِ حق، لقائے باری اور علوم لدنیہ کا ایسا فیضان ملا کہ بے اختیار کہہ اُٹھے **لولا سنتان لھلک النعمان** نعمان کی زندگی میں اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو گیا ہوتا۔ کیا امام اعظم کے پاس قرآن و حدیث کا علم نہ تھا یا پرہیز گاری و تقویٰ میں کوئی کمی تھی؟ پھر کیا بات تھی جو آپ نے ایسا فرمایا؟

امام غزالی، ایسے عالم کہ اس وقت علمِ ظاہر میں روئے زمین پر اُن جیسا کوئی عالم نہ تھا۔ باطنی علم سیکھنے، حق کی تلاش میں حضرت یوسف نساج رحمۃ اللہ کے پاس جا کر بیعت ہوئے۔ انہوں نے امام غزالی کو مجاہدہ پر لگا دیا۔ امام غزالی فرماتے ہیں میرے قلب کی صفائی شروع ہو گئی۔ پھر مجھ پر انوار و تجلّیات کا نزول شروع ہو گیا ایک شب خواب میں مجھے حق تعالیٰ جل شانہ کا دیدار نصیب ہوا۔ اللہ عزّ وجل نے مجھ سے فرمایا اے غزالی اپنے سب مشاغل چھوڑ اور میرے ان دوستوں کی ہم نشینی اور پیروی اختیار کر جن کے قلوب میرے عشق میں کشتہ ہو گئے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا اللہ مجھے اپنے ان دوستوں سے حُسن ظن کی چاشنی نصیب فرما۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا یہ میں نے تجھے دیا اور اپنے جوار کے انوار تجھ پر پلٹائے۔ پھر ان کی آنکھ کھل گئی۔ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ اتنی جلد اللہ کا دیدار نصیب ہو گیا۔ فرماتے ہیں میں صبح اپنے شیخ یوسف نساج رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور رات کا خواب سنایا۔ سن کر وہ مسکرائے اور کہنے لگے اے غزالی یہ تو ہماری ابتدائی تختیاں ہیں۔ اگر تو میرے پاس رہا اور میرے کہنے پر عمل کیا تو میں تیری آنکھیں ایسے سرمہ سے سرگیں کر دوں گا کہ تجھ پر ازل سے ابد تک سب کچھ منکشف ہو جائے گا۔ ذرا غور کریں امام غزالی ان دنوں دنیا میں مشغول نہ تھے بلکہ بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعلیٰ تھے۔

سارے عالم میں ان کے علوم وفنون کی دھوم تھی ہزار ہا شاگرد تھے۔ اکابر علماء ان کے سامنے زانوئے تلمیذ طے کرتے اور ادھر حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ سب مشاغل چھوڑ اور میرے دوستوں کی صحبت اختیار کر۔ عموماً علماء اپنے علم کے سبب صوفیاء سے سوء ظنی کا شکار رہتے ہیں اور اس بنا پر مستفیض نہیں ہو پاتے۔ اسی لیے امام غزالی نے حق تعالیٰ سے اولیاء سے حسن ظن رکھنے کی چاشنی طلب کی۔

مولانا روم، ان کے دور میں روئے زمین پر ان جیسا عالم نہ تھا مگر جب حضرت شمس تبریزی کی صحبت وخدمت اختیار کی تو بے اختیار پکار اٹھے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

امام فخر الدین رازی، صاحب تفسیر کبیر شیخ نجم الدین کبریٰ سے منسلک ہوئے۔ وقت آخر شیطان نے امام فخر الدین رازی کو گھیر لیا۔ آخری سانس، ایمان خطرے میں، اس وقت شیخ نجم الدین کبریٰ نے مداخلت کی اور مرید کو شیطان کے نرغے سے بچایا۔ وہ ایمان کے ساتھ کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ ادھر ان کے شیخ نے اپنے مصاحبین سے فرمایا الحمدللہ مسلمانوں کا ایک بڑا عالم ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

یہ اکابر علماء جن کا ذکر ہوا، دین کا زیادہ علم اور فہم رکھتے تھے یا آج کے اولیاء اللہ پر معترض جاہل علماء؟ ایسے علماء سو ہر زمانے میں صوفیاء کے دشمن رہے، ان کی مخالفت کرتے رہے اور ان کا سبب انکار یہی تھا بل کذبوا بمالم یحیطوا علمہ جو بات ان کے احاطہ علم سے باہر تھی اس کا انکار کیا۔ اس کو جھٹلایا۔ بجائے اس کے کہ اہل باطن کی صحبتوں میں جاکر علم باطن سیکھتے، اسے سمجھنے کی کوشش کرتے، صوفیاء کی باتوں کی تاویل کرتے، ان کے انکار میں جلدی نہ کرتے اور ان سے حُسن ظن رکھتے اور اس بات پر اللہ سے مدد وتوفیق مانگتے مگر علماءِ سُو نے صوفیاء کا انکار کیا، ان کے خلاف گئے ان کے دشمن رہے اور خاسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو گئے۔

ہمارے سردار سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی علمائے ظاہر آپ سے بدگمان رہے چنانچہ سو عالم آپ کو آزمانے کے لیے مشکل ترین سوال لے کر آنجناب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آئے۔ سرکار نے ان کا سارا علم ظاہر سلب کر لیا پھر ان کے رجوع کرنے پر معاف کر دیا ان کا

علم انہیں لوٹا دیا اور ان کے سوالوں اور ان کے جوابات سے انہیں آگاہ فرما دیا۔

علامہ ابن جوزی بھی سرکار کا معترف نہ تھا۔ سرکار کے ایک مرید کے اصرار پر وہ ایک بار سرکار کی مجلس میں آیا سرکار کی روحانی توجہ سے اس پر حالت طاری ہوگئی اس نے اپنے کپڑے پھاڑ لیے اور بے ہوش ہوگیا۔ اس واقعہ کے بعد علامہ ابن جوزی سرکار کا معترف ہوگیا۔

امام الوہابیہ ابن تیمیہ اولیاء کا سخت گستاخ تھا، اکابر اولیاء پر کفر وشرک کے فتوے لگاتا مگر جب سرکار کی بات آتی تو ڈر جاتا اور ادب سے کہتا کہ حضرت شیخ نے جو فرمایا سچ فرمایا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان سے عادر کھنے والا مارا جاتا ہے۔

ہمارے زمانے میں کیماڑی (کراچی کی بندرگاہ) میں حزب اللہ کا امیر ڈاکٹر عثمانی اولیاء کا منکر اور سخت گستاخ و بے ادب تھا۔ ایک دن کہنے لگا کل میں غوثوں کا جلوس نکالوں گا۔ اس کی نیت سرکار غوثیت مآب کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی۔ اگلے دن لوگوں نے دیکھا کہ خود ڈاکٹر عثمانی کا جلوس نکل گیا اور اولیاء کا دشمن واصل بہ جہنم ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب مسلمانوں کو اپنے دوستوں سے حُسن ظن رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور منکرین غوثِ پاک کے شر وفساد سے اہل عالم کو محفوظ فرمائے۔

حصّہ دوم

سلوک کے درجات

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا

''جن لوگوں نے ہماری راہ میں جدوجہد کی تو ہم انہیں اپنے راستوں کی طرف ہدایت دیں گے''

سلوک کے لغوی معنی راستہ چلنے کے ہیں یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ اہل طریقت میں سلوک کا معنی، نفس کو مذموم صفات سے محمودہ صفات کی طرف منتقل کرنا ہے۔ اس سلوک کے چار درجے ہیں۔

۱۔ تزکیۂ نفس: یعنی نفس کو مذموم حیوانی اوصاف سے پاک صاف کرنا اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ کرنا۔

۲۔ تصفیہ قلب: قلب کو غمِ دُنیا اور بیکار اندیشوں اور فکروں سے پاک صاف کرنا۔

۳۔ تخلیہ ِسرّ: یعنی سر کو، باطن کو غیر حق کی یاد اور غیر حق کی طرف متوجہ ہونے سے خالی کرنا۔

۴۔ تجلیہ روح: روح کو مشاہدہ حق سے منور کرنا۔

جان لیں کہ روح انسانی، عالم امر سے آئی ہے اور ہر روح انسانی اپنے اندر یہ قابلیت رکھتی ہے کہ تجلّیات الٰہیہ اس میں منعکس ہوں لیکن نفس کی کدورتوں اور ناپاکیوں کی وجہ سے اس انعکاس سے محروم ہوگئی ہے جس طرح آئینہ پر اگر زنگ آجائے تو وہ مقابل صورتوں کو منعکس نہیں کرسکتا اور جب اسے زنگ سے پاک وصاف کردیا جائے تو اس میں مقابل صورتیں نظر آنے لگ جاتی ہیں۔ قلب کے زنگ کو دور کرنے اور اس میں جلوہ حق دیکھنے کے لیے صوفیاء نے سلوک کے یہ چار مدارج بیان کیے ہیں۔

۱۔ تزکیۂ نفس: یعنی نفس کو حیوانی مذموم اوصاف سے پاک وصاف کرنا اور یہ بغیر مجاہدہ کے ممکن نہیں۔ ارشاد باری ہے ''وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ''۔ ہر مبتدی، متوسط اور منتہی

کے لیے ابتدا سے انتہا تک مجاہدہ لازمی ہے یہ کسی حال میں بندے سے ساقط نہیں ہوتا جو کچھ ہے عمل ہے، کوشش ہے اس کے بغیر انسان خسارے میں رہتا ہے۔

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ"

"بے شک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے"

نفس کی بعض مذمومہ صفات یہ ہیں:

۱۔ خواہشات کی پیروی: نفس لذات کا پرستار ہے یہ چاہتا ہے کہ اسے ہمیشہ لذاتِ حسی و مراداتِ طبعی اس کو حاصل ہوتے رہیں یہ خواہشات یعنی ھویٰ کو اپنا معبود بنا کر ہمیشہ اس کی پرستش میں مشغول رہتا ہے۔ "افرایت من اتخذ الٰھه ھواہ" "کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود قرار دے رکھا ہے"۔

یہاں مجاہدہ خواہشات کی پیروی سے نکل کر احکام الٰہیہ کا پابند ہونا ہے۔ خواہشات کے خلاف جا کر سخت کوشش سے اس بت کو توڑنا پڑتا ہے۔

۲۔ نفس کی دوسری صفت نفاق ہے اکثر حالات میں نفس کا ظاہر اس کے باطن کے موافق نہیں ہوتا۔

لوگوں کے سامنے ان کی تعریف اور پیچھے ان کی برائی کرنا۔ ظاہر میں صداقت کا اظہار اور باطن میں اس کے برخلاف۔ لوگوں کے سامنے کچھ اور خلوت میں کچھ اور۔ یہاں مجاہدہ صدق کو اختیار کرنا اور نفاق کو ترک کرنا ہے اپنے ظاہر و باطن پر کڑی نگاہ رکھ کر انہیں موافق بنانا ہے۔

۳۔ نفس کی تیسری صفت ریا ہے۔ نفس ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کی نظر میں اچھا نظر آئے اس میں وہ صفات ہوں جو دوسروں کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ حق تعالیٰ کے نزدیک یہ مذموم ہی کیوں نہ ہوں جیسے کثرتِ مال، اس پر فخر کرنا، تکبر کرنا وغیرہ اور نفس ان صفات سے جو حق کی پسندیدہ ہیں مگر مخلوق کے نزدیک بری ہیں ان سے بچتا ہے، مثلاً عجز و انکساری، غربت، مسکینی وغیرہ نتیجتاً وہ خلق کی نظر میں محبوب اور حق کی نظر میں مبغوض ہو جاتا ہے۔ خلق سے قریب اور حق سے بعید ہو جاتا ہے۔ جبکہ خلق کا یہ حال ہے:

لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَ نْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا o

یعنی وہ نہ اپنے نفع پر قادر ہیں نہ ضرر پر اور نہ ہی موت و حیات ان کے اختیار میں ہے۔

ان کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں۔ایسی مخلوق جو اپنے آپ کو نفع نہ پہنچا سکے کسی اور کیا نفع پہنچائے گی۔حضورﷺ نے فرمایا:''آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک خلق اس کی نظر میں اونٹ کی مینگنیوں کی طرح حقیر نہ ہو جائے۔''

حضورﷺ نے فرمایا: ذراسی ریا بھی شرک ہے۔انسان کو چاہیے کہ اپنی نیکیوں کو بھی نظر خلق سے ویسے ہی چھپائے جیسے اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے۔ہر حال میں اخلاص اور رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھے۔

۴۔ نفس ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی مدح وسرا کریں، اس کی اطاعت و پیروی کریں، اس سے محبت کریں، اس کو سب پر ترجیح دیں اور اس سے خائف رہیں۔یہ عین دعویٰ الوہیت ہے کہ ان تمام باتوں کا قیام تو حق تعالیٰ سے ہونا چاہیے نا کہ غیرِ حق سے۔یہ حق تعالیٰ کی ربوبیت میں نزاع کرنا ہے یہ تکبر ہے یہ تکبر کی انتہا ہے۔اس کے علاج کے لیے اپنی حقیقت پر غور کرے کہ وہ پہلے کیا تھا ایک بوند پانی اور اب پیٹ میں گندگی اٹھائے پھرتا ہے۔اور مر کر خاک ہو جائے گا۔ایسے عاجز کو کیا یہ بڑائی زیب دیتی ہے۔

۵۔ نفس کی ایک صفت حبِّ مال اور بخل ہے۔نفس اموال و اسباب اور مرغوب اشیاء کی بھرمار کا خوگر ہے۔حضورﷺ نے فرمایا: اگر انسان کے لیے سونے کی دو وادیاں بھی ہوں تو وہ ایک تیسری وادی کی خواہش کرے گا انسان کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔حبِّ مال کا علاج قناعت کا اختیار کرنا ہے۔حضورﷺ نے فرمایا:''بشارت ہو اس شخص کو جس کو اسلام کو طرف ہدایت نصیب ہوئی اور جس کو بقدر ضرورت رزق میسر ہوا اور اس نے اس پر قناعت کرلی۔''انسان فقر اور محتاجی کے خوف سے اپنا مال خرچ کرنا نہیں چاہتا۔جب کہ حق تعالیٰ سخاوت کو پسند کرتے ہیں۔

''السخی حبیب اللّٰہ ولو کان فاسقا والبخیل عدوّ اللّٰہ ولو کان زاھدا''

حضورﷺ نے اسماء بنت ابوبکر سے فرمایا:''تو روپیہ پیسہ جوڑ کر مت رکھ ایسا کرے گی تو اللہ بھی جوڑ کر رکھے گا (یعنی تجھے بے حساب نہ دے گا) جمع مت کر اور بخل مت کر ورنہ تجھ پر تنگی کی جائے گی جہاں تک ہو سکے دے۔''

یہ چند امہات الصفات ہیں جن کا تذکرہ کیا گیا ان سے ہی بے شمار مذموم صفات پیدا ہوتی

ہیں مثلاً حسد، تکبر، غرور، لالچ، کینہ، غصہ وغیرہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے''۔ تمام مشائخ نے نفس کو صنمِ اکبر قرار دیا اور اس کے علاج کے لیے یہ حکم عام نافذ فرمایا کہ اپنے نفس کو مجاہدے اور مخالفت کی تلواروں سے قتل کرو۔ اور صوفیاء نے فرمایا نفس کی مخالفت اصل عبادت ہے اور نفس کے ساتھ موافقت کرنا کفر کی بنیاد ہے۔

نفس کی دو صفتیں اس کو خیر سے محروم رکھتی ہیں ''اس کا شہوتوں میں منہمک ہونا اور طاعتوں سے رک جانا''۔ مجاہدہ کے ذریعے شہوتوں کو تقویٰ کی لگام دے کر روکا جاتا ہے اور طاعات کی جانب مائل کیا جاتا ہے۔ مجاہدہ سے ہی نفس امارہ سے لوامہ اور پھر مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اس کا تزکیہ ہوتا ہے اور وہ فلاح وکامرانی پا جاتا ہے۔ ''قد افلح من زکّٰھا''

۲۔ تصفیہ قلب: اس سے مراد آئینۂ قلب کو غمِ دنیا، حبِ دنیا اور بے مقصد اندیشوں اور تفکرات سے پاک وصاف کرنا ہے۔ قلب سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں جو سینے میں بائیں جانب ہوتا ہے۔ یہ دل تو جانوروں میں بھی ہوتا ہے۔ قلب حقیقتاً ایک لطیفہ ربانی ورُوحانی ہے جس کا تعلق یا لگاؤ قلبِ جسمانی سے ہوتا ہے یہی لطیفہ ربانی انسان کی حقیقت ہے اسی کو ادراک اور علم وعرفان ہوتا ہے اس کا تعلق گوشت پوست کے قلب سے ویسا ہی ہے جیسا متمکن کا مکان سے۔ اسی قلب کو عرشِ الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے اور سلوک میں اسی قلب کا تصفیہ مقصود ہے۔

جان لیں، جس قدر انسان اسباب وامورِ دنیا میں گرفتار اور دنیوی چیزوں کی طرف متوجہ رہتا ہے اسی قدر وہ آفات وآلام، پریشانی باطن، اضطرابِ نفس اور غفلتِ قلب میں مبتلا رہتا ہے انسان جس قدر زیادہ تن پروری میں مصروف ہوگا اسی قدر قلب کے احوال میں خرابی پیدا ہوگی اور قوائے روحیہ میں ضعف پیدا ہوگا، قلب کی صفائی ونورانیت میں کمی پیدا ہوتی ہے اور کدورت و ظلمت میں زیادتی ہوتی ہے اسی لیے نفس کشی، ریاضت ومجاہدہ، سلوک کے شرائط میں سے ہیں اور ماسوی اللہ کا ترک طریقت کے لوازمات سے ہے۔

تصفیہ قلب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک حبِ دنیا قلب سے نہ نکلے۔ دنیا بذات خود مذموم نہیں کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا سے تعلق قلبی اور اس سے محبت مذموم ہے۔ دنیا میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ انسان کو اعلیٰ علیین تک پہنچا دے یا اسفل السافلین تک گرا دے۔ جو بھی

حظوظ جسمانی کے استیفاء (حصول) پر اپنی ہمت کو مرکوز نہیں کرتا بلکہ آخرت کی طرف متوجہ اور آخرت کی بہتری کے لیے کوشاں رہتا ہے ایسا شخص صورت کے لحاظ سے دنیا کا رہنے والا ہے لیکن قلبی تعلق کے لحاظ سے وہ ملاء اعلیٰ میں زندگی بسر کر رہا ہے وہ خدا کے لیے زندہ ہے نہ خواہشات کی پیروی کے لیے۔ عارف دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کو بھی ترک کر دیتا ہے اس کا مقصود صرف حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ ایسا عارف مال سے بھاگتا نہیں بلکہ اسے حاصل کر کے مستحقین کو دیتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ دل نہ دنیا سے چمٹا ہو نہ اس کی طلب میں مشغول ہو نہ دنیا کے چلے جانے سے غمگین ہو۔ لہٰذا اصل بات دل سے دنیا کا نکالنا ہے اور دل کو یادِ حق میں مشغول رکھنا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے لباس و نقرہ فرزند و زن

ترک دنیا سے مراد، دنیا کی محبت کو دل سے نکالنا ہے۔ یہ نہ ہو تو کسی قسم کی ریاضت مفید نہیں ہوتی۔ اگر کسی کنوئیں میں کتا گر کر مر جائے تو پانی پاک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کتے کی لاش پہلے نکالی جائے پھر چند ڈول پانی نکال کر پھینک دے۔ پانی پاک ہو جائے گا لیکن اگر لاش کنوئیں میں ہی رہے اور کنوئیں کا پانی ہزاروں ڈول نکال دیا جائے، کنوئیں کا پانی ناپاک ہی رہے گا۔ اسی طرح دنیا کی محبت قلب میں رکھ کر ساری ریاضت بیکار رہتی ہے۔

راہ سلوک طے کرنے کے لیے شیخ کی رہنمائی ضروری اور واجب ہے۔ تاکہ انسان سے وہ صفات دور ہوں جو رحمٰن کی بارگاہ میں رسائی سے مانع ہوتے ہیں۔ اگر بغیر شیخ کے خود اپنی ذاتی کوشش سے ان صفات کو دور کرنا چاہے گا تو کامیاب نہ ہوگا۔ جیسا کہ کوئی بھی طب کی کتابیں حفظ کر کے مرض کا صحیح اور موزوں نسخہ تجویز نہیں کر سکتا نہ ہی مریض کے خاص حالات کے لحاظ سے اس کا مرض پہچان کر علاج کر سکتا ہے۔ ہمیشہ سے سنت اللہ یہی رہی ہے کہ زندہ سے زندہ کو فیض پہنچتا ہے اور چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔ اللہ کے ساتھ صحبت رکھو، اگر اللہ کے ساتھ صحبت اختیار کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کی صحبت اختیار کرو جو اللہ کی صحبت میں رہتا ہے تاکہ وہ تمہیں بھی اللہ کی صحبت میں پہنچا دے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہیچ چیزے خود بخود پیدا نہ شد ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد

ضروری ہے کہ آئینہ دل کو ایسے صاحب جمال کے روبرو رکھا جائے جس کا دل زندہ اور مشاہدہ الٰہی کے شرف سے مشرف ہو چکا ہو۔ اس طرح اس ولی کے دل میں جو تجلّی ہے اس کا عکس ہمارے دل کے آئینے میں منعکس ہوگا۔ تصفیہ قلب سے ہی یہ راز عیاں ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ دل ہی میں تو ہیں، ہم ان سے غافل ہیں۔ وہ ہر آن حاضر و موجود ہیں مگر ہم اُن سے غائب ہیں۔

اہل بصیرت نے تصفیہ قلب کے لیے ذکر الٰہی کو سب سے زیادہ موثر طریقہ قرار دیا ہے۔ تمام تر عبادات کا مقصود ذکر یعنی یادِ الٰہی ہے۔ تمام اوامر و نواہی کا مقصود ذکرِ الٰہی ہے۔ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ قلب تمام چیزوں کی محبت سے خالی ہو کر تمام تعلقات سے منقطع ہو کر حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو جائے۔ "واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا"

جب سالک شیخ کامل سے ذکر کی تلقین حاصل کر کے فرائض و سنن کی ادائیگی کے بعد ہمہ تن ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے اور ایسا منہمک ہوتا ہے کہ تمام اندیشہ/فکر سے فارغ ہو جاتا ہے اور کسی حال میں ذکر سے غافل نہیں ہوتا تو قلب سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ صفائی قلب شروع ہو جاتی ہے۔ تجلّیات کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

اسی بنا پر حق تعالیٰ نے ذکر کثیر کی بار بار تلقین کی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًاo وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًاo

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ.

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ.

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًاo

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ o

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌo

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے احکامات تو بہت ہیں مجھے کوئی ایک چیز بتایئے جس کو میں مضبوطی سے پکڑ لوں۔ فرمایا تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں خبر نہ دوں ان اعمال کی جو اللہ کے نزدیک بہتر اور پاکیزہ ہیں جو تمہارے درجات بلند کرنے والے ہیں تمہارے لیے سونے چاندی کی خیرات سے بہتر ہیں

اوراس سے بہتر ہیں کہ تم اپنے دشمن سے لڑو، ان کی گردنیں مارو، وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہر شے کے لیے ایک جلا دینے والی چیز ہوتی ہے اور قلوب کو جلا دینے والی شے اللہ کا ذِکر ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا"

"بے شک مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب جلا پاتے ہیں اور جب ان پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمانوں میں زیادتی ہوتی ہے"

صوفیاء نے ذکر کے بے شمار طریقے بتائے ہیں ان میں سے ایک پاس انفاس میں نفی اثبات ہے۔ جب بھی سانس باہر نکالے تو دل میں لا الٰہ کہے اور سانس لیتے ہوئے الا اللہ۔ یا اللہ ھو، کا ہر سانس میں اس طرح ورد کرے کہ سانس لیتے ہوئے دل میں اللہ کہے اور سانس نکالتے ہوئے ھو کہے۔ اپنی ہر سانس کو نگاہ میں رکھے۔ دوسرا طریقہ طہارت کے ساتھ تخلیہ میں بیٹھے اور زبان کو تالو سے لگا کر دل سے اللہ اللہ کے ذکر کی آواز سنے۔ جب دل سے آواز سننے لگے پھر اپنے سارے وجود سے یہی آواز سننے کی کوشش کرے۔

۳۔ تخلیہ سر: صوفیائے کرام کے نزدیک سرّ ایک لطیفہ ربانی ہے جو محل مشاہدہ ہے تخلیہ سرّ کے لیے مراقبہ ضروری ہے۔ مراقبہ رقیب سے ماخوذ ہے جس کے معنی نگہبانی کے ہیں یعنی سرّ کی نگہبانی اس طرح کی جائے کہ غیر حق کا خیال تک نہ آئے اور سر مشاہدہ حق میں مصروف رہے۔

مراقبہ تمام احوال میں حق تعالیٰ کو اپنے ظاہر و باطن، تمام حرکات و سکنات اور خطرات و لحظات پر مطلع جاننا ہے۔ "الم یعلم بان اللہ یریٰ" (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ دیکھ رہا ہے)

حضور ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہ دیکھ سکے تو یہ دھیان کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ مراقبہ کی اصل یہی حدیث ہے۔ لہٰذا مراقبہ کے معنی یہ ہوئے کہ قلب میں یہ علم نفوذ کر جائے کہ حق تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہے ہیں۔

مراقبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک مراقبہ ظاہر اور ایک مراقبہ باطن۔

(ا) مراقبہ ظاہر: حواس خمسہ کو تمام مخلوقات و موجودات سے بند کرنا اور ذہن کو خیالات میں مشغول ہونے سے بچانا ہے۔ ظاہری حواس بند کرنے سے باطنی حواس کھلتے ہیں۔

(۲) **مراقبہ باطن:** دل کو اِدھر اُدھر پلٹنے سے بچانا ہے اور یہ ہر حال میں اپنے آپ کو وساوس خیالات اور گزشتہ و آئندہ کے قصوں میں مصروف ہونے سے روکنے سے ممکن ہے تا کہ اسی حال میں حق کی طرف متوجہ و مشغول رہا جائے۔ پھر ایسا شخص بظاہر دنیاوی کاموں میں مشغول بھی ہو مگر بباطن غیرِ حق سے فارغ اور حق میں مشغول ہوتا ہے۔ جب دل میں حق تعالیٰ کی محبت موجزن ہوتی ہے تو دنیاوی غموں اور بیکار فکروں سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خیال صرف محبوب حقیقی کی طرف لگا رہتا ہے کیونکہ دل کو اسی خیال سے مسرت و طمانیت نصیب ہوتی ہے۔

مراقبہ اسم ذات: خلوت میں بیٹھ کر یہ تصور کرے کہ دل میں سونے کے پانی سے اللہ لکھا ہوا ہے، میں اس کو دیکھ کر پڑھتا ہوں اور دل سے بھی اللہ اللہ کی آواز آتی ہے اور میں اللہ کے حضور میں حاضر ہوں ان خیالات میں ایسا مستغرق ہو جائے کہ اپنا احساس بھی باقی نہ رہے۔

۴۔ **تجلیہ روح:** صوفیاء کی اصطلاح میں تجلیہ روح سے مراد یہ ہے کہ روح انسانی کو مشاہدہ حق کے انوار اور محبتِ الٰہی کے ذوق وشوق سے منور و متجلی کیا جائے۔ روح کے تجلیہ کے لیے ضروری ہے کہ ہر وہ تعلق جو روح کے قالب میں آنے کے بعد حواس اور قوائے بشری کے ذریعے اس کو دنیا سے پیدا ہو گیا ہے، اسے بتدریج دور کیا جائے کہ ان ہی تعلقات کے سبب روح بارگاہِ الٰہی سے حجاب میں ہے کہ جس چیز سے وہ اُنس پیدا کر لیتی ہے وہ اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے اسے اس تعلق کے سبب حق سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ جوں جوں یہ تعلقات وانس دور ہوتا ہے، یہ حجابات اٹھ جاتے ہیں اور روح قید و بند سے آزاد ہو جاتی ہے اسے قرب نصیب ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کے انس کی خوشبو سے وہ معطر ہو جاتی ہے۔ لقائے باری کے بعد اس میں حقیقتاً عشق پیدا ہوتا ہے اور غلبہ عشق سب خس و خاشاک کو جلا ڈالتا ہے۔ واردات قلبہ اور جذبات الوہیت سے اس کی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　　اے علاجِ جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما　　　اے تو افلاطون و جالینوس ما

عشق کے سبب تزکیہ نفس و تصفیہ قلب انتہائی سرعت سے ہو جاتا ہے۔ عشاق لقائے ذوالجلال سے نوازے جاتے ہیں جمال حق کی تجلّیات کے جام نوش کرتے ہیں۔ ان عاشقین کے بارے میں حضور کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے لیے ایک شراب مختص کر

رکھی ہے کہ جب وہ اس کو پیتے ہیں تو صاف و پاکیزہ ہوجاتے ہیں اور جب صاف و پاکیزہ ہوجاتے ہیں تو سبک ہوجاتے ہیں۔ جب سبک ہوجاتے ہیں تو پرواز کرتے ہیں۔ جب پرواز کرتے ہیں تو پہنچ جاتے ہیں۔ جب پہنچ جاتے ہیں تو قرب حاصل کرلیتے ہیں جب قرب حاصل کرلیتے ہیں تو متصل ہوجاتے ہیں اور جب متصل ہوجاتے ہیں تو منفصل یعنی جدا کئے جاتے ہیں۔ جب جدا کیے جاتے ہیں تو جدائی کا، ہجر کا صدمہ جھیلتے ہیں اس جدائی کے صدمے میں فنا ہوجاتے ہیں اور جب فنا ہوجاتے ہیں تو بقا حاصل کرلیتے ہیں اور جب بقا حاصل کرلیتے ہیں تو پھر وہ "**فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر**" ایک ذی قدر بادشاہ کے پاس مقام صدق میں جگہ پاتے ہیں۔

تو روح انسان کا عشق الٰہی کے ذریعے عروج ہوتا ہے جس کو صوفیاء نے تجلیہ روح سے تعبیر کیا ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنی محبت نصیب کر اور اُن کی محبت جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور ان اعمال کی محبت جو ہمیں تیرا قرب عطا کرتے ہیں۔ اے اللہ ہماری مدد کر اور ان کی بھی مدد کر جو دین کی مدد کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں مسافرت میں بیماری سے محفوظ رکھ اور بڑھاپے میں ذلّت سے اور خاتمہ کے وقت شقاوت سے۔ اور قیامت کے دن فضیحت و رسوائی سے اے اللہ ہمارے ظاہر کو اپنی اطاعت سے زینت بخش اور ہمارے باطن کو اپنی محبت سے [illegible] فرما، ہمارے دلوں کو اپنی معرفت سے، ہماری روحوں کو اپنے مشاہدے سے، ہمارے اسرار کو اپنے معائنے سے۔ اے اللہ ہم پر حق بات منکشف کر اور حق کی اتباع کی توفیق دے اور باطل کو سمجھنے اور اس سے اجتناب کی ہمیں توفیق دے۔ ہمیں چشم زدن کے لیے بھی/ ایک لمحہ کے لیے بھی نفس یا کسی اور مخلوق کے حوالے نہ کر اور ہمارا والی، مددگار و محافظ ہو جا اور ہر خیر کی طرف ہماری رہنمائی فرما۔

اے اللہ ہم میں جو حاضر ہے جو غائب ہیں اور سارے مومنین و مومنات کو دارین میں بھلائی نصیب فرما۔ اے اللہ اپنے جود و کرم سے ہمارے معاملات کو آسان اور سہل کردے۔

اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہماری توبہ قبول فرما اور ہمیں گناہوں کی طرف رجوع کرنے سے محفوظ رکھ اپنی طاعت کو ہمارے لیے محبوب اور گناہوں کو ہمارے لیے مبغوض کردے۔ آمین

عرفانِ نفس

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (حم سجدہ۔۵۳)

''ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھادیں گے آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں
یہاں تک کہ ان پر یہ بات روشن ہو جائے کہ وہی حق ہے۔''

حدیث شریف میں وارد ہے ''من عرف نفسه فقد عرف ربه'' جس نے بھی اپنے نفس کو پہچانا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

ساری کائنات میں ہماری اپنی ذات سے زیادہ نزدیک کوئی شے نہیں مگر اس قریب ترین شہ سے بھی ہم غافل ہیں۔ معرفت نفس کا مطلب صرف ظاہری جسم کی معلومات نہیں کہ ایسی معرفت تو جانور بھی رکھتے ہیں یہاں عرفان نفس سے مراد اپنی حقیقت کو ڈھونڈنا ہے۔ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کیوں آئے ہیں؟ کہاں جائیں گے؟ ہمیں کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ ہماری اصل حقیقت کیا ہے؟ ہمارے اندر شیاطین کی کون سی صفات ہیں اور فرشتوں کے کون سے اوصاف ہیں؟ اور یہ صفات ہمیں کیوں دی گئیں؟ کیا اس لیے کہ یہ ہمیں قیدی بنائیں یا اس لیے کہ ہم انہیں اپنا قیدی بنائیں اور سعادت کی منزل کو پہنچ جائیں جسے جناب الٰہیت کہتے ہیں۔

جان لیں کہ انسان دو چیزوں سے مرکّب ہے ایک ظاہری ڈھانچہ بدن ہے۔ جسے آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے چھونے سے محسوس کیا جا سکتا ہے اس ظاہری بدن کے علاوہ انسان کا ایک باطن ہے جسے نفس، روح یا دل کہتے ہیں، اسے باطنی آنکھ سے پہچان سکتے ہیں۔ اے عزیز ایسی کوشش کر کہ اس باطن کو، روح یا دل کو پہچانے کہ درگاہِ الوہیت اس کا اصل معدن ہے وہیں سے آیا ہے، پھر وہیں لوٹ جائے گا۔ دل سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں جو ہمارے سینے میں ہے کہ یہ تو ہر جاندار کے پاس ہے بلکہ دل سے مراد ہماری حقیقت، ہماری روح ہے۔

یہ دل یا روح ہماری اصل حقیقت ہے۔ اس کے بغیر بدن مردار ہے۔ بدن میں حرکت اسی

کے دم سے ہے۔اس کا تعلق عالم خلق سے نہیں بلکہ عالم امر سے ہے۔ارشاد باری ہے:

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل۔۸۵)

''یہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔آپ فرمادیں کے روح میرے رب کا امر ہے۔''

خلق کے معنی انداز کرنے کے ہیں۔جس شے میں ناپ، مقدار اور حجم ہو وہ عالم خلق سے ہے جبکہ روح میں نہ تقسیم ہے، نہ اندازہ، نہ حجم ہے کیونکہ یہ عالمِ امر سے ہے اس کی حقیقت جاننا دشوار ہے۔مگر جو اپنے ظاہری حواس بند کرے، دنیاَ و مافیھا سے بے خبر ہو کر اسے اپنی ذات میں کھوجے اور کما حقہ ریاضت کرے، اسے ضرور اس کی پہچان نصیب ہوگی کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط جن لوگوں نے اپنی ذات میں مجاہدہ کیا، اس کی تلاش میں جدوجہد کی تو ہم انہیں اپنے راستوں کی طرف ہدایت دیں گے۔مجاہدے اور ریاضت سے پہلے ضروری ہے کہ دل کے لشکر کو جانے کیونکہ جو اپنے لشکر سے ہی بے خبر ہوگا وہ بھلا جہاد کیا کرے گا؟

ہمارا بدن ہماری مملکت ہے۔اس مملکت میں دل کی بادشاہی ہے اس بادشاہ کے مختلف لشکر ہیں:''وما یعلم جنود ربک الا ھو'' تیرے رب کے لشکر کو کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے۔دل کو آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کا کام سعادت کا تلاش کرنا ہے اور ہماری سعادت اللہ کی معرفت پر موقوف ہے۔جان لیں کہ عجائبات عالم کی پہچان و معرفت ہمارے ظاہر و باطن کے حواس سے ہوتی ہے۔حواس کا قیام بدن سے ہے۔معرفت دل کا شکار ہے اور حواس اس شکار کو پکڑنے کے لیے پھندا ہیں جبکہ بدن سواری ہے اس پھندے کو اٹھانے والا ہے اس لیے دل کو بدن کی ضرورت ہے۔

دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوّتیں پانچ ظاہری حواس ہیں جبکہ خیال، تفکّر، حافظہ، وہم اور تذکرہ کی قوّتیں دماغ کے پانچ باطنی حواس ہیں۔ان میں سے ہر ایک کا ایک خاص کام ہے۔ایک میں بھی خلل پڑنے سے انسان کے دین و دنیا کے کام میں خلل آتا ہے۔یہ تمام قوّتیں دل کا لشکر ہیں اور دل کے تابع ہیں۔زبان ہاتھ پاؤں آنکھ قوتِ فکر سب کے سب دل کے حکم سے کام کرتے ہیں تا کہ بدن کی حفاظت کریں اور دل اپنا سامان فراہم کرے، اپنا شکار پکڑے اور آخرت کی سوداگری پوری کر کے اپنی سعادت حاصل کرے۔یہ لشکر دل کی ایسی اطالت کرتے ہیں جیسے فرشتے اللہ کی۔کہ حکم الٰہی کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔

دل کے لشکر کی مثال یوں ہے کہ بدن گویا شہر ہے۔ ہاتھ پاؤں کام کرنے والے لوگ ہیں۔ غصہ کوتوال ہے۔ دل بادشاہ ہے اور عقل وزیر ہے۔ اس شہر (بدن) میں خواہش ایک عامل ہے جو جھوٹی اور زیادتی کرنے والی ہے۔ یہ ہمیشہ وزیر عقل کے خلاف کرتی ہے۔ غصہ کوتوال سخت تُند خو، بدمزاج، لڑاکا، مارنے والا اور لڑنے بھڑنے والا ہے۔ جس طرح ظاہری ملک کے نظم ونسق میں بادشاہ وزیر سے مشورہ کرتا ہے، جھوٹے عاملوں پر قابو رکھتا ہے۔ کوتوال کو تنبیہ کرتا رہتا ہے کہ حد سے نہ بڑھے تاکہ مملکت کا نظام صحیح چلتا رہے۔ اسی طرح اگر بدن کا بادشاہ دل اپنے وزیر عقل کے مشورے سے کام کرے۔ خواہش اور غصہ کو قابو کر کے عقل کا محکوم کر دے اور عقل کی خواہش اور غصہ کا محکوم نہ بنائے تو بدن کی سلطنت کا نظام درست رہتا ہے اور دل سعادت کی راہ پر چل کر اپنی منزل یعنی قربِ حق تک پہنچ جاتا ہے اور اگر عقل غصہ اور خواہش کے تابع ہو جائے تو ملک ویران اور بادشاہ بد بخت وہلاک ہو جائے گا۔

ہر ایک لشکر جو ہمارے باطن میں ہے اس سے ہم میں ایک صفت اور خلق پیدا ہوتا ہے ان میں بعض اخلاق برے ہیں جو ہمیں برباد کر دیتے ہیں اور بعض اچھے ہیں جو سعادت کا باعث بنتے ہیں۔ یہ صفات بے تحاشہ ہیں لیکن اجمالاً یہ چار قسم کے ہیں۔ چرندوں کی صفات، درندوں کی صفات، شیطان کی صفات اور فرشتوں کی صفات۔ لالچ اور خواہش چرندوں کی صفات میں سے ہے جبکہ گالی گلوچ، مارنا، لڑنا بھڑنا، دوسروں کو نقصان پہنچانا، درندوں کی صفات میں سے ہے۔ حیلہ ومکر و فریب، لوگوں میں فساد شیطان کی صفات میں سے ہے۔ جبکہ علم دوست ہونا، برے کاموں سے بچنا دوسروں کی بھلائی چاہنا فرشتوں کی صفات میں سے ہے۔ فی الحقیقت آدمی کی سرشت میں یہ چار چیزیں ہیں۔ سور پن، کتا پن، شیطان پن اور فرشتہ پن۔ کتا اپنی صورت کی وجہ سے برا نہیں بلکہ عادت کی وجہ سے برا ہے کہ بھڑ جاتا ہے۔ سور، ناپاک اور بری چیزوں کی طمع رکھتا ہے۔ مکر، حیلہ، فریب اور فساد شیطان کے کام ہیں۔ اگر انسان عقل کے نور سے ان تمام پر نگاہ رکھے اور لالچ و خواہش کے سور کو، غصے کے کتے کو عقل کے قابو میں دے دے کہ اس کے حکم سے اٹھیں، بیٹھیں۔ تو اس کو اچھے اخلاق نصیب ہوں گے جو موجب سعادت ہوں گے اگر اس کے خلاف کرے گا اور خود خواہش، طمع اور غصے کا خدمتگار بن جائے گا تو اس میں برے اخلاق پیدا ہوں گے جو اس کی بدبختی کا سبب بنیں گے۔ اگر کسی مسلمان کو کافر کے قابو میں دے دیں تو وہ اس مسلمان کا کیا حال کرے گا اسی

طرح اگر فرشتے کو سور، کتے اور شیطان کے قبضہ میں دے دیں تو اس کا حال اس مسلمان سے بدتر ہوگا۔ اگر لوگ اس بات پر غور کریں تو دن رات خواہشاتِ نفسانی کی اطاعت نہ کریں۔ جان لیں کہ جس پر جو صفت غالب ہے اس کی باطنی صورت اسی طرح ہے اگر چہ دارِ دنیا میں وہ شکل انسانی میں نظر آتا ہے مگر حشر میں اس کا ظاہر اس کے باطن کی صورت پر ہوگا۔

ضروری ہے کہ اپنی حرکات وسکنات پر غور کیا جائے کہ ہم ان چاروں میں سے کس کی اطاعت میں ہیں؟ ہماری ہر حرکت سے دل میں ایک صفت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم خواہش کے سور کے مطیع ہیں تو پلیدی، بے حیائی، لالچ، خوشامد اور دوسروں کی برائی پر خوش ہونے جیسی صفتیں پیدا ہوں گی اگر خواہش کے اس سور کو قابو میں کریں گے تو قناعت، شرم وحیا، دانائی اور پارسائی جیسی صفات پیدا ہوں گی۔ اگر ہم غصے کے کتے کی اطاعت میں ہیں تو غرور، تکبر، بڑائی، بڑے بول بولنا، دوسروں کو حقیر وذلیل سمجھنا اور لڑنا جھگڑنا جیسی صفات پیدا ہوں گی اگر اس کتے کو قابو کر کے ادب میں رکھیں تو صبر، بردباری، درگزر کرنا، استقلال، بہادری، سکوت، عزت وبزرگی جیسے اوصاف پیدا ہوں گے۔ اگر شیطان کی اطاعت کی تو مکر وفریب، دھوکا دہی، خیانت، جعل سازی وجھوٹ کی صفات پیدا ہوں گی اور اگر عقل کے لشکر کی مدد سے شیطان کو زیر کر لیں، اس کے قابو میں نہ آئیں تو دانائی، معرفت، علم وحکمت، صالحیت، حسن اخلاق اور بزرگی جیسے اوصاف پیدا ہوں گے اور یہ اوصاف ہمارے ساتھ رہیں گے اور ہمارے واسطے سعادت کا تخم بن جائیں گے۔

جن کاموں سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انہیں گناہ کہتے ہیں جن سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انہیں اعمال صالح وعبادات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہماری ہر حرکت وسکنت ان دو حال سے خالی نہیں۔ دل گویا ایک روشن آئینہ ہے، برے اخلاق اسے تاریک کر دیتے ہیں جس کے سبب یہ لقائے باری سے محجوب ہو جاتا ہے۔ نیک اخلاق گویا نور ہیں جو دل پر جمی سیاہی اور گناہوں کے میل کو صاف کرتے ہیں۔ اسی واسطے حضور ﷺ نے فرمایا ہر برائی کے بعد بھلائی کر کہ بھلائی برائی کو مٹا دیتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ جو اپنے قلب کو سلامتی کے ساتھ لایا اس کے سوا کوئی نجات نہ پائے گا جبکہ برے اخلاق سلامتی قلب کو برباد کرنے والے ہیں یہ قلب کو زنگ آلود کر دیتے ہیں۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا: کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ بلکہ ان کے قلوب زنگ آلود ہو گئے ان کی بداعمالیوں کے سبب۔

جان لیں کہ انسان میں یہ تمام صفتیں عارضی اور عاریتاً ہیں تا کہ اسے کمال تک پہنچائیں۔ جب انسان مر جاتا ہے تو نہ خواہش باقی رہتی ہے نہ غصہ بلکہ ایک جوہر (اس کی حقیقت، دل) رہتا ہے جو فرشتوں کی طرح اللہ کی معرفت سے آراستہ ہے۔ وہی آدمی کا رفیق ہوتا ہے اور اسے درگاہِ حق میں پہنچا دیتا ہے۔ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اس ذی قدر بادشاہ کے پاس مقام صدق میں یا پھر انسان کے ساتھ ایک اندھی اور تاریک چیز رہتی ہے۔ (اس کی حقیقت، دل، روح)

اس کی یہ حقیقت یا روح تاریک اس لیے ہوگئی کہ گناہوں کے سبب زنگ آلود اور غصہ اور غضب کے سبب اندھی ہوگئی تھی۔ کیونکہ غصہ اور غضب اس دارِ فانی میں رہ گئے لہٰذا اُس جہانِ میں اس کے دل کا منہ اس جہان یعنی نیچے کی طرف ہوگا۔ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط "اور مجرموں کو دیکھو گے کہ ان کے منہ رب کے حضور نیچے کی طرف جھکے ہوں گے۔" ایسے لوگ شیطان کے ہمراہ سجین میں داخل کیے جائیں گے۔ "وَمَآ اَدْرٰکَ مَا سِجِّیْنٌ" ...... تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟

عالم قلب کے عجائبات کی انتہا نہیں۔ دل کا عالم سب سے نرالا ہے۔ بے شمار لوگ اس سے غافل ہیں۔ اس کی فضیلت یا تو علم سے ہے یا قدرت کے سبب۔ یہ تمام علوم، صنعتوں اور معرفت کی قوت رکھتا ہے۔ تمام صنعتیں پہچانتا ہے۔ جو کچھ کتابوں میں پڑھتا ہے اسے جانتا ہے، تمام علوم بتدریج دل میں جمع کر سکتا ہے۔ ہر طرح کا علم اس میں سما جاتا ہے۔ اس کے سامنے سارا عالم، صحرا میں ذرہ کی طرح ہے۔ یہ لحظہ بھر میں زمین سے آسمان تک، مشرق سے مغرب تک اپنی فکر و حرکت سے پہنچ جاتا ہے۔ زور آور جانوروں کو اپنی ہمت سے تابع کر لیتا ہے۔ عالم کے جملہ علوم اپنے ظاہری حواس سے حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جس طرح عالم محسوسات یا عالم جسمانی کی طرف پانچ حواس دل کے پانچ دروازے ہیں اسی طرح عالم ملکوت یا عالم روحانی کی طرف دل کی ایک کھڑکی کھلی ہے مگر اکثر لوگ عالم جسمانی کو ہی جانتے ہیں اور پانچ ظاہری حواس کو ہی علم کا راستہ سمجھتے ہیں۔ دل کی بہت سی کھڑکیاں دوسرے علوم کی طرف کھلتی ہیں اس بات کو سمجھنے کے لیے حالت نیند پر غور کریں۔ نیند میں ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں تو دل کی کھڑکی کھل جاتی ہے آئندہ آنے والے امور اور دیگر واقعات ظاہری آنکھوں کے بغیر نظر آتے ہیں۔ اگر دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہو تو امور بالکل صاف، سچے اور صحیح نظر آئیں گے اگر خیالات کا تسلط ہو تو نظر آنے

والے امور خیالات کے تابع ہوں گے۔

عالم ملکوت کی طرف دل کی کھڑکی ہونے کی دوسری دلیل۔ دل میں فراست کی باتیں اور نیک خیالات بطور الہام آنا ہے۔ یہ حواس کے راستے نہیں آتے بلکہ دل میں پیدا ہوتے ہیں اور ہر عام و خاص شخص اسے محسوس کر سکتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ خیال کہاں سے آیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہر طرح کا علم محسوسات کے ذریعے نہیں۔ دل اس عالم جسمانی سے نہیں بلکہ عالم روحانی سے ہے۔ ظاہری حواس، جنہیں اس عالم ظاہر کے لیے پیدا کیا گیا ہے، خوامخواہ اس عالم روحانی کے دیکھنے میں آڑ بنے ہوئے ہیں جب تک انسان اس عالم سے فارغ نہ ہوگا، اُس عالم کی طرف راستہ نہیں پائے گا۔

یہ گمان نہ کرنا کہ عالم روحانی کی طرف کھڑکی سوئے اور مرے بغیر یا ظاہری حواس کو مختل کرے بغیر نہیں کھلتی بلکہ اگر کوئی جاگتے میں ریاضت و محنت کرے دل کو خواہش اور غصہ سے چھڑا لے برے اخلاق سے پاک کرے، خالی جگہ بیٹھ کر آنکھ کو بند اور حواس کو بیکار کرے، دل سے ہمیشہ اللہ اللہ کہے یہاں تک کہ اپنے آپ اور سارے عالم سے بے خبر ہو جائے تو جو لوگ خواب میں دیکھتے ہیں وہ جاگتے میں دیکھے گا۔ فرشتوں کو، ارواح اولیاء و انبیاء کو دیکھے گا اور ان سے بے حد فائدے پائے گا۔ زمین و آسمان کے ممالک اسے نظر آئیں گے۔ جس کسی پر بھی یہ راہ کھلی وہ ایسے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جن کا بیان ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ترغیب دینے کے لیے ارشاد فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا o سب سے کٹ کر اللہ کے نام کا ذکر کرو اور اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ o اور اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملک دکھا دیے تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

یہ بھی گمان نہ کرنا کہ یہ امور صرف انبیاء و اولیاء کے ساتھ خاص ہیں۔ تمام انسان اپنی خلقت کے اعتبار سے اس لائق ہیں کہ اسے حاصل کر سکیں، ان امور کا مشاہدہ کر سکیں۔ جیسا کہ ہر طرح کا لوہا آئینہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اگر اس میں زنگ لگ جائے تو آئینہ بننے کے قابل نہ رہے گا۔ خراب و برباد ہو جائے گا۔ یہی حال دل کا ہے دنیا کی حرص، خواہشات اور گناہ دل کو زنگ آلود اور میلا کر دیتے ہیں پھر اس میں یہ لیاقت نہیں رہتی مگر یہ کہ پھر توبہ، اطاعت، کثرتِ ذکر اور رجوع الی اللہ کے ذریعے اس کی جلا کی جائے۔

ذِکر

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

آج کا دور پریشانیوں، بے سکونی اور طرح طرح کے امراض کا دور ہے۔ جس کو دیکھ تناؤ (Tention) کا شکار ہے۔ مال و دولت کی فراوانی کے باوجود سکون و اطمینان نہیں۔ اسی ذہنی تناؤ کے سبب بلڈ پریشر، شوگر اور فالج جیسے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ جان لیں کہ یہ تمام تر بے سکونی، پریشانی، قلب و دماغ کی بے اطمینانی یادِالٰہی سے غفلت کے سبب ہے۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے فرمایا: "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" آگاہ ہو جاؤ کہ دلوں کا اطمینان صرف اللہ کے ذکر سے ہے۔

کائنات کی ہر شے ذکرِ الٰہی میں مشغول ہے۔ شجر و حجر، جمادات و نباتات، وحوش و طیور سارے کے سارے اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں۔ ارشاد باری ہے "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ" ہر شے اللہ کی تسبیح و حمد میں مصروف ہے اگر غافل ہے تو صرف انسان۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ درخت پر کلہاڑا اسی وقت چلتا ہے جب وہ ذکر سے غفلت اختیار کرے وہی مچھلی کانٹے یا جال میں پھنستی ہے جو یادِالٰہی سے غافل ہو جائے، اللہ کے ذکر سے غافل جانور ذبح کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ انسان اسی ذکر سے غفلت کی بنا پر پریشانی، بے اطمینان اور بے سکونی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اللہ عزّ وجل کے ہم پر بے حد و شمار انعامات و احسانات ہیں۔ شکرِ نعمت کے طور پر ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی ہر سانس میں اس منعمِ حقیقی کو یاد رکھیں۔ کسی بھی حال میں اس سے غافل نہ ہوں۔ فلاح و کامرانی کا انحصار بھی کثرت ذکر پر ہے حق تعالیٰ نے فرمایا: "وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ اسی کثرت ذکر کی تلقین کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ○ وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا (پ۲۲۔ احزاب ۴۱۔۴۲) اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام

اس کی پاکی بیان کرو۔اورارشادفرمایا:وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًاo (پ۲۲۔احزاب ۳۵) اوراللہ کو بہت یادکرنے والے مرداوراللہ کو بہت یادکرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کررکھا ہے۔اورحق تعالیٰ نے فرمایا:رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ o (پ۱۸۔نور۳۷) ایسے لوگ جنہیں تجارت اورخریدوفروخت میری یاد سے غافل نہیں رکھتی۔اورفرمایا:اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (پ۴۔آل عمران ۱۹۱) وہ لوگ جومیری یادمیں رہتے ہیں چاہے وہ کھڑے ہوئے ہوں یا بیٹھے ہوئے ہوں یا کروٹ کے بل لیٹے ہوئے ہوں اوراللہ نے غافلین کوتنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ o (پ۲۸۔منافقون ۹) اے ایمان والوں تمہیں تمہارا مال اورتمہاری اولاد کہیں میری یاد سے غافل نہ کردیں اگرایسا ہواتو وہی لوگ خسارے والے ہیں۔ذکر سے غفلت سراسر خسارہ ہے۔

حضوراقدس ﷺ نے فرمایا اللہ کا اس قدر کثرت سے ذکر کروکہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سے لوگ اللہ کے نزدیک افضل اوربلند درجے والے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کا بہت زیادہ ذکرکرنے والے مرداورعورتیں۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا اللہ کی راہ کا غازی کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا اگرغازی مشرکین پراسقدرتلوار چلائے کہ تلوار ٹوٹ جائے اوروہ خون میں نہاجائے تب بھی اللہ کا ذکرکرنے والا اس سے درجے میں بلند ہوگا۔

حضوراقدس ﷺ نے فرمایا: بہت سے لوگ نرم بستروں پراللہ کا ذکرکرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ ان کو جنت کے اعلیٰ درجوں میں پہنچادیتا ہے۔حضوراقدس ﷺ نے فرمایا اگرکسی کے پاس بہت سارے درہم ہوں اوروہ ان کو تقسیم کررہا ہواوردوسرا شخص ذکرمیں مشغول ہوتو اللہ کا ذکرکرنے والا افضل ہے۔

جان لیں کہ ذکر سے ہی تمام مقامات تک رسائی ہوتی ہے۔ذکر کے درخت کے بغیر معرفت کا پھل حاصل نہیں ہوسکتا۔ذکر کے ذریعے ہی غفلت سے بیداری ہوتی ہے۔ذکر کے ذریعے ہی منازل سلوک طے ہوتے ہیں۔صوفیائے کرام کثرت ذکر کے سبب اپنی زندگیوں کو فرشتوں کی مانند بنالیتے ہیں پھردنیاوی خیالات ان کے قلوب پرنہیں گزرتے۔انہیں اپنے محبوب

سے دنیا کی کوئی شہ غافل نہیں کر سکتی۔ صوفیاء کثرت ذکر کے ذریعے شرح صدر، اطمینان قلبی اور روح کی بلندی کو پالیتے ہیں اور رب کی مجلس میں باریاب ہوجاتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اہل ذکر میرے اہل مجلس ہیں'' (مسند امام احمد)

ذکر دل کی صفائی اور روحانیت کے دروازے کھولنے کی چابی ہے۔ ذکر کے سبب دل پر تجلّیات کا نزول ہوتا ہے۔ ذکر سے ہی بندہ اللہ کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ، رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں: ''ذکر ولایت کا منشور، وصلِ الٰہی کا مینار اور ارادت و عقیدت کا ثبوت ہے یہ تمام خوبیوں کا مرکز ومنشا ہے اس پر مداومت کے بغیر اللہ تک رسائی ممکن نہیں۔''

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ دھاتوں کی طرح قلوب بھی زنگ آلود ہوجاتے ہیں اور یہ زنگ اللہ کے ذکر سے صاف ہوتا ہے۔ ذکر دل کو روشن اور شیشہ کی طرح صاف کردیتا ہے۔ ذکر چھوڑ دیا جائے تو دل زنگ آلود ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ ذکر شروع کردیا جائے تو یہ صاف ہونے لگتا ہے۔ دل کو غفلت اور گناہ زنگ آلود کرتے ہیں جبکہ استغفار اور ذکر الٰہی دل کو روشن کرتا ہے۔ اکثر اوقات ذکر سے غافل رہنے والے کے دل پر زنگ تہہ در تہہ چڑھ جاتا ہے اور جب دل زنگ آلود ہوجائے تو معلومات کی حقیقی صورتیں دل میں نقش نہیں ہوتیں جس کے سبب باطل حق اور حق باطل نظر آتا ہے، دل کا علم وادراک فاسد ہوجاتا ہے اس میں حق قبول کرنے اور باطل کو رد کرنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے جو دل کے واسطے بڑا عذاب ہے اور یہ ذکر سے غافل رہنے اور خواہشات کی تابعداری کے سبب ہوتا ہے کہ غفلت وخواہشات دل کے نور کو تاریک اور دل کی آنکھ کو اندھا کردیتے ہیں اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًاo (پ۱۵۔کہف ۲۸) اور ان لوگوں کی تابعداری نہ کرو جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہوگئے اور جو خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں اور ان کا معاملہ حد سے بڑھ چکا ہو۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں ان پر تعجب ہے جو میّت پر روتے ہیں اور اس پر نہیں جس کا دل مردہ ہوگیا حالانکہ یہ اس سے زیادہ سخت حادثہ ہے۔

اسی سبب حضور اقدس ﷺ نے ذکر الٰہی پر بے حد زور دیا۔ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن بسر نے حضور ﷺ سے عرض کیا اسلام کے احکامات بہت ہیں مجھے ایسی چیز بتایئے جسے میں مضبوطی

سے تھام لوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ذکر الٰہی میں ہر وقت رطبُ اللسان رہو“۔ (ترمذی)

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو راتوں کو قیام کرنے سے عاجز ہو اور بخل کے سبب مال خرچ کرنے سے مجبور ہو اور بزدلی کے سبب جہاد میں شرکت نہ کر سکتا ہو اس کو چاہیے کہ اللہ کے ذکر کی کثرت کرے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو اللہ کے ہاں بے حد پسندیدہ اور مقبول اور درجات کو بلند کرنے والا ہے اور جو اللہ کی راہ میں سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہے اور جو تمہارے لیے جہاد کرنے سے بھی افضل ہے کہ تم کفّار کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں؟ صحابہ نے عرض کیا بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔

ذکر اور ذاکرین کی فضیلت کا اندازہ بخاری کی اس طویل حدیث سے لگائیں جس میں بیان ہے کہ فرشتے ، ایسی مجالس تلاش کرتے ہیں پھر اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں پھر اللہ کے حضور ان ذاکرین کا حال بیان کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے ان ذاکرین کو جہنم سے نجات اور جنت میں خلود کی بشارت دی جاتی ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں ان میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو ان ذاکرین میں سے نہ تھا بلکہ وہ کسی اور کام سے آیا تھا اللہ عزّ وجل فرماتے ہیں: ”میں نے اسے بھی بخش دیا کہ ان (ذاکرین، اللہ والوں) کا ہم نشین بد بخت نہیں رہ سکتا (لا یشقی جلیسھم)

حدیث شریف سے واضح ہے کہ ذاکرین، اللہ والوں سے تعلق، ان کی ہم نشینی شقاوت کو سعادت میں بدل دیتی ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی رضا کے لیے ذکر کے واسطے جمع ہوں تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیے گئے اور تمہاری برائیاں، نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ”جو ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا وہ ایسے ہیں جیسے ایک زندہ اور ایک مردہ“۔ ذاکرین حقیقتاً زندہ ہیں اور غافلین ”مردہ“

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا مجھے ایسا وظیفہ بتائیں جس سے قرب الٰہی کی منازل سرعت سے طے ہو جائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے انہیں ”لا الہ الا اللہ“ کی تلقین کی۔ حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ ”لا الــه الا اللــه“ تو سب پڑھتے ہیں مجھے کوئی

خاص چیز بتائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے علی، آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک جتنے انبیاء گزرے کسی پر بھی اس سے افضل کلمہ نازل نہیں ہوا۔

حضور ﷺ نے فرمایا افضل ترین کلمہ "لا الہ الا اللّٰہ" ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس نے بھی (صدق دل سے) "لا الہ الا اللّٰہ" کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

حدیث شریف میں وارد ہے قیامت میں ایک شخص کے پاس ۹۹ دفتر گناہوں کے ہوں گے اور ایک پرچہ پر کلمہ طیبہ کا پڑھنا لکھا ہوگا۔ یہ ایک پرچہ وزن میں گناہوں کے ۹۹ دفتر پر بھاری ہو جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے ایمانوں کو "لا الہ الا اللّٰہ" کی کثرت سے تازہ کیا کرو۔

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں حضور ﷺ نے پوچھا کیا ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا بارش کے قطرات سے بھی زیادہ ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ حضور نے پوچھا کیا درختوں کے پتوں سے بھی زیادہ ہیں اس نے کہا ہاں۔ حضور نے پوچھا کیا اللہ کی رحمت سے بھی زیادہ ہیں؟ اعرابی نے کہا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "لا الــه الا اللّٰــه" کہہ، اللہ تیرے سارے گناہ معاف کر دے گا۔

اللہ عزّ وجل کا ارشاد ہے "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" (پ۲۔ بقرہ ۱۵۲) پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ ایک ذاکر کو شیطان نے آکر ورغلایا کہ تیرا ذکر بارگاہِ حق میں قبول نہیں۔ اس نے پوچھا کیوں؟ شیطان کے کہا اللہ کا وعدہ ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ تو اللہ اللہ پکار رہا ہے کیا آج تک اس نے بھی تجھے پکارا؟ ثابت ہوا کہ تیرا ذکر اس کی بارگاہ میں رد کر دیا گیا۔ ذاکر اس کی باتوں میں آگیا اور ذکر چھوڑ دیا۔ اسے خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی انہوں نے ذکر کے ترک کا سبب پوچھا تو ذاکر نے ساری بات بتائی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: تیرا دوبارہ ذکر میں مشغول ہونا، تجھے ذکر کی توفیق ملنا ہی اللہ کا یاد کرنا ہے تو شیطان کی باتوں میں مت آ اور ذکر جاری رکھ۔

اگر ذکر میں لذت وحلاوت محسوس نہ ہو تب بھی ذکر کو نہ چھوڑنا چاہیے کہ مریض کو منہ کڑوا ہونے کے سبب غذا اچھی نہیں لگتی اور ہم گناہوں کے مریض ہیں۔ جس طرح مریض دوا اور پرہیز نہیں چھوڑتا، تا کہ اسے صحت نصیب ہو اسی طرح گناہوں سے پرہیز اور ذکر کی کثرت کو نہ چھوڑنا

چاہیے۔ اپنے دل کو ہر وقت ذکر کی تلقین کرتے رہنا چاہیے۔

عمر را ضائع مکن در گفتگو یاد اُو کن یاد اُو کن یاد اُو

جو لوگ ذکر سے غافل رہتے ہیں انہیں چاہیے کہ اس آیت پر غور کریں اور اسے نگاہ میں رکھیں تاکہ ذکر کی غفلت سے بچے رہیں۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌO وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَO

''اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان متعیّن کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ہر کام میں ساتھی رہتا ہے اور بے شک وہ شیاطین لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں''

(پ ۲۵۔ زخرف ۳۶۔۳۷)

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ ہمیں غفلت اور شیطان کے تسلط سے بچائے اور خلوص و محبت اور توجہ کے ساتھ اپنی یاد کی توفیق دے۔ آمین بجاہ النبی الامین

خوفِ خدا

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ط ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗO

اللہ عزّ وجل کا ارشاد گرامی ہے: "اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرا"۔ اللہ کی رضا سب سے بڑا انعام ہے، مقام رضا سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں اور یہ شرف ان کے نصیب میں ہے جو اللہ کا خوف دل میں رکھتے ہیں۔ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ڈرتا وہی ہے جو زیادہ جاننے والا ہو، اللہ کی زیادہ معرفت رکھتا ہو۔ اللہ نے فرمایا: "اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا" بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں وہ ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہوں اس لیے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "رأس الحکمة مخافة الله" تمام تر دانائیوں کا سرچشمہ اللہ کا خوف ہے۔ اور ہدایت و رحمت بھی ان لوگوں کے واسطے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

"ھُدًی وَّرَحۡمَۃٌ لِّلَّذِیۡنَ ھُمۡ لِرَبِّھِمۡ یَرۡھَبُوۡنَ"

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو کوئی خدا سے ڈرے تمام مخلوق اس سے ڈرے گی اور جو کوئی خدا سے نہیں ڈرے گا تو حق تعالیٰ مخلوق کا خوف اس کے دل میں ڈال دیں گے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندہ مومن خدا کے خوف سے روئے اور ذرا سا بھی آنسو بہائے تو دوزخ کی آگ اس کے منہ کو نہ جلائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا خوفِ خدا سے جب کسی بندے کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی امّت میں کیا کوئی شخص بلا حساب و کتاب جنت میں جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! وہ جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روئے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، قیامت میں سات طرح کے لوگ حق تعالیٰ کے سائے میں رہیں گے ان میں سے ایک وہ جو خلوت میں خدا کو یاد کر کے روئے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم لوگ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اس وقت حضور نے ایسا وعظ فرمایا کہ دلوں پر خوف خدا غالب ہوا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جب میں گھر واپس آیا تو بیوی بچوں کے ساتھ دنیا کی بات چیت میں لگ گیا پھر مجھے حضورﷺ کا وعظ اور اپنا رونا یاد آیا۔ میں گھر سے باہر نکلا اور کہنے لگا حنظلہ منافق ہوگیا اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آتے نظر آئے انہوں نے میری بات سن کر کہا۔ حنظلہ منافق نہیں ہوا وہ مجھے لے کر حضور کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا یارسول اللہﷺ حنظلہ کہتا ہے کہ یہ منافق ہوگیا حضور نے فرمایا: حنظلہ کبھی منافق نہیں ہوگا۔ پھر میں نے اپنی کیفیت حضور کو بتائی کہ آپ کی مجلس و صحبت میں ہماری کیا کیفیت ہوتی ہے اور اپنے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ وہ کیفیت باقی نہیں رہتی اور ہم دنیا میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ حضورِ اقدسﷺ نے یہ سن کر فرمایا اے حنظلہ اگر تم ہمیشہ اس حالت پر رہو، جس حالت میں میری مجلس میں ہوتے ہو تو تمہارا یہ حال ہوگا کہ تم سے فرشتے گھر میں اور راستے میں مصافحہ کریں گے مگر اے حنظلہ !ایک گھڑی اور ہوتی ہے ایک گھڑی اور ہوتی ہے۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا۔

حضرت حسن بصری کے وعظ پر لوگوں نے کہا کہ آپ عذاب آخرت سے اس قدر ڈراتے ہیں کہ ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا ایسے لوگوں کی صحبت جو آج تمہیں خوف الٰہی دلائیں تاکہ کل تم امن پاؤ، ان لوگوں کی صحبت سے بہتر ہے جو تمہیں آج بے فکر کردیں اور کل تم خوف میں مبتلا ہو۔

حضرت عائشہ نے حضور سے پوچھا کہ "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" اور لوگ جو کرتے ہیں اور ان کے قلوب ڈرتے رہتے ہیں۔ کیا ان کاموں سے زنا اور چوری مراد ہے؟ حضور نے فرمایا: بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ نماز روزہ اور صدقہ ادا کرتے ہیں مگر ان کے قلوب ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید یہ اعمال مقبول نہ ہوں۔

جاننا چاہیے کہ خوف دل کی ایک حالت ہے۔ یہ ایسی آگ ہے جو دل میں سلگتی ہے اس کا باعث علم و معرفت ہے اگر انسان اپنی کوتاہیوں، عیوب اور اخلاقِ بد کو دیکھے اور غور کرے کہ اس کے خالق کی اس پر کس قدر عنایات و احسانات ہیں اور وہ منعم حقیقی جبار و قہار بھی ہے جس کی گرفت بڑی سخت ہے۔ جب اس بارے میں غور کرے گا تو اس کے دل میں خوف پیدا ہوگا۔ ایسے شخص کی مثال اُس شخص کی طرح ہے۔ جسے بادشاہ نے خلعت بخشا بے تحاشہ نعمتیں اس کو عطا کیں جبکہ یہ

انعام وخلعت پانے والا شخص بادشاہ کے حرم سرا اور خزانے میں دغا اور خیانت کر رہا ہو پھر یکا یک اسے معلوم ہو کہ ان خیانتوں اور دغا بازی کے وقت، انعام اور خلعت بخشنے والا بادشاہ اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ بادشاہ بہت غیرت والا، انتقام لینے والا اور بے پرواہ ہے۔ اس صورت میں جب وہ اپنی تباہی وہلاکت پر واقف ہو گا تو یقیناً اس کے دل میں خوف کی آگ سلگے گی۔

دوسرا خوف معصیت کے بجائے اللہ کی بے نیازی کے سبب ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو شیر دبوچ لے تو یہ اس کی معصیت ونافرمانی کے سبب نہیں اور اگر چھوڑ دے تو شفقت ورحمت کی بنا پر نہیں چھوڑتا۔ پس جس نے اللہ کی قدرت، قوت، بزرگی و بے پروائی کو جانا اور سمجھ گیا کہ اگر اللہ سارے عالم کو ہلاک کر کے ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھے تو نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہے نہ ہی اس کی بادشاہت سے ذرہ بھر بھی کم ہو گا۔ یقیناً ایسا عارف بے حد ڈرے گا اس قسم کا خوف انبیاء اور اولیاء کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کی کہ مجھ سے ایسے ڈرو جیسے لوگ شیر سے ڈرتے ہیں۔

خوف کا اثر جب دل پر ہوتا ہے تو دوسرے اعضاء بھی متاثر ہوتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہے کہ پھر دل لذات اور دنیا کی محبت کی طرف مائل نہیں ہوتا اگر کوئی شیر کے پنجے میں ہو گا تو کیا اسے کھانے پینے سونے اور جماع کرنے کا خیال آئے گا؟ خوف کے وقت دل میں فروتنی خاکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ عاقبت کا اندیشہ، وہاں کا محاسبہ ومواخذہ دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے۔ پھر نہ تکبر باقی رہتا ہے نہ حسد، نہ حرص و ہوا اور نہ غفلت۔ اسی بنا پر حضور ﷺ نے فرمایا: "رأس الحكمة مخافة الله" اللہ کا خوف تمام تر دانائیوں کا سرچشمہ ہے۔ پھر انسان اپنے اعضاو جوارح کو معصیت سے بچا کر اطاعت کی طرف لگا دیتا ہے۔

اللہ کا خوف یہ نہیں کہ وقتی طور پر آنسو بہا کر دوبارہ پھر معصیت میں مشغول ہو جائے۔ بلکہ اللہ سے ڈرتے ہوئے، اللہ سے حیا کرتے ہوئے معصیت کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا ہے۔ جیسا کہ اگر کوئی اپنے لباس پر سانپ بچھو دیکھے تو صرف توبہ واستغفار سے، صرف لاحول پڑھنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ وہ ان موذی چیزوں کو جھٹک کر اپنے سے دور کر دے گا۔

ضروری ہے کہ عاقبت اور خاتمہ کا ڈر غالب کیا جائے کیونکہ اگر سلامتی ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت نہ ہوا تو ہمیشہ کے لیے رسوائی اور ذلت کا عذاب جھیلنا ہو گا۔ اکثر بزرگوں کو یہی خوف لاحق رہا کیونکہ انسان کا دل بدلتا رہتا ہے اور موت کا وقت، سکرات کی تکلیفیں بہت سخت اور کٹھن ہیں۔ معلوم نہیں اس وقت دل کا کیا حال ہو۔ حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ صدیقین ہمیشہ سوء

خاتمہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

جان لیں کہ سوء خاتمہ کی علامتوں میں سے ایک علامت نفاق ہے۔ صحابہ کرام ہمیشہ نفاق سے ڈرا کرتے تھے ضروری ہے کہ منافقین جیسے عقائد، خیالات ونظریات سے بچا جائے۔ اعمال میں نفاق کی تین علامتیں ہیں۔ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت کرنا۔ عقائد و نظریات میں یہ کہ انبیاء واولیاء کو اپنے جیسا گمان کرتا ان کے علم، کمالات اور ان کی تعظیم کا انکار کرنا۔ حضور کے زمانے میں منافقین حضور کے علم پر معترض رہتے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے دو کتابیں عطا کیں ایک میں تمام جنتیوں کے نام ہیں دوسرے میں تمام دوزخیوں کے نام ہیں۔ منافقین نے اس دعوے کا مذاق اڑایا اور اپنی مجلسوں میں کہا کہ محمد کا گمان ہے کہ ان کو تمام جنتیوں اور دوزخیوں کے بارے میں علم ہے جبکہ ہم ان کے درمیان موجود رہتے ہیں اور انہیں ہماری خبر بھی نہیں۔ انبیاء اور اولیاء پر اس قسم کے اعتراضات کرنے والے حضور کی تعظیم سے روکنے والے۔ انبیاء اور اولیاء کو "مـن دون اللـه" سمجھ کر بتوں کی آیات ان پر چسپاں کرنے والے منافقین اور خارجیوں کے طریقے پر ہیں ایسے لوگوں کی صحبتوں اور مجلسوں سے بچنا چاہیے۔ ان کے ظاہری اعمال وعبادات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ ایک بزرگ نے بڑی تحقیق کی اور دیکھا کہ اولیاء اللہ سے بغض وعداوت رکھنے والوں میں سے ایک کا بھی خاتمہ ایمان پر نہ ہوا اور ہو بھی کیسے؟ جن کے خلاف اللہ اعلان جنگ کر دے انہیں ایمان کیسے نصیب ہو۔ حدیث قدسی ہے: "مـن عـاد لـی ولیا فقد اٰذنته بالحرب" جو میرے ولی سے دشمنی رکھے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں" لہٰذا اولیاء سے حسنِ ظن رکھنا، حضور ﷺ سے محبت رکھنا، حضور ﷺ کے کمالات وفضائل کا اقرار کرنا حضور ﷺ کی تعظیم کرنا، ایمان پر خاتمہ کا سبب ہے۔

سوئے خاتمہ کا دوسرا سبب دنیا کی محبت کا غلبہ ہے۔ ضروری ہے کہ اللہ کی محبت کو دنیا کی محبت پر غالب کیا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہا جائے، دنیا داروں کی صحبت سے دور رہنا اور محبان الٰہی کی صحبت ومجلس اختیار کرنا ہے۔ اگر ایسے بزرگوں کی صحبت نہ مل سکے تو ان کے احوال اور تذکرے پڑھے اور سنے ان کی تصانیف کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ یہ لوگ کس قدر عارف، پرہیزگار اور متقی ہونے کے باوجود اللہ سے کتنے ڈرنے والے تھے۔ لہٰذا ہم عام انسانوں کو تو ان سے بھی زیادہ ڈرنا چاہیے۔

حضرت عمر کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا کہ قرآن کی آیت سن کر بیہوش ہو جاتے اور کئی دن تک

بیمار رہتے۔ ایک مرتبہ آپ ایک جگہ سے گزر رہے تھے وہاں کوئی شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا: "اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ" اس وقت حضرت عمر اونٹ پر سوار تھے خوفِ الٰہی سے آپ اونٹ سے نیچے آ گرے۔ لوگ آپ کو اٹھا کر آپ کے گھر لائے اور آپ ایک ماہ تک بیمار رہے۔

حضرت مسور بن مخرمہ قرآن شریف کی آیت سن کر بیتاب ہو جاتے ایک اجنبی شخص نے جو آپ کے حال سے ناواقف تھا، آپ کے سامنے یہ آیت پڑھ دی: یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا o وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا o "جس دن پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس اکٹھا کیا جائے گا اور گناہگاروں کو جہنم کی طرف ہانک دیا جائے گا"۔ یہ آیت سن کر مخرمہ نے کہا میں مجرموں میں داخل ہوں متقیوں میں نہیں، پھر پڑھو۔ قاری نے دوبارہ پڑھا۔ آپ نے ایک نعرہ مارا اور جان دے دی۔

شیخ عطا سلمی چالیس سال تک نہ ہنسے نہ آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک بار آسمان کی طرف دیکھا تو دہشت کے مارے گر پڑے۔ خوفِ خدا سے رات کو چہرہ ٹٹولتے کہ کہیں مسخ تو نہیں ہو گیا۔ جب قحط پڑتا یا اہل شہر پر کوئی مصیبت آتی تو کہتے یہ سب کچھ میری بدبختی کے سبب ہے اگر میں مر جاتا تو لوگ آفتوں سے نجات پا جاتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی کنیز نے آپ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ کہنے لگی میں نے خواب میں دیکھا کہ دوزخ کو دہکایا گیا اس پر پُل صراط نصب کیا گیا اور اُموی خلفاء کو لایا گیا سب سے پہلے عبدالملک بن مروان کو لایا گیا اور حکم دیا گیا کہ پل پر سے گزرو کچھ دیر بعد ہی وہ دوزخ میں جا گرا پھر اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کو لایا گیا اور وہ بھی اسی طرح دوزخ میں جا گرا پھر سلیمان بن عبدالملک کو لایا گیا وہ بھی دوزخ میں جا گرا۔ پھر اے امیر المؤمنین آپ کو لایا گیا اتنا سنتے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز بے ہوش ہو گئے۔ ادھر کنیز پکار رہی تھی اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ آپ سلامتی کے ساتھ اس پر سے گزر گئے۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز اسی بے ہوشی کے عالم میں تڑپتے رہے۔

فی زمانہ لوگ گوناگوں مسائل و پریشانی کا شکار ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان سے نجات کے لیے طریقہ بتایا: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ط "جو بھی اللہ سے ڈرے، اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اللہ اس کے واسطے پریشانیوں سے نکلنے کی راہ بنا دے گا اور ایسی جگہ سے اس کو رزق پہنچائے گا جس کا اس کو گمان تک نہ ہو گا"

زبان کی آفتیں

يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَo اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍo

اللہ ربُّ العزّت کا ارشاد گرامی ہے کہ بروز حشر نہ تمہارا مال تمہیں فائدہ دے گا نہ تمہاری اولاد سوائے اس کے کہ جو اپنا قلب سلامتی کے ساتھ لے آیا۔

قیامت میں نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، کامیاب وہی ہوگا جو سلامتی قلب کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اب یہ جاننا بڑا ضروری ہے کہ سلامتی قلب کن باتوں میں ہے اور قلب کی ہلاکت و بربادی کن امور میں ہے۔ تاکہ ہلاکت و بربادی والی چیزوں سے بچا جائے اور جن باتوں کے سبب قلب سلامت رہتا ہے انہیں اختیار کیا جائے۔

جان لیں کہ سلامتی قلب سلامتی زبان سے مشروط ہے کیونکہ زبان سے جو بات بھی نکلتی ہے اس کا دل پر اثر ہوتا ہے دل میں اس سے ایک صفت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً گریہ زاری اور نوحہ سے دل میں رقّت اور سوز پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی خوشی کی باتوں سے دل میں سرور انبساط پیدا ہوتا ہے جب زبان بری بات کرتی ہے تو دل تاریک ہو جاتا ہے جب زبان سے حق بات نکلتی ہے تو دل روشن ہو جاتا ہے۔ جب زبان جھوٹ بولتی ہے تو دل اندھا ہو جاتا ہے اور اسے چیزیں ٹھیک نظر نہیں آتیں پس دل کی راستی، کجی، زبان کی راستی اور کجی کے تابع ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''ایمان اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک دل راست نہ ہوگا''۔ پس لازم ہے کہ زبان کی آفتوں سے آگاہ ہوا جائے تاکہ ان سے بچا جاسکے۔ زبان کی آفتیں فحش گوئی، دشنام طرازی، زبان درازی، لعنت وملامت کرنا، مسخرہ پن، یاوہ گوئی، دروغ گوئی، غمازی اور نفاق ہے۔ جب زبان کی آفتیں اس قدر ہیں تو پھر کوئی تدبیر خاموشی سے بہتر نہیں۔ حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ زیادہ بات نہ کرے صالحین فرماتے ہیں کہ ابدال وہ لوگ ہیں جن کا بات کرنا، کھانا، پینا اور سونا صرف بقدر ضرورت ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے: "من سکت نجی" جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے تو آپ ﷺ نے زبانِ مبارک باہر نکال کر اس پر انگلی رکھی اور سمجھایا "خاموشی"۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا اس سے کہہ دو کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی مومن کو خاموش اور سنجیدہ پاؤ تو اس کا تقرب حاصل کرو کہ وہ بغیر حکمت کے نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو بسیار گو ہوگا وہ بہت بیہودہ اور بڑا گناہگار ہوگا اور دوزخ میں جائے گا۔

خاموشی کی بڑی فضیلت اس لیے ہے کہ زبان کی آفتیں بے حد ہیں۔ زبان کی پہلی آفت بیکار اور لایعنی گفتگو ہے، ایسی باتوں سے انسان حسنِ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ بے معنی بات ترک کر دے"۔ یعنی دوستوں میں بیٹھ کر بے مقصد گفتگو کرنا جیسے سفر کی روداد، موسم کے احوال، ادھر اُدھر کی بے مقصد باتیں، سیاست پر تبصرے، دوسروں پر تنقید وغیرہ یہ سب یاوہ گوئی ہیں کہ کرے تو وقت کا زیاں اور نہ کرے تو کوئی نقصان نہیں۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان موت اور سفر آخرت کو پیشِ نظر رکھے اپنے وقت کی نگہداشت کرے اور ذکر و اذکار، تسبیحات اور اعمال صالح میں مصروف رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "نیک بخت وہ ہے جس نے خود کو یاوہ گوئی سے روکا اور (راہِ خدا میں) زیادہ مال صرف کیا" جبکہ لوگوں کا حال اس کے برعکس ہے، وہ مال دبا کر رکھتے ہیں اور کلامِ فضول صرف کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "انسان کو زبان درازی سے بدتر کوئی چیز نہیں دی گئی"۔

زبان کی دوسری آفت معصیت اور باطل میں کلام کرنا ہے۔ مثلاً دوسروں کے فسق و فجور کی باتیں زبان پر لائی جائیں۔ مناظرے اور جدَل کی باتیں کی جائیں۔ فحش گفتگو کی جائے یا ایسی بے ہودہ بات کی جائے جس کو سن کر دوسروں کو ہنسی آئے یہ تمام معصیت میں داخل ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت میں کوئی ایسا ہوگا کہ اس کے منہ سے نکلا ایک کلمہ اسے جہنم میں لیجائے گا اور کوئی ایسا ہوگا جس کے منہ سے نکلی ایک بات اسے جنت میں لے جائے گی۔ جب یہ بات ہے تو انسان کو کس قدر محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اپنی زبان کو نگاہ میں رکھنے اور ہر بات کو کہنے سے پہلے تولنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے۔

زبان کی تیسری آفت بحث و مباحثہ کرنا، جھگڑا کرنا، دوسروں کی بات کی مخالفت کرنا

ہے۔ایسی باتوں سے انسان اپنی ذات میں موجود بری صفات تکبّر، غرور اور درندگی کو تقویت پہنچاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو کوئی بات چیت میں مخالفت اور جھگڑے سے باز رہے گا اور بے جا نہ کہے گا اس کے واسطے بہشت میں ایک گھر بناتے ہیں اور اگر جو کچھ حق ہے اس کو صاف صاف کہہ دے اس کے لیے بہشت میں ایک اعلیٰ درجے کا گھر بنایا جاتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا جبتک آدمی مخالفت سے دستبردار نہیں ہوگا اس کا ایمانِ کامل نہیں ہوگا اگرچہ وہ حق پر ہو۔ محال اور باطل باتوں پر خاموش رہنا بڑے صبر و تحمل کی بات ہے۔ جب حضرت داؤد طائی نے عُزلت نشینی اختیار کی تو امام ابوحنیفہ نے سبب پوچھا۔ داؤد طائی نے فرمایا: میں مجاہدے میں رہ کر خود کو بحث و مباحثہ اور جدل سے باز رکھتا ہوں۔ امامِ اعظم نے فرمایا تم مجلس میں آؤ مباحثے اور مناظرے سنو لیکن جواب مت دو۔ انہوں نے ایسا کیا تو اس سے دشوار تر کوئی اور مجاہدہ نہ پایا۔

زبان کی چوتھی آفت مال کے لیے جھگڑنا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بغیر علم کے کسی سے جھگڑے اللہ اس سے ناخوش ہوگا جب تک وہ خاموش نہ ہو جائے۔ بزرگانِ دین نے فرمایا: مال کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں جو دل کو پریشان کرے، عیش کو تلخ کرے اور مروّت اور بھائی چارے میں خلل انداز ہو۔

زبان کی پانچویں آفت فحش گوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو فحش گوئی کرے گا اس پر بہشت حرام ہوگی''۔ حضور ﷺ نے فرمایا دوزخ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے منہ سے نجاست اور بدبو نکلے گی جس سے تمام دوزخی فریاد کریں گے اور پوچھیں گے یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں بتایا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو فحش گفتگو کرتے تھے۔

زبان کی چھٹی آفت لعنت کرنا ہے۔ یہ برائی بھی فی زمانہ بے حد عام ہے لوگ بلا سوچے سمجھے ہر چیز پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ جاندار پر، بے جان پر، بعض احمق اپنے آپ پر بھی لعنت بھیج دیتے ہیں۔ جان لیں لعنت کے معنی خدا کی رحمت سے دوری ہے اور اس کا ایک اصول ہے کہ جس پر لعنت کی جارہی ہے اگر وہ اس کا مستحق نہیں تو لعنت، بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ گویا ہم خود نادانستہ طور پر اس لعنت کا شکار ہو جاتے ہیں، خدا کی رحمت سے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کے سامنے کسی چیز پر لعنت کی تو حضور نے فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم ابوبکر کا کسی پر لعنت کرنا درست نہیں۔ اس بات کو آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔ حضرت

ابوبکر صدیق نے اس فعل سے توبہ کی اور اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا۔"

لعنت صرف ظالموں، کافروں، فاسقوں اور بدمذہبوں پر کی جاسکتی ہے مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ اس سے ہمیں کوئی نیکی حاصل نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "تیرے دل کا تسبیح میں مشغول رہنا ابلیس پر لعنت کرنے سے بہتر ہے"۔ پھر کسی مسلمان پر لعنت کرنا کس طرح درست ہوگا؟ تسبیح سے ثواب حاصل ہوتا ہے جبکہ لعنت سے کوئی ثواب نہیں ملتا۔

کسی نے مہر علی شاہ سے پوچھا کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے مظالم کی وجہ سے بالکل جائز ہے مگر اس پر لعنت بھیجنے سے تمہیں کوئی نیکی نہیں ملتی۔ یزید پر لعنت بھیجنے کے بجائے اتنی دیر اہلبیتِ اطہار پر درود پڑھا جائے تو اس میں سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے۔

زبان کی ساتویں آفت ہنسی مذاق وظرافت ہے۔ کچھ حد تک ظرافت مباح ہے مگر خلافِ حق نہ ہو۔ ہنسی مذاق سے ایک طرف وقت کا ضیاع ہوتا ہے تو دوسری طرف انسان کا دل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں ظرافت کرتا ہوں مگر سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے ایک بات کہتا ہے اور اس کی بدولت اپنے درجے سے اتنا نیچے گر جاتا ہے جیسے آسمان سے زمین پر آ گرا ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو تھوڑا ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔ کسی شخص کا مذاق اڑانا یا اس کی ایسے نقل اتارنا جسے دیکھ کر دوسروں کو ہنسی آئے اور وہ شخص جس کی نقل اُتاری گئی ہو وہ رنجیدہ ہو تو یہ حرام ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا خدا سے ڈرو اور ظرافت مت کرو کہ اس سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ بد ہے جب باہم بیٹھو تو قرآن حکیم کی باتیں کرو اگر یہ نہیں کر سکتے تو مجالس میں صالحین کی باتیں کرو۔

زبان کی آٹھویں آفت جھوٹا وعدہ کرنا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا نفاق کی تین علامات ہیں بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف کرے، امانت رکھائی جائے تو خیانت کرے۔ اظہار نبوت سے قبل ایک شخص نے حضور سے کہا آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ گھر جا کر وہ یہ بات بھول گیا۔ تین دن بعد یاد آیا تو واپس گیا اور حضور کو اسی مقام پر کھڑے پایا۔ حضور نے صرف اتنا فرمایا کہ تو نے مجھ تکلیف دی، میں تین دن سے تیری راہ دیکھ رہا ہوں۔ حضور نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تم آؤ گے تو میں تمہاری حاجت برلاؤں گا۔ فتح خیبر کے وقت

جب مال غنیمت آیا تو وہ شخص آیا اور وعدہ یاد دلایا۔ حضور نے پوچھا کیا چاہتے ہو اس نے کہا مجھے 50 بھیڑیں چاہیے۔ حضور نے اُسے بھیڑیں عطا کیں پھر فرمایا اے شخص تم نے مجھ سے بہت کم مانگا، اس عورت سے بھی کم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی قبر کا پتہ بتانے کے لیے مانگا۔ صحابہ نے پوچھا اس مائی نے کیا مانگا تھا حضور نے فرمایا اس عورت نے قبر بتانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے مانگا کہ مجھے جوانی عطا کریں اور یہ کہ میں بہشت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ ضروری ہے کہ جب بھی کسی سے وعدہ کیا جائے تو حتی المقدور کوشش کی جائے کہ اس کے خلاف نہ کیا جائے اور وعدہ ہر حال میں پورا کیا جائے۔

زبان کی نویں آفت جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسم کھانا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''دروغ نفاق کا ایک دروازہ ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا دروغ گوئی رزق کی کمی کا سبب ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اُس پر افسوس ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جراد نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا کوئی مومن زنا کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا شاید مگر مومن جھوٹ نہیں بولے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ''اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ''۔ ''جھوٹ وہ لوگ بولیں گے جو صاحبِ ایمان نہیں''

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو خبر دوں کہ گناہ کبیرہ کیا ہے؟ وہ شرک ہے اور ماں باپ کی نافرمانی اور جان لو کہ جھوٹ بات کہنا بھی گناہ کبیرہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو کسی کے جھوٹ کو روایت کرتا ہے وہ بھی جھوٹا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مومن سے ہر تقصیر ہو سکتی ہے مگر وہ خیانت نہیں کرے گا اور جھوٹ نہیں بولے گا۔

جھوٹ کو اس لیے حرام کیا گیا کہ یہ دل پر اثر کرتا ہے اور دل کو تاریک کر دیتا ہے۔ بعض موقعوں پر مصلحتاً جھوٹ بولنے کی رخصت ہے بشرطیکہ دل میں اس سے کراہت کی جائے پھر دل تاریک نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی مسلمان کسی ظالم سے بھاگا ہو تو مناسب نہیں کہ اس کا صحیح پتہ بتایا جائے۔ ایسے موقع پر جھوٹ بولنا واجب ہو جائے گا۔ اسی طرح سے دو اشخاص میں صلح کرانے کے لیے دونوں کی طرف سے اچھی بات کہنی (جبکہ انہوں نے نہ کہی ہو) وغیرہ۔

زبان کی دسویں آفت غیبت کرنا ہے۔ اپنے بھائی کا عیب اس کے پیچھے بیان کرنا (جب کہ وہ عیب اس میں موجود ہو) غیبت ہے۔ یہ آفت اس وقت تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہے اور لوگ

اس کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ انہیں غیبت کرنے کا قطعاً احساس بھی نہیں ہوتا۔ شاید ہی کوئی اس سے بچا ہو۔ یہ سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا. اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ "اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اس بات سے کراہت کرو گے"۔ اللہ نے غیبت کرنے والے کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے والے سے تشبیہہ دی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "غیبت سے پرہیز کرو کہ غیبت زنا سے بدتر ہے"۔ زانی کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن غیبت کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی جب تک اس شخص سے معافی نہیں مانگی جائے جس کی غیبت کی گئی۔ کسی کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اس کو ناگوار گزرتی ہے، غیبت ہے۔ اگر کہی گئی بات جھوٹی ہے تو پھر یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم ایسی بات کہو کہ اس کے سننے سے کوئی آزردہ خاطر ہو تو وہ غیبت ہے اگر چہ تمہارا وہ قول سچ ہو۔"

زبان کی ان تمام تر آفات سے بچنے کا آسان طریقہ خاموشی ہے۔ اور اگر بولنا ہی پڑے تو بہت سوچ سمجھ کر جس قدر ضرورت ہو، سچی بات کرے ایسی بات جس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو، کسی کی غیبت نہ ہو، کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ ہم تمام کو زبان کی آفتوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

غصّہ اور اس کا علاج

"وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ" (آل عمران۔۱۳۴)

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے"

اس آیت میں اللہ نے ان لوگوں کی تعریف کی جو غصّہ کو پی جاتے ہیں۔ اللہ سے دوری اور اللہ کو ناراض کر دینے والی صفات میں سے ایک مذموم صفت غصّہ ہے۔ اس کی اصل آتش ہے اور آتش کی نسبت شیطان سے ہے۔ انسان چار چیزوں سے مرکّب ہے ان میں سے ایک آگ ہے۔ آگ انسان کی فطرت میں ہے اسی آگ کے سبب غصّہ ہے مگر جس میں غصّہ کا غلبہ ہوگا اس کی نسبت شیطان سے زیادہ ہوگی۔ شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○ شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا، آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ آگ کی فطرت میں بے قراری ہے۔ مٹی کی فطرت میں سکون ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر نے حضورﷺ سے دریافت کیا وہ کیا چیز ہے جو مجھے خدا کے غضب سے دور رکھے؟ فرمایا تو غصّے میں نہ آئے۔ ایک اور صحابی نے حضور سے عرض کیا مجھے کوئی مختصر سا عمل بتائیے۔ آپﷺ نے فرمایا: "قصداً غصہ نہ کرنا"۔ حضور اقدسﷺ نے ارشاد فرمایا: "غصہ ایمان کو اسطرح بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کی مٹھاس کو"۔

حضور اقدسﷺ نے فرمایا جو غصّے کو پی جائے اللہ اس پر سے اپنا عذاب اٹھا لے گا اور حضورﷺ نے فرمایا: جو کوئی غصّے کو پی جائے گا حق تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو اپنی رضا مندی سے معمور فرما دیگا۔ اور آپﷺ نے فرمایا کوئی گھونٹ غصّہ کو پی جانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے دل کو ایمان سے بھر دے گا۔

اللہ نے غصّہ کو اس لیے پیدا کیا تا کہ یہ انسان کا ہتھیار بنے اور اسے نقصان پہنچانے والی چیزوں سے دور رکھے۔ لیکن جب اس میں افراط ہو جائے تو غصہ کی آگ کا دھواں دماغ کو تاریک

کر دیتا ہے پھر عقل کو راست بات نہیں سوجھتی۔

جان لیں کہ غصہ کو بالکل ختم نہیں کیا جا سکتا مگر اس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ اگر میں کسی پر غصہ کروں یا لعنت کروں یا غصہ سے اس کو برا کہوں یا ماروں تو اے رب تو اسے (اس کے حق میں) اپنی رحمت کا سبب بنا دے۔ صحابہ نے آپ سے عرض کیا کبھی آپ غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں تو کیا اس وقت کی باتیں بھی ہم لکھ لیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھ لیا کرو مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبی برحق بنا کر مبعوث کیا، غصہ کی حالت میں بھی سوائے حق کے میری زبان سے کوئی اور بات نہ نکلے گی۔ آپ ﷺ نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے غصہ نہیں آتا بلکہ یہ فرمایا کہ غصہ مجھے حق اور انصاف سے روک نہیں سکتا۔

جان لیں کہ غلبہ توحید غصہ پر قابو پانے میں مدد دیتا ہے کیونکہ ایسے شخص پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے پھر اس کی نظر مخلوق سے ہٹ کر فاعل حقیقی پر رہتی ہے اور وہ مخلوق پر غصہ نہیں کرتا۔

فکر آخرت میں مشغولیت بھی غصہ سے بچاتی ہے۔ کسی شخص نے ایک مسلمان کو گالی دی تو اس نے کہا اگر قیامت میں میرے گناہوں کا پلہ بھاری ہے تو میں اس سے بھی بدتر ہوں جیسا تو نے مجھے کہا اور اگر میرا گناہوں کا پلہ ہلکا ہے تو پھر مجھے تیری بات کی کیا پروا۔ کسی شخص نے حضرت ابوبکر صدیق کو گالی دی آپ فکر آخرت میں منہمک تھے۔ فرمایا: میرے ایسے بہت سے عیوب ہیں جو تجھ کو معلوم نہیں۔ ایک عورت نے مالک بن دینار کو ریاکار کہا۔ آپ نے فرمایا: تیرے سوا آج تک مجھے کسی نے نہ پہچانا۔ امام شعبی کو کسی نے بری بات کہی تو انہوں نے جواب دیا اگر تو سچ کہتا ہے تو اللہ میری مغفرت فرمائے اور اگر جھوٹ کہتا ہے تو تیری مغفرت فرمائے۔

غصہ کے علاج میں محنت و مشقت برداشت کرنا فرض ہے کیونکہ اکثر لوگ غصہ کے باعث ہی دوزخ میں جائیں گے۔ غصہ یا تو تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اگر ایسا ہے تو اس کا علاج تواضع سے کرے۔ اگر غصہ غرور کے سبب ہے تو چاہیے اپنی حقیقت اور اصل پر غور کرے کہ اسے اللہ نے ایک قطرہ بوند سے پیدا کیا اور وہ ہر وقت شکم میں گندگی اٹھائے پھرتا ہے۔ کیا ایسے شخص کو غرور کرنا چاہیے؟

غصہ کا ایک سبب ہنسی مذاق اور استہزاء ہے اکثر اس کا انجام غصے پر ہوتا ہے پس خود کو اس سے بچانا چاہیے اگر ہم دوسروں کا مذاق اڑائیں گے تو دوسرے بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی کریں

گے۔اس طرح مذاق کرنے والا خود اپنے آپ کو ذلیل ورسوا کرے گا۔غصہ کا چوتھا سبب عیب جوئی اور ملامت کرنا ہے اس کے نتیجے میں بھی دونوں جانب سے غصہ کا اظہار ہوسکتا ہے۔لہٰذا اس بری عادت سے خود کو بچانا چاہیے۔

غصہ کا پانچواں سبب حرص اور بخل ہے۔اگر بخیل سے ایک دمڑی بھی لے لیں تو وہ غصہ میں آجاتا ہے۔حریص کے ایک لقمہ میں بھی خلل پڑجائے تو وہ آگ بگولا ہوجاتا ہے یہ سب برے اخلاق ہیں ان کا علاج علمی اور عملی طریقے سے کرنا ہوگا۔علمی علاج یہ ہے کہ آدمی ان کی آفت اور آخرت کے نقصانات پر غور کرے۔غصہ کے سبب دنیا بھی برباد ہوتی ہے کہ آدمی غصہ میں قتل کردیتا ہے پھر سزا پاتا ہے۔طلاق دے دیتا ہے پھر پچھتاتا ہے،لڑائی جھگڑا کرتا ہے پھر اس کے اثرات بھگتا ہے۔اور آخرت میں اللہ کی ناراضگی اور جہنم میں عذاب کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔غصہ کا عملی علاج یہ ہے کہ ان تمام اخلاق بد جن کے سبب غصہ پیدا ہوتا ہے، کی مخالفت کرے، نفس اور طبیعت کے خلاف کرے۔ان آیات واحادیث میں غور کرے جو غصہ کی مذمت اور غصہ پی جانے کے ثواب میں وارد ہوئی ہیں اور اپنے دل میں کہے کہ حق تعالیٰ تجھ پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں جو مجھے دوسروں پر حاصل ہے اگر تو کسی پر غصہ کرے گا تو قیامت میں خدا کے غضب سے کیسے محفوظ رہے گا۔

حضورﷺ نے کسی غلام کو کام سے بھیجا وہ دیر سے واپس آیا تو آپﷺ نے فرمایا اگر قیامت میں انتقام نہ لیا جاتا تو میں تجھے مارتا۔

جب غصہ آئے تو زبان سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھے اور سنت یہ ہے کہ اگر غصہ کے وقت کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔پھر بھی غصہ فرو نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرے۔حضورﷺ نے فرمایا: غصہ آگ سے پیدا ہوتا ہے یہ پانی سے بجھے گا۔

غصہ کو پی جانے والا نیک بخت ہے۔اگر غصہ دل میں جمع ہوگا تو اس سے کینہ پیدا ہوگا۔کینہ سے آٹھ ایسی صفات پیدا ہوتی ہیں جو دین کی بربادی کا موجب بنتی ہیں۔کینہ سے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے، حسد کے نتیجے میں ہم دوسرے کے غم سے خوشی محسوس کریں گے اور اس کی خوشی سے غمگین ہوں گے۔دوسرے یہ کہ ہم دوسرے پر نازل بلا سے شادمانی کا اظہار کریں گے۔ تیسرے یہ کہ کینہ کے سبب ہم سے غیبت، دروغ اور فحش گفتگو کا اظہار ہوگا۔چوتھے یہ کہ اس کے سبب قطع رحمی ہوگی پانچویں یہ کہ ہم اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور زبان درازی کریں

گے۔ چھٹے یہ کہ اس کا مذاق اڑائیں گے۔ ساتویں یہ کہ اس سے مروّت نہ کریں گے۔ نہ انصاف کریں گے آٹھویں یہ کہ جب اسپر قابو پائے گا۔ اس کو ضرر پہنچائے گا اور دوسروں کو بھی اس کی ایذا رسانی پر ابھارے گا۔

مسطح حضرت ابوبکر صدیق کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مفلوک الحال تھے۔ صدیق اکبر ان کی کفالت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر لگائی گئی تہمت کو اچھالنے میں مسطح نے بھی لب کشائی کی جس کے سبب حضرت ابوبکر صدیق نے ان کا نفقہ بند کر دیا اور قسم کھائی کہ آئندہ اس کی مالی مدد نہیں کروں گا۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط

"تم میں فضیلت و گنجائش والے اپنے قرابت والوں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں بلکہ انہیں چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے"

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا واللہ میں مغفرت کو دوست رکھتا ہوں اور مسطح کا وظیفہ اور نفقہ دوبارہ جاری کر دیا۔

جب بھی دل میں غصہ کے سبب کینہ پیدا ہو تو کوشش کر کے اور اپنے نفس سے جھگڑ کر اس پر احسان کرنا چاہیے۔ یہ درجہ صدیقوں کا ہے اور بڑی فضیلت والا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ o

"برائی کو بھلائی (احسان) سے دور کرو جب تم ایسا کرو گے تو جس سے تمہاری عداوت ہے وہ تمہارا گہرا دوست بن جائے گا مگر یہ چیز اسے نصیب ہوتی ہے جو بڑے صبر والے ہیں یہ چیز اسے پہنچتی ہے جس کی قسمت میں اللہ نے وافر نصیبہ لکھ دیا"

دُشمن کو نہ صرف معاف کرنا بلکہ الٹا اس پر احسان کرنا بڑی ہمت و عظمت اور فضیلت کی

بات ہے اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو کم از کم اسے معاف کرے اور درگزر فرمائے کہ یہ درجہ زاہدوں کا ہے اور معاف کرنے درگزر کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور کوئی ایسا نہیں جس نے کسی کی خطا بخشی ہو اور حق تعالیٰ نے اسے قیامت میں بڑی عزت نہ دی ہو اور جو بھیک مانگنے کی عادت ڈالے گا حق تعالیٰ اس کو افلاس میں مبتلا کر دیں گے۔

حضور اقدس ﷺ نے عقید بن عامر کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کیا میں تجھے خبر دوں کہ دنیا اور دین میں بہترین خلق کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ جو کوئی تجھ سے قطع محبت کرے تو اس سے دوستی کرے اور جو کوئی تجھ کو محروم کرے تو اس کو عطا کرے اور جو کوئی تجھ پر ظلم کرے تو اس کو معاف کر دے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: یا اللہ! تیرے بندوں میں کون تجھے زیادہ عزیز ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ بندہ جو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کر دے۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب لوگ قیامت میں محشور ہوں گے تو منادی آواز دے گا جس کا اللہ پر حق ہے وہ اٹھے تو ہزاروں ایسے لوگ اٹھیں گے جنہوں نے دنیا میں دوسروں کی خطائیں بخشیں تھی، اور بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔

سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نوجوانو! شجاعت ایک لمحہ کا صبر ہے۔ حالت غضب میں اگر انسان ایک لمحہ صبر کر لے تو قتل کرنے سے بچ جاتا ہے۔ طلاق دینے سے بچ جاتا ہے، خودکشی سے بچ جاتا ہے، جھگڑے اور پولیس کچہری سے بچ جاتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی سے بچ جاتا ہے۔

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ سیدنا غوث الاعظم کے صدقے ہم سب کو غصہ پینے، معاف کرنے درگزر کرنے اور مخالف پر احسان کرنے کی توفیق دے۔ آمین

تکبر و غرور اور اس کا علاج

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اسی طرح اللہ ہر متکبر اور جابر کے تمام دل پر مہر لگا دیتا ہے" جان لیں کہ کبر صرف اللہ کو سزاوار ہے۔ اللہ کے سوا جس کسی نے بھی تکبّر و غرور کی چادر اوڑھی وہ ہلاک و برباد ہو گیا۔ تکبّر کے معنی یہ ہے کہ انسان خود کو دوسروں سے بہتر سمجھے اور اس خیال سے دل میں غرور پیدا ہو۔ تکبر اس قدر بری اور معیوب صفت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبّر ہو گا وہ بہشت میں نہیں جائے گا"۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "تکبّر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ لوگ ان کو اپنے پاؤں سے روندیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: "تکبّر ایسا گناہ ہے کہ کوئی عبادت متکبر کو نفع نہ دے گی" حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا۔ اللہ اسے سر بلند فرمائے گا جو تکبر کرے گا اللہ اس کو حقیر کر دے گا اور جو شخص اسراف کے بغیر خرچ کرے گا اللہ اس کو تونگری عطا فرمائے گا اور جو اسراف کرے گا اس کو محتاج کر دے گا اور جو کوئی حق کو زیادہ یاد کرے گا اللہ اس کو دوست رکھے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نبی ملک یا نبی عبد بننے کا اختیار دیا گیا۔ میں نے جبریل کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا اللہ کے لیے تواضع اختیار کیجیے۔ چنانچہ میں نے نبی عبد بننے کو پسند کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم کسی متواضع کو دیکھو تو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور متکبر کو دیکھو تو اس کے ساتھ تکبر سے پیش آؤ تا کہ وہ ذلیل و خوار ہو۔ حضور نے ایک بار صحابہ سے پوچھا کیا بات ہے کہ میں تم میں عبادت کی حلاوت نہیں پاتا۔ صحابہ نے عرض کیا عبادت کی حلاوت کیا چیز ہے؟ فرمایا تواضع۔

ایک بار لوگ حضرت سلمان فارسی کے سامنے ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے تو انہوں نے فرمایا لوگوں! میری ابتداء اور آغاز ایک نطفہ ہے اور میرا انجام ایک مردار ہے۔ جب قیامت میں اعمال کو تولیں گے تو اگر میری نیکیوں کا پلّہ بھاری ہوا تو میں بزرگی والا ہوں نہیں تو ذلیل وخوار ہوں
جان لیں کہ ابلیس کو برباد کرنے والی چیز اس کا تکبر تھا۔ اس نے آدم کے لیے کہا: "اَنَـا خَيْـرٌ مِّـنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ" میں آدم سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔

تکبر کے اسباب: تکبر کا پہلا سبب علم ہے۔ علم سے آراستہ عالم دوسروں کو اپنے سامنے جانوروں کی طرح سمجھتا ہے۔ تکبر اس پر غالب ہوتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ دوسروں سے خدمت و تعظیم کا امیدوار ہوتا ہے۔ اگر کوئی ذی فہم اس کی تعظیم نہ کرے تو اس بات پر حیران ہوتا ہے۔ کسی سے ملاقات کر کے یا دعوت قبول کر کے اس پر احسان کرتا ہے۔ ایسا عالم آخرت کے معاملے میں سمجھتا ہے کہ بس میری تو نجات ہوگئی جب کہ دوسرے خطرے میں ہیں نیز دوسرے اس کی دعا اور نصیحت کے محتاج ہیں اور اس کے وسیلے سے نجات پائیں گے۔ اسی بنا پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''تکبر علم کی آفت ہے۔'' حقیقت میں ایسے شخص کو عالم کے بجائے جاہل کہنا زیادہ درست ہے سچا عالم آخرت کی دشواریوں اور صراط مستقیم کی باریکیوں کو پہچانتا ہے اور خود کو ان باتوں سے دور رکھتا ہے وہ آخرت کے خطرے سے ڈرتا ہے۔ وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ بے عمل عالم پر زیادہ عذاب ہوگا۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں لیکن وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم جیسا کوئی دوسرا قاری نہیں اور جو ہم جانتے ہیں، دوسرا نہیں جانتا۔ میری امت کے لوگوں! ایسے لوگ تم میں سے ہی ہوں گے اور وہ سب دوزخی ہوں گے۔

حضور اقدس ﷺ جملہ علوم و معرفت کے معدن ومخزن ہیں جملہ عارفین کے سردار ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو تواضع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" اپنی اتباع کرنے والے مومنوں کے واسطے اپنے رحمت کے بازو بچھا دیجیے یعنی ان کے ساتھ نرمی، رحمت اور تواضع سے پیش آیئے۔ حضور کے صحابہ ہمیشہ اس بات سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ان سے تکبر نہ سرزد ہو جائے۔ ایک بار حضرت حذیفہ نے امامت فرمائی۔ دوبارہ جب

ان سے امامت کے لیے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کسی اور کو امام بنالو کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میں تم سے بہتر ہوں۔

تکبر کا دوسرا سبب زہد و عبادت ہے۔ بعض عابد و زاہد از روئے تکبر چاہتے ہیں کہ خدا کے بندے ان کی خدمت کریں، ان کا دیدار کریں، ان سے شرف ملاقات حاصل کریں۔ وہ اپنے آپ کو نجات یافتہ جبکہ دوسروں کو قعرِ ہلاکت میں دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے جھگڑے یا ستائے اور بالفرض وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو کہتے ہیں ہماری کرامت دیکھی، ہمارے حضور بے ادبی کی اس کو کیسی سزا ملی۔

حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص دوسروں کی ہلاکت چاہے گا وہ خود ہلاک ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایسے متکبر کی عبادت کا ثواب و درجہ دوسرے کو دے دیا جائے۔ روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا عابد و زاہد تھا۔ وہ ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا اور اس پر ایک ابر کا ٹکڑا سایہ فگن تھا۔ ایک فاسق شخص نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ شاید اللہ اس نیک شخص کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے اس عابد کے پاس جا بیٹھا۔ عابد نے اس فاسق کو دھتکارا تو ابر کا ٹکڑا اس فاسق کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت کے رسول پر وحی نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان دونوں سے کہہ دو کہ از سر نو عمل کریں۔ میں نے فاسق کے گناہ اس کے نیک گمان کے سبب بخش دیے اور عابد کی عبادات اس کے تکبر کے سبب برباد کر دی۔

ایک شخص نے ایک عابد کی گردن پر پاؤں رکھ دیا، عابد نے کہا اپنا پاؤں ہٹا لے ورنہ خدا کی قسم تو رحمت الٰہی سے محروم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے رسول پر وحی نازل فرمائی کہ اس عابد سے کہہ دو کہ تو نے قسم کھا کر مجھ پر حکم چلایا ہے کہ میں اس کو نہ بخشوں گا میں اس کے بجائے تجھے نہیں بخشوں گا۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی کسی عابد کو ستاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ستانے سے یہ خدا کے غضب میں مبتلا ہوگا۔ عنقریب اسے سزا ملے گی۔ اگر کسی کو نقصان پہنچے تو وہ اسے اپنی کرامت گردانتے ہیں۔ ان احمقوں کو علم نہیں کہ بہت سے کفار نے حضور ﷺ کو ستایا مگر حق تعالیٰ نے ان سے انتقام نہ لیا بلکہ ان میں سے بعض کو مشرف باسلام کیا۔ سچے مومن ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ حضرت عمر اکثر حضرت حذیفہ سے پوچھتے تھے کہ کیا تم مجھ میں نفاق کی کوئی علامت پاتے ہو؟

ایک دن صحابہ ایک شخص کی بے حد تعریف کر رہے تھے اتنے میں وہ آ گیا۔ صحابہ نے عرض

کیا یا رسول اللہ ﷺ یہی وہ شخص ہے جس کی ہم تعریف کر رہے تھے۔ حضور نے اس شخص سے فرمایا:
سچ سچ بتانا کیا تیرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ ان لوگوں میں تجھ سے بہتر کوئی نہیں۔ اس نے کہا
ہاں یہ خیال آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ نفاق ہے۔ حضور نے نور نبوت سے اس شخص کا خبث
باطن جان لیا تھا اور اس پر آشکار کر دیا۔

تیسرا سبب نسب اور خاندان کا تکبر ہے۔ اپنے آپ کو سید زادہ یا پیر زادہ سمجھنا اور دیگر
لوگوں کو محکوم، غلام اور رعیت سمجھنا۔ اگر اس بات کا زبان سے اظہار نہ کیا جائے تو حالتِ غضب میں
ان سے دل کی بات ظاہر ہو جاتی ہے غصے میں یہ کہتے ہیں تمہاری یہ اوقات، یہ بساط کہ مجھ سے گفتگو
کرو! کیا تم اپنے آپ کو بھول گئے ہو!

حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں میرا کسی سے جھگڑا ہو گیا میں نے اس کو "ابن السوداء"
اے حبشن کے بیٹے کہہ کر مخاطب کیا تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مت بھولو کہ کسی گوری کے بیٹے کو
کسی کالی کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حضور سے یہ بات سن کر میں ڈرا اور اس شخص کے پاس جا
کر کہا کہ اٹھ اور اپنا پاؤں میرے منہ پر رکھ دے تا کہ اس بات کا بدلہ ہو جائے۔ حضرت ابوذر نے
اس قدر عاجزی اور خاکساری کا اظہار اس لیے کیا تا کہ ان کا وہ تکبر ختم ہو جائے۔

منقول ہے کہ دو افراد حضور کے سامنے تفاخر کا اظہار کر رہے تھے ایک نے کہا میرا باپ
فلاں تھا دادا فلاں تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دو لوگ تفاخر کر رہے
تھے ایک نے کہا میرا باپ فلاں ہے۔ دادا فلاں ہے یہاں تک کہ اس نے نو پشتوں تک اپنے
بزرگوں کے نام گنا ڈالے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول ہوا کہ اے موسیٰ اس سے کہہ
دو کہ تیرے اسلاف میں سے وہ نو افراد تو دوزخی ہیں کیا تو بھی دوزخ میں جائے گا؟۔ پھر حضور نے
فرمایا: جو لوگ دوزخ میں جل کر کوئلہ ہو گئے ہیں ان کے نام ونشان سے بڑائی کا اظہار مت کرو ورنہ
اللہ کے نزدیک تم گوبر کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو گے۔

تکبر کا چوتھا سبب حسن و جمال ہے۔ یہ اکثر عورتوں میں ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ نے ایک
عورت کو پست قد کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا تم نے بدگوئی کی۔ حضرت عائشہ کا اس طرح فرمانا اپنے
قد کے ناز کے باعث تھا۔

تکبر کا پانچواں سبب مال و دولت ہے۔ بالعموم مالدار دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے اور

کوئی ان میں یوں کہتا ہے کہ تجھ جیسے مفلس وقلاش جتنے چاہے خرید لوں۔

تکبر کا چھٹا سبب قوت وطاقت ہے۔اس کا اظہار کمزوروں پر ظلم کر کے کیا جاتا ہے۔

تکبر کی علامات:

۱۔ تکبر کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ یہ چاہنا کہ لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں۔حضور اقدس ﷺ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ کوئی آپ کے واسطے سروقد کھڑا ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں: جو کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے اسے چاہیے کہ ایسے شخص کو دیکھ لے جو خود بیٹھا ہو اور دوسروں کو سامنے کھڑا رکھے۔

۲۔ تکبر کی علامات میں سے یہ ہے کہ تکبر کے باعث کسی سے ملنے کے لیے نہ جانا۔

۳۔ تکبر کی علامات میں سے یہ ہے کہ متکبر شخص نہیں چاہتا کہ کوئی غریب مسکین یا درویش شخص اس کے قریب بیٹھے۔

۴۔ تکبر کی علامات میں سے ہے کہ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے نہ کرنا ہے۔

۵۔ تکبر کی علامات میں سے ہے کہ گھر کا سامان سودا سلف خود اُٹھا کر نہ لے جانا۔

٦۔ تکبر کی علامات میں سے ہے کہ لباس فاخرہ کے بغیر گھر سے نہ نکلے۔

تکبر کا علاج: ایسا مرض جو سعادت کا راستہ بند کر دے اور انسان کو بہشت سے محروم کر دے۔ اس کا علاج فرض عین ہے۔دنیا میں شاید ہی کوئی ہو جو اس مرض میں مبتلا نہ ہو۔ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کو پہچانے اور جانے کہ بزرگی وعظمت صرف اللہ عزّ وجل کو سزاوار ہے۔پھر اسے چاہیے کہ اپنی حقیقت پر غور کرے کہ اسے ایک بوند پانی سے پیدا کیا گیا۔پیدائش سے پہلے یہ بے نام ونشاں تھا مرنے کے بعد مردار ہو جائے گا اور جب تک زندہ ہے گندگی اور غلاظت پیٹ میں اٹھائے پھرتا ہے۔پھر غرور کس بات پر؟۔نیز اس بات پر غور کرے کہ آخرت میں کیا معاملہ پیش آنا ہے اگر اللہ کو ناراض کیا تو عذاب پر کیسے صبر کرے گا۔اس وقت حالت عذاب میں یہی سوچے گا کہ کاش میں سور یا کتا ہوتا کہ مر کر خاک ہو گیا ہوتا۔انہیں اعمال کی جوابدہی نہیں کرنی۔ جبکہ میرا یہ انجام ہوا تو مجھ سے وہی بہتر تھے اور جب انجام کار کا علم نہیں تو زہد وعبادت علم وعرفان پر فخر وغرور سے کیا حاصل؟ تکبر وغرور ایسی صفت ہے جو عبادات کو لمحوں میں رائیگاں کر دینے والی ہے لہٰذا ایسی بری صفت سے بچنا ہر حال میں ضروری ہے۔

اگر کسی مجرم کو پکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا جائے اور اسے کچھ دنوں بعد پھانسی کی سزا ہونی ہو یا زیادہ عذاب کا ڈر ہو تو کیا وہ فخر وغرور کرے گا؟ بالکل اسی طرح سارے بندے اللہ کے قیدی ہیں اور بندوں سے بے حد گناہ سرزد ہوئے ہیں اور وہ اپنے انجام سے بے خبر ہیں تو ایسی جگہ تکبر و غرور کیا گنجائش ہے؟

تکبر کا عملی علاج یہ ہے کہ تمام احوال میں تواضع کا طریقہ اختیار کیا جائے اور تواضع یہ ہے کہ اپنے علاوہ دیگر تمام کو اپنے سے بہتر گمان کرے اگر سامنے بڑی عمر کا شخص ہو تو دل میں اپنے آپ سے کہے کہ اس کی عمر زیادہ ہے یقیناً اس کی نیکیاں مجھ سے زیادہ ہوں گی لہٰذا یہ مجھ سے بہتر ہے۔ اگر چھوٹی عمر کا شخص ہے تو دل میں کہے کہ اس کی عمر مجھ سے کم ہے یقیناً اس کے گناہ مجھ سے کم ہوں گے۔ اگر سامنے گناہگار فاسق اور کافر بھی آئے تو دل میں کہے کہ نہ معلوم انہیں مرنے سے پہلے توبہ کرنے اور اسلام قبول کرنے کی توفیق مل جائے اور میرا خاتمہ ایمان پر نہ ہو سکے تب یقیناً یہ بہتر اور افضل ہوئے۔ اگر کوئی جانور سامنے آئے تو دل میں کہے کہ انہیں اپنے کیئے کا حساب نہیں دینا جبکہ مجھ سے سوال کیا جائے گا حضور اقدس ﷺ کی عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ دو جہاں کے سردار، نبی مختار باعث عالم ہونے کے باوجود زمین پر تشریف فرما ہو کر کھانا تناول فرمائے۔ کھانا کھاتے ہوئے تکیہ استعمال نہ کرتے اور فرماتے میں تو بندہ ہوں اسی طرح کھاؤں گا جس طرح بندے کھاتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتے۔ گھر کے کاموں میں ازواج کا ہاتھ بٹاتے۔ گھر کا سودا سلف خود اٹھا کر لے جاتے۔ جانوروں کو چارہ ڈالتے۔ اونٹ کو باندھتے۔ بکری کا دودھ نکالتے۔ نعلین کی خود مرمت کرتے۔ کپڑوں میں پیوند اپنے ہاتھ سے لگاتے۔ خادم کے ساتھ کھانا کھاتے، چکی پیسنے میں خادم کی مدد کرتے۔ امیر وغریب سب کو سلام کرنے میں پہل کرتے۔ مصافحہ فرماتے۔ دین کے معاملات میں امیر وغریب میں فرق نہ کرتے۔ دعوت قبول کرتے، جو بھی کھانا سامنے پیش کیا جاتا اس پر حقارت کی نظر نہ ڈالتے۔ رات کا کھانا صبح کے لیے نہ رکھتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ نیک خو، کریم الطبع، شگفتہ رو اور متبسم رہا کرتے۔ کبھی کسی سے درشتی نہ فرماتے۔ روئے مبارک پر فرحت نمایاں رہتی۔ سب کو شفقت کی نظر سے دیکھتے آپ ﷺ نہایت رقیق القلب تھے۔ کبھی کسی سے طمع نہ رکھتے اور ہمیشہ سر اقدس جھکائے رکھتے۔

رِیا اور اُس کا علاج

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے جو بھی اپنے رب کے دیدار کا آرزومند ہو تو اس کو چاہیے کہ عمل صالح (اخلاص کے ساتھ عمل) کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا کسی نے اسے بتایا کہ فلاں مقام پر لوگ ایک درخت کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ غصے میں آیا اور کلہاڑا لے کر اس طرف چلا کہ جس درخت کو لوگ اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہیں میں اسے جڑ سے کاٹ دوں گا۔ نہ درخت ہوگا نہ اس کی پوجا کی جائے گی۔ راستے میں اسے شکل انسانی میں شیطان ملا پوچھا کہاں جارہے ہو۔ عابد نے بتایا کہ میں نے سنا ہے فلاں مقام پر لوگ ایک درخت کی پوجا کرتے ہیں میں اس درخت کو کاٹنے جارہا ہوں تاکہ لوگوں کو اس مشرکانہ عمل سے بچاؤں۔ شیطان نے کہا کیا تم نبی یا رسول ہو؟ عابد نے کہا نہیں۔ شیطان نے کہا کیا تمہیں رب نے اس کام کے کرنے کا حکم دیا؟ اس نے کہا نہیں۔ شیطان نے کہا پھر دوسروں کے معاملے میں کیوں ٹانگ اڑاتے ہو۔ نہ تم نبی ہو نہ رسول، نہ ہی تمہیں اس بات کا امر کیا گیا ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ عابد نے کہا میں ضرور اس درخت کو کاٹوں گا۔ شیطان نے کہا میں تجھے ایسا کرنے نہ دوں گا دونوں گتھم گتھا ہوں گئے۔ عابد شیطان کو پچھاڑ کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ شیطان نے کہا اگر تم اپنے ارادے سے باز آجاؤ تو میں تمہیں روز دو دینار دوں گا اور ویسے بھی جس کام کے لیے تم نکلے ہو اس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا۔ عابد نے سوچا کہ بات صحیح ہے مجھے اس بات کا حکم نہیں ہوا اور مفت میں روز دو دینار مل رہے ہیں، ایک خرچ کروں گا دوسرا خیرات کردوں گا۔ عابد اس کی بات مان گیا۔ چند روز تک دینار ملتے رہے پھر ملنا بند ہو گئے۔ عابد کو بڑا غصہ آیا وہ پھر کلہاڑا لے کر درخت کاٹنے چلا راستے میں پھر شیطان ملا۔ عابد نے اسے پکڑ لیا کہ تو نے دھوکا دیا صرف چند روز دینار ملے پھر ملنا بند ہو گئے۔ اب میں درخت کاٹ کے دم لوں گا۔ شیطان کے

کہاں میں تجھے ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ دونوں پھر لڑنے لگے۔ اس دفعہ شیطان نے عابد کو زیر کر لیا اور سینے پر سوار ہو گیا۔ عابد بڑا حیران ہوا کہنے لگا اس دن میں نے تجھے بآسانی زیر کر لیا تھا آج اس کا الٹ ہو گیا اس کا کیا سبب ہے؟ شیطان نے کہا اُس دن تو صرف اللہ کے لیے مجھ سے لڑ رہا تھا اور مخلصین پر میرا کوئی زور نہیں چلتا آج تو دیناروں کے واسطے لڑ رہا ہے اس لیے مغلوب ہو گیا جا، چپ چاپ واپس لوٹ جا نہیں تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ عابد وہاں سے لوٹ آیا۔

یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ جب تک عمل میں اخلاص ہے، اعمال مقبول ہیں اور مخلصین پر شیطان کا زور نہیں چلتا کہ قرآن میں ہے شیطان نے کہا میں سب کو گمراہ کر دوں گا "اِلَّا عِبَادَکَ الْمُخْلَصِیْنَ" سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

جان لیں کہ اللہ کی عبادت اور بندگی میں ریا کرنا (دکھاوا کرنا) بہت بڑا گناہ اور شرک کے قریب ہے۔ عبادت گزاروں کو سب سے زیادہ خطرہ ریا سے ہے کہ ریا اعمال کو برباد اور نیکیوں کو گناہوں میں بدل دینے والی ہے۔ جب عبادت کا مقصود خلائق بن جائے تو وہ عبادت نہیں بلکہ خلق پرستی ہے۔ خالق کی عبادت کے ساتھ مخلوق کی خوشنودی کا دھیان شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ○ پس ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں اور جو دِکھاوا کرتے ہیں۔

رِیا اور اخلاص میں فرق کرنے والی چیز نیت ہے۔ اگر صرف نیت درست رکھی جائے دل میں اللہ کی رضا اس کی خوشنودی کی مدنظر رکھا جائے تو اعمال خالص ہو جاتے ہیں اور دل میں نیت لوگوں کی خوشنودی یا لوگوں کو دکھاوا ہو تو انسان ریا کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بڑا ضروری ہے کہ ہر عمل سے پہلے نیت کو درست لیا جائے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا ایک مرتبہ میرے بال بہت بڑھ گئے تھے۔ میرے پاس بال کٹانے کے لیے پیسے نہ تھے میں ایک حجام کی دوکان پر گیا وہ اس وقت ایک امیر آدمی کے بال تراشنے میں مصروف تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا تو اللہ کے لیے میرے بال تراش سکتا ہے؟ یہ سنتے ہی حجام نے اس امیر آدمی سے کہا کہ مجھے تم سے زیادہ ضروری کام پڑ گیا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر میرے بال تراشنے لگا۔ بڑی محبت سے میرے بال کاٹے۔ پھر جیسے ہی میرے پاس مال آیا تو میں حجام کے پاس گیا اور اسے رقم دینا چاہی تو وہ ناراض

ہوا کہنے لگا جو کام میں نے محض اللہ کی خاطر کیا تم مجھے اس کا معاوضہ دینا چاہتے ہو؟

کسی نے حضور سے پوچھا نجات کس چیز میں ہے؟ فرمایا: ''تو خدا کی بندگی کرے اور ریا کے واسطے عمل نہ کرے''۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اس سے پوچھا جائے گا تو نے دنیا میں خدا کی کیا طاعت کی وہ کہے گا میں نے خدا کی راہ میں اپنی جان فدا کی اور جہاد میں مارا گیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا، تو نے جہاد اس واسطے کیا کہ لوگ تجھے بڑا بہادر سمجھیں۔ حکم ہوگا اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ دوسرے شخص کو لایا جائے گا اس سے بھی یہی سوال کیا جائے گا وہ کہے گا میں نے راہ خدا میں اپنا مال خرچ کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے خرچ اس لیے کیا تا کہ لوگ تجھے سخی کہیں۔ حکم ہوگا اسے بھی دوزخ میں ڈال دو۔ پھر تیسرے شخص کو لایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ تو نے خدا کی کیا طاعت کی وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا قرآن سیکھا اور اس پر محنت شاقہ کی حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے علم اس لیے حاصل کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں۔ حکم ہوگا اس کو بھی دوزخ میں ڈال دو۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کے معاملے میں کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا ان کے چھوٹے شرک سے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ رِیا ہے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائیں گے اے رِیاکاروں تم ان کے پاس جاؤ جنکو دکھانے کے لیے تم میری عبادت کرتے تھے اور اپنے عمل کی جزا ان ہی سے مانگو۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''جُبُّ الحزن'' (غم کے گڑھے) سے پناہ مانگو۔ صحابہ نے دریافت کیا، وہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ جہنم کا ایک غار ہے جو رِیاکار عالموں کے لیے بنایا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جس عمل میں ذرّہ برابر بھی رِیا شامل ہوگا۔ حق تعالیٰ اسے قبول نہ فرمائے گا۔

حضرت عمر نے ایک بار حضرت معاذ کو روتے دیکھا تو سبب پوچھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تھوڑا ریا بھی شرک ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ریاکار کو قیامت میں ندا ہوگی ''اے ریاکار! اے مکار تیرا عمل ضائع ہوا، تیرا اجر باطل ہوگیا، جا اپنا اجر اور مزدوری اس سے مانگ جس کے لیے تو نے عمل کیا تھا''۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ایک بار حضور ﷺ کو اشکبار دیکھا تو سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' مجھے خوف ہے کہ میری امت کے لوگ شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔

وہ بت پرستی یا ستارہ پرستی نہیں کریں گے مگر عبادت ریا کے ساتھ کریں گے''۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں عرش کے سائے میں صرف وہ شخص رہے گا جس نے دائیں ہاتھ سے صدقہ دیا اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی۔

ریا کے معنی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پارسا ظاہر کرے تاکہ لوگ اس کی عزت کریں، اسے نیک سمجھیں اور ان کے دلوں میں اس کے لیے جگہ پیدا ہو۔ اس کے کئی طریقے ہیں مثلاً بدن سے عبادات یا روزہ دار ہونے کا اظہار کرنا۔ دبلا ہو جانا، چہرہ زرد کر لینا، ہونٹ خشک کر لینا تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ بڑا عبادت گزار، شب بیدار اور روزہ دار ہے۔ یا میلے کچیلے، پیوند لگے لباس پہننا تاکہ لوگ گمان کریں کہ اس کو عمدہ لباس سے کوئی سروکار نہیں یا لبوں کو ایسے جنبش دینا کہ لوگ ذاکر سمجھیں یا علم و معرفت کی باتیں اس انداز سے کرنا کہ لوگ ولی یا عارف سمجھیں۔ یا عبادات میں لوگوں کو دکھانے کے لیے خشوع و خضوع کا اظہار کرنا تاکہ لوگ عابد و زاہد سمجھیں یا لوگوں پر مریدوں اور شاگردوں کی کثرت کا اظہار کرنا تاکہ لوگوں کو اس کی بزرگی و شان کا پتہ چلے۔

ریا کی ایک قسم یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے برائی اور گناہ سے اجتناب کرے مگر خلوت میں ان تمام کا ارتکاب کرے۔ تنہائی میں نہ اپنے عیوب پر نظر دوڑائے نہ ہی توبہ واستغفار کرے مگر لوگوں کے سامنے اگر کسی کو غیبت یا برائی کرتا دیکھے تو یوں کہے کہ آدمی کو اپنے عیب دیکھنے چاہئیں۔

ریائے خفی یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کو لوگوں کے سامنے نہ بجالائے۔ تنہائی میں شب بیداری تہجد اور عبادات میں مشغول رہے اور بظاہر اس میں ریا کی کوئی علامات نہ ہوں۔ لیکن اگر لوگ اس کے معاملات سے باخبر ہو جائیں اور کہیں کہ فلاں شخص بڑا تہجد گزار ہے اور وہ اس بات پر دل میں خوشی اور انبساط محسوس کرے تو یہ ریائے خفی ہے۔ ایسی ریا ہے جو اس کے دل میں چھپی ہوئی ہے۔

ریائے خفی میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو سلام نہ کرے اس کی تعظیم نہ کرے اس کو ترجیح نہ دے اور وہ اپنے دل میں متعجب ہو کہ مجھ جیسے عابد، تہجد گزار، شب بیدار کی اس نے تعظیم و تکریم نہ کی، اس کو میری بزرگی کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن علماء سے پوچھا جائے گا ''کیا تم لوگوں نے اپنا مال ارزاں فروخت نہ کیا؟ اور کیا لوگوں نے تمہاری تعظیم و تکریم نہ کی؟ اور تم کو سلام کرنے میں پہل نہ کی؟'' یعنی یہ سب چیزیں

تمہاری عمل کی جزا تھیں جو تم نے حاصل کرلیں اور اپنے اعمال کو خالص نہ چھوڑا۔

عبادت گزاروں کے لیے ضروری ہے کہ اپنی عبادات کو ایسے چھپائیں جیسے وہ اپنی معصیت کو چھپاتے ہیں کہ کوئی بھی نہیں چاہتا کہ اس کی معصیت کا دوسرے کو پتہ چلے۔

اس بات سے خوش ہونا کہ لوگ اس کی عبادت پر واقف ہوں اور اسے اچھا جانیں، ریا سے خالی نہیں لیکن اللہ کے فضل کو، اس کی دی ہوئی توفیق کو دھیان میں رکھ کر خوش ہونا ریا نہیں ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے "قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا" "آپ فرمادیں کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشیاں مناؤ"۔ نیز عبادات کا اظہار اس طور پر کرنا کہ دوسرے اس کی اقتداء کریں اور سعادت مند ہوجائیں، ریا نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں اس کے نام مخفی ثواب لکھا جائے گا۔

ریا انتہائی خطرناک بیماری ہے اس کا بروقت علاج واجب ہے اگر یہ مرض جڑ پکڑ لے تو علاج مشکل ہوجاتا ہے۔ مشکل اس لیے کہ لوگ بچپن سے ریاکاری کے عادی ہوچکے ہوتے ہیں۔

ریاکاری کا علمی علاج یہ ہے کہ ریا کے ضرر اور اخروی نقصانات کو پہچانے۔ ریا کی مضرت اس قدر ہے کہ انسان برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی شہد کھانے کا شوقین ہو اور اسے شہد میں زہر ملا کردے دیا جائے اور بتادیا جائے کہ اس میں زہر ہے تو باوجود اشتیاق کے وہ اس شہد کو نہ کھائے گا

ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ جو دین کی حمیت سے جہاد کرتا ہے یا اس لیے کہ لوگ اس کی شجاعت کو دیکھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو کلمہ توحید کو بلند کرنے کے لیے جہاد کرے گا اس نے راہِ حق میں جہاد کیا۔ حضور نے اس ارشاد میں اشارہ کیا کہ انسان نہ اپنی تعریف کا خواہاں ہو نہ کسی کی مذمّت سے ڈرے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو اونٹ کی رسی حاصل کرنے کے لیے جہاد کرے گا تو اس نے جس چیز کی نیت کی وہی اسے ملے گی۔ پس لازم ہے کہ اپنی تعریف اور مدح کو قیامت میں رسوائی و عذاب کے اندیشے سے ترک کردے کہ بروز حشر منادی کی جائے گی اے ریاکار! اے فاسق! تو نے خدا کی عبادت کو مخلوق کی تعریف کے عوض بیچ دیا، لوگوں کے دلوں کو راضی کیا لیکن خالق کی رضامندی کا تجھے خیال نہ آیا۔

ریا کا عملی علاج یہ ہے کہ خیرات، طاعات اور عبادات کو گناہوں کی طرح چھپائے۔ اگر یہ باتیں مخلوق پر ظاہر ہوجائیں تو مخلوق کی تعریف پر خوش نہ ہو بلکہ اسے اللہ کی توفیق جانے اور اس

آیت کو مدنظر رکھے۔ "فَمَنْ جَآءَ کَ مِنْ حَسَنَةٍ قُلْ فَمِنَ اللّٰہ" جب تمہیں بھلائی میں سے کچھ پہنچے تو کہو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

چاہیے کہ وسوسوں سے اجتناب کرے اور دل میں ان وساوس کو اچھا نہ جانے۔ صحابہ نے حضور سے وسوسوں کی شکایت کی کہ ہمیں ایسے خیالات آتے ہیں کہ اس کے بجائے ہمیں آسمان سے زمین پر پٹخ دیں تو بھلا ہو۔ حضور نے فرمایا: یہ (ایسے وسوسوں کو دل میں برا جاننا) صریحاً ایمان ہے

ضروری ہے کہ اعمال کے اخلاص میں مزید کوشش کرے کہ اخلاص شیطان کو پگھلاتی ہے۔ ہر عمل سے پہلے دل میں اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کی نیت کرے۔

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ ہم سب کو ریاکاری سے بچائے اور اخلاص سے مزین فرمائے۔ آمین

عام مسلمانوں کے حقوق

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَةٌ ط

''وہ لوگ جو باوجود شدید ضرورت کے اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں''

بروز حشر سوالات تین طرح کے حقوق کے تحت کیے جائیں گے۔ حقوق اللہ۔ حقوق الرسول اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ کے تحت اوامر و نواہی کے بارے میں استفسار ہوگا کہ اللہ کے احکامات پر کتنا عمل کیا اور اس کی منع کردہ چیزوں سے کتنا اجتناب کیا۔ حقوق الرسول کے تحت حضور ﷺ اور آپ کی آل سے محبت کے بارے میں سوال ہوگا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی''. ''آپ فرما دیں کہ میں اپنے تمام تر احسانات کے عوض کسی اجر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ میرے قرابتداروں سے محبت رکھی جائے''۔ حضور سے پوچھا گیا کہ آپ کے وہ قرابتدار کون ہیں جن کی محبت ہم پر فرض کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ قرابتدار علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔ نیز اسی زمرے میں یہ بھی پوچھا جائے گا کہ حضور ﷺ کی کس قدر اتباع کی آپ کے احکامات و منہیات پر کتنا عمل کیا کہ حق تعالیٰ کا حکم ہے۔ ''وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ''۔ ''جو بھی یہ رسول تمہیں عطا کریں، حکم دیں اسے پکڑ لو یعنی اس پر عمل کرو اور جس سے وہ منع کریں اس سے باز آجاؤ۔''

تیسرا سوال حقوق العباد کے تحت ہوگا کہ خویش، اقربا، دوست احباب اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ کیسے معاملات رکھے ان کے حقوق کس قدر ادا کیے اور کتنوں کی حق تلفی کی۔ اب بڑا ضروری ہے کہ مسلمانوں کے ہم پر جو حقوق ہیں ہمیں ان کا علم ہو اور کیونکہ ہر مسلمان سے ہمارا اسلامی قرابت کا رشتہ ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کے حق میں یہ بات مدنظر رکھنی ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

پہلا حق یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے اذیت اور تکلیف نہ دے۔ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ سے فرمایا جانتے ہو مسلمان کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا

رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔'' صحابہ نے پوچھا مومن کون ہوتا ہے؟ فرمایا: ''مومن وہ ہے جس سے ایمان والوں کو اپنے مال و جان میں کوئی خوف وخطرہ نہ ہو۔ صحابہ نے پوچھا مہاجر کون ہوتا ہے؟ فرمایا: ''جو برے کام کرنے چھوڑ دے۔''

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کی طرف آنکھ سے اس طرح اشارہ کرے جس سے اسے تکلیف پہنچے اور نہ یہ حلال و جائز ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اہل دوزخ پر ایک خارش مسلط کرے گا تو وہ اس قدر اپنے جسموں کو نوچیں گے کہ ہڈیاں ننگی ہو جائیں گی۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا بتاؤ یہ کیسی تکلیف ہے؟ اہل دوزخ کہیں گے یہ سخت عذاب ہے پھر ان کو بتایا جائے گا یہ اس لیے ہے کہ تم دنیا میں مسلمانوں کو اذیت اور تکلیف دیا کرتے تھے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں نے جنت میں ایک شخص کو کیف و مستی میں جھومتے دیکھا اور اسے یہ مقام محض اتنی سی بات سے حاصل ہوا کہ دنیا میں اس نے ایک راستے سے ایسا درخت کاٹ دیا تھا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔

دوسرا حق یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے۔ دوسرے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں کہ اگر جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی اعضا کو بھی اس کا احساس ہوتا ہے۔

تیسرا حق یہ ہے کہ کسی کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے کہ اللہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میری طرف وحی نازل ہوئی کہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آؤ تاکہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔ حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ بیوہ عورتوں اور مسکینوں کے کام آتے۔ ان کی حاجات پوری کرتے اور اس بات کو پسند نہ فرماتے کہ کوئی کسی کی طرف حقارت سے دیکھے۔

چوتھا حق یہ ہے کہ کسی مسلمان کے حق میں چغل خور کی بات کا اعتبار نہ کرے کہ اعتبار عادل کی بات کا ہوتا ہے جب کہ چغل خور فاسق ہے اور فاسق کی بات غیر معتبر ہے۔ حدیث شریف میں

ہے کہ کوئی چغلخور بہشت میں نہ جائے گا اور جو تمہارے سامنے دوسروں کی بدگوئی کرتا ہے وہ اس کے سامنے تیری بدگوئی کرتا ہوگا لہٰذا ایسے جھوٹے سے کنارہ کشی ضروری ہے۔ حضور ﷺ صحابہ کو منع فرماتے کہ میرے سامنے کسی کی برائی نہ کرو کہ اس سے میرے قلب کی صفائی مکدر ہوتی ہے۔

پانچواں حق یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی سے ناراض نہ رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے حلال و جائز نہیں کہ مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔ اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں ابتداء کرے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا: میں نے تیرا درجہ اور نام اس لیے بلند کیا کہ تو نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر تو اپنے بھائی کی غلطی اور خطا کو معاف کرے گا تو تیری عزّت و بزرگی میں اضافہ ہوگا۔

چھٹا حق یہ ہے کہ جو بھی پاس آئے خواہ وہ نیک ہو یا بد، ہر ایک سے نیک سلوک کرے۔ حدیث میں ہے ہر ایک کے ساتھ نیکی سے پیش آ۔ کیونکہ وہ اگر نیکی کا اہل نہیں تو، تُو نیکی کرنے کا اہل ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایمان کے بعد عمدہ عقلمندی کی بات لوگوں سے پیار و محبت کرنا اور نیک و بد، ہر ایک کے ساتھ نیک سلوک کرنا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر کوئی حضور ﷺ سے بات کرنے کے لیے آپ کا دست مبارک تھامتا تو آپ ﷺ اپنا ہاتھ اس سے نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا نہ اس سے اپنا چہرہ مبارک پھیرتے اور اس کی بات مکمل ہونے تک صبر وضبط سے کام لیتے۔

ساتواں حق یہ ہے کہ بوڑھوں کی عزت کرے اور چھوٹوں سے شفقت و نرمی سے پیش آئے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو شخص بوڑھوں کی عزت اور چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سفید بالوں کی عزت کرنا خدا تعالیٰ کی عزت کرنا ہے۔ اور آپ نے فرمایا جو جوان بوڑھوں کی عزت ملحوظ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت کسی جوان کو اس کی خدمت پر مامور کرتا ہے جو اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتا ہے۔ حضور کے اس فرمان میں اس جوان کی درازی عمر کی بشارت ہے۔

جب حضور اقدس ﷺ سفر سے تشریف لاتے تو بچوں کو اپنی سواری پر آگے اور پیچھے بٹھا لیتے۔ لوگ اپنے چھوٹے بچوں کو حضور کی خدمت میں نام تجویز کرانے یا دعا کرانے کے لیے

لاتے تو آپ ﷺ بچے کو لے کر اپنی گود میں بٹھاتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ بچہ آپ کی گود میں پیشاب کر دیتا تو لوگ شور مچاتے اور بچے کو اٹھانے کی کوشش کرتے تو آپ ﷺ فرماتے اب اسے گود میں ہی رہنے دو، اب اس پر سختی نہ کرو اور اس کا پیشاب نہ روکو۔ آپ بچے کے ماں باپ کے سامنے کپڑے نہ دھوتے تاکہ وہ رنج و تکلیف نہ محسوس کریں۔ جب وہ باہر چلے جاتے تو آپ کپڑے پاک فرماتے۔

آٹھواں حق یہ ہے کہ تمام مسلمانوں سے خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے پیش آئے اور سب کے ساتھ ہنسی خوشی رہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کشادہ رو، آسانی مہیا کرنے والے بندے کو دوست رکھتا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا آسانی مہیا کرنا، کشادہ پیشانی رہنا اور خوش زبان ہونا ایسا نیک کام ہے جو مغفرت و بخشش کا ذریعہ ہے۔

نواں حق یہ ہے کہ کسی مسلمان کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرے۔ حدیث پاک میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور امانت میں خیانت کرے۔

دسواں حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے عیوب و نقائص چھپائے۔ حدیث شریف میں ہے جو آدمی اس جہان میں مسلمانوں کے عیب چھپاتا ہے کل قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ ستار العیوب ہے اور اس نے ہمیں صفات الٰہیہ اپنانے کا حکم دیا اور ستار العیوبی کی صفت کو اپنانا بے حد آسان ہے کہ ہم لوگوں کے عیب و نقائص سے صرفِ نظر کریں، ان پر پردہ ڈالیں۔ شب اسریٰ حضور اقدس ﷺ کو خرقہ درویشی عطا ہوا۔ حضور نے اپنے صحابہ سے پوچھا کہ اگر یہ تمہیں دیا جائے تو کیا کرو گے۔ حضرت علی نے فرمایا: میں عیب پوشی کروں گا تو حضور نے وہ خرقہ حضرت علی کو عطا فرمایا۔ معلوم ہوا درویشی، عیب پوشی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کرے، تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے اور تمہارا عذر قبول کرے تو تم بھی لوگوں کے گناہوں کو چھپاؤ۔

گیارہواں حق یہ ہے کہ کسی کی غیبت کرنے یا تہمت لگانے سے بچے تاکہ مسلمانوں کے دل اس کے متعلق بدگمانی اور مسلمانوں کو زبانیں اس کی غیبت سے بچی رہیں۔

بارہواں حق یہ ہے کہ کسی مسلمان کے عیب کے بارے میں تجسس نہ کرے اللہ نے فرمایا:

"وَلَا تَجَسَّسُوْا" اور تجسس مت کرو! حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو کسی شخص کی ایسی طرف کان لگائے جس کا سننا ان کو پسند نہ ہو تو ایسے شخص کے کانوں میں، قیامت میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جائے گا۔

تیرہواں حق یہ ہے کہ سب مسلمانوں سے حُسن ظن رکھے اور سوء ظنی سے بچے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" زیادہ گمان کرنے سے بچو، بیشک بعض گمان (بدگمانیاں) گناہ ہیں۔

اس بات کی کوشش اور جدوجہد میں رہے کہ مسلمانوں کے دل اس سے خوش رہیں اور اس سے لوگوں کی حاجت برآری ہوتی ہو۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان بھائی کی حاجت برآری کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے ساری عمر خدا تعالیٰ کی خدمت کرتا رہا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو آدمی دن یا رات میں ایک گھڑی کسی کی حاجت روائی کے لیے جاتا ہے، چاہے وہ پوری ہو یا نہ ہو: یہ بات مسجد میں دو ماہ اعتکاف سے افضل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **الخلق عیال اللّٰہ، اللّٰہ احب الناس من ینفع لعیالہ**" مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ ایسے انسان سے محبت رکھتا ہے جو اس کے کنبے کو نفع پہنچائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سب سے زیادہ اس نیکی کو پسند کرتا ہے جس سے کسی مسلمان کا دل خوش کیا جائے۔ اور فرمایا دو برائیاں ایسی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں ایک اللہ سے شرک دوسرا مخلوق خدا کو تکلیف دینا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کو مسلمان کی تکلیف کا احساس نہیں وہ ہم میں سے نہیں"۔

حضرت معروف کرخی فرماتے ہیں جو شخص روزانہ تین بار کہتا ہے: "**اللھم اصلح امة محمد ﷺ اللھم ارحمہ امة محمد ﷺ اللھم فرج عن امة محمد ﷺ**" اے اللہ اُمت محمد ﷺ کی اصلاح کر، اے اللہ امت محمد ﷺ پر رحم کر، اے اللہ امت محمد ﷺ سے مصائب و مشکلات دور کر۔ ایسے شخص کا نام ابدال کے گروہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

پندرہواں حق یہ ہے کہ جس سے واقفیت اور آشنائی ہو اس کی بیمار پرسی کرے حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص بیمار کی عیادت کرتا ہے۔ جب تک اس کے پاس بیٹھا ہوتا ہے بہشت کے درمیان بیٹھا ہوتا ہے اور جب لوٹتا ہے تو اس کے واسطے ستر ہزار فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں جو رات تک اس کے واسطے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔

سولہواں حق یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جائے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو شخص جنازے کے ساتھ جاتا ہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو تدفین تک وہاں موجود رہے اسے دو قیراط ثواب ملے گا اور ہر قیراط کا وزن کئی احد پہاڑوں کے برابر ہوگا۔

سترہواں حق یہ ہے کہ زیارت قبور کے لیے جایا کرے، ان کے لیے دعا کیا کرے اور انہیں دیکھ کر عبرت گیر ہوا کرے اور اپنے آپ کو یہ بات یاد دلائے کہ یہ لوگ پہلے آخرت کو سدھار گئے اور مجھے بھی جلد ان کی جگہ جانا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص قبر کو زیادہ یاد رکھتا ہے وہ قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ پائے گا اور جو قبر کو فراموش کر دے گا وہ اسے دوزخ کے غاروں میں سے ایک غار پائے گا۔

حضرت ربیع بن خثیم تابعی بزرگ گزرے ہیں۔ جب ان کے دل میں غفلت پیدا ہوتی تو قبر میں جا کر لیٹ جاتے اور عرض کرتے اے رب مجھے پھر دنیا میں بھیج تا کہ گناہوں کا تدارک کر کے آؤں اور پھر قبر سے اٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے اے ربیعہ تجھے اللہ نے دنیا میں بھیج دیا اب اس کی راہ میں خوب کوشش کر کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے جب تجھے دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جائے گا۔

اٹھارواں حق یہ ہے کہ کبھی کسی کا حق نہ مارے، حق تلفی نہ کرے بلکہ اپنا حق اپنے بھائی کے لیے ایثار کر دے۔ آج ہمارا کیا حال ہے، ہم دوسروں کا حق چھیننے کے لیے اُسے قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ دوسروں کا حق مارنے، جائیداد، زمینوں، مکانوں اور اموال پر قبضہ کرنے کا کوئی موقع جانے نہیں دیا جاتا۔ خوف خدا نام کی کوئی چیز ہم میں نہ رہی۔ آخرت میں جوابدہی کا احساس تک نہیں رہا۔ حضور اقدس ﷺ کے پاس دو صحابی زمین کا تنازع لے کر آئے دونوں ملکیت کے دعویدار تھے حضور ﷺ نے فرمایا ہو سکتا ہے میں تمہاری گفتگو اور دلائل کی بنا پر کسی ناحق کے حق میں فیصلہ دے دوں مگر یاد رکھو اگر اس دنیا میں کسی کا حق غصب کیا تو زمین کا یہ ٹکڑا کل قیامت میں اس کے گلے کا طوق ہوگا۔ یہ سن کر دونوں کہنے لگے کہ یہ ٹکڑا میرے بھائی کو دے دیں مجھے نہیں چاہیے۔ حضور نے پوچھا کہ تمہارے کتنے بچے ہیں ایک نے کہا میرا ایک لڑکا ہے دوسرے نے کہا میری ایک لڑکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں کی شادی کر دو اور یہ زمین کا ٹکڑا ان دونوں کو تحفہ میں دے دو۔

انیسواں حق یہ ہے جن دو مسلمانوں میں ناراضگی ہو، کوشش کر کے ان میں صلح کروائے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں خبر دوں کہ نماز روزہ اور صدقہ سے بھی افضل کون سا عمل ہے؟ وہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں ایک دن حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے تبسم فرمایا: حضرت عمر نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نے کس بنا پر تبسم فرمایا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے دو افراد قیامت میں اللہ ربُّ العزّت کے حضور دو زانوں گریں گے ایک عرض کرے گا بار خدایا اس سے میرا انصاف دلا کہ اس نے دنیا میں مجھ پر ظلم کیا تھا حق تعالیٰ دوسرے شخص سے فرمائیں گے کہ اس کا حق اس کو دے۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب میری تمام نیکیاں پہلے ہی اہل حقوق مجھ سے چھین لے گئے اب تو میرے پاس کچھ نہیں بچا۔ حق تعالیٰ مظلوم سے کہیں گے یہ بے چارہ کیا کرے اس کے پاس تو کوئی نیکی باقی نہیں۔ مظلوم عرض کرے گا میرے گناہ اس کے ذمے ڈال دے تو اس کے گناہ ظالم کے ذمے ڈال دیے جائیں گے اس کے باوجود حساب بے باق نہ ہوگا۔ یہ فرما کر آپ ﷺ رو پڑے فرمایا یہ ہے ظلم عظیم کہ اُس روز ہر شخص اس بات کا حاجتمند ہوگا کہ اس کا بوجھ ہلکا ہو۔ گناہ ظالم کے کھاتے میں ڈالنے کے باوجود جب حساب بے باق نہ ہوگا اور مظلوم اپنے حق کا تقاضہ کرے گا تو حق تعالیٰ مظلوم سے فرمائیں گے دیکھ تیرے سامنے کیا ہے وہ عرض کرے گا میں چاندی کے بڑے شہر اور سونے، جواہر اور مروارید سے مرصع محلات دیکھ رہا ہوں۔ یہ کس پیغمبر یا صدیق یا شہید کے لیے ہیں؟ حق تعالیٰ فرمائیں گے یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے مظلوم عرض کرے گا ان کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تُو اس کی قیمت اَدا کرسکتا ہے۔ وہ پوچھے گا کیسے؟ حق تعالیٰ فرمائیں گے۔ اس طرح کہ تُو اپنے بھائی کے حقوق معاف فرما دے۔ مظلوم عرض کرے گا اے میرے رب میں نے سارے حقوق معاف کیے تو اللہ عزّ وجل فرمائیں گے اُٹھ اور اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل ہو جا۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مخلوق میں صلح کراؤ کہ اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائے گا۔

اللہ عزّ وجل سے دعا ہے کہ ہمیں ان تمام حقوق کی پاسداری کی توفیق دے اور کسی کی بھی حق تلفی سے ہمیں بچائے۔ ہماری ذوات کو مسلمانوں اور دیگر مخلوقات کے حق میں سراسر فائدہ مند بنائے اور ہمیں ایسا بنا دے کہ ہماری زبان اور ہمارے ہاتھ سے سارے مسلمان محفوظ رہیں۔ آمین

معرفت

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا

تخلیق انسانی کا اصل مقصد معرفت الٰہی کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ میں نے انسانوں اور جنوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اقدس نے فرمایا کہ الالیعبدون سے مراد الالیعرفون ہے کیونکہ اس ذات کی کماحقہ، عبادت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی معرفت حاصل نہ ہو۔ اگر اللہ کو خالی رکوع و سجود ہی مقصود ہوتے تو انسانوں کی تخلیق کی کیا ضرورت تھی جبکہ یہ کام لاتعداد اور ان گنت فرشتے نہ جانے کب سے سرانجام دے رہے ہیں۔ پتا چلا کہ انسان کی پیدائش میں کوئی خاص مقصد پنہاں ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فاخلقت الخلق ''میں ایک مخفی خزانہ تھا پس مجھے اس بات سے محبت ہوگئی کہ میں پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ایک ایسی مخلوق ہو جن کے سینے اس کے اسرار و انوار کے گنجینے ہوں جو اس کے حقائق و معارف کے شناسا ہوں اور اس کے قرب و وصول کے متلاشی ہوں اس کے دیدار کے ارادت مند ہوں اس کی صحبت کے طلبگار ہوں تو اس نے حضرت انسان کو پیدا کیا اور اپنی خلافت و نیابت کا تاج اس کے سر پر رکھا۔ ساری کائنات اور جو کچھ بھی اس میں ہے سب کو اس کے لیے مسخر کیا اور اسے (انسانوں کو) صرف اپنی ذات کے لیے بنایا۔ یہ تو تھا تخلیق بنی آدم کا مقصد کہ معرفتِ الٰہی حاصل کی جائے اور یہ صرف چند لوگوں کے لیے مقصود نہیں بلکہ معلمِ کائنات نبی مکرم رسول محتشم فرماتے ہیں طلب العلم فریضة کل المسلم و المسلمة علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ یہاں العلم کی بات ہو رہی ہے۔ الف لام کی شمولیت نے لفظ علم کو اسم نکرہ سے اسم

معارفہ بنادیا یعنی کوئی خاص الخاص علم جیسے کہ الکتاب سے مراد کوئی مخصوص کتاب ہے یعنی قرآن مجید۔ اسی طرح العلم سے مراد معرفتِ الٰہی ہے جس کو حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ یہ علم ہے کیا؟ یہ معرفت ہے کیا؟ یہ صرف ایک نقطہ ہے جو کوئی مردِ کامل سمجھا دے۔ اسی لیے باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا العلم نقطة علم ایک نقطہ ہے۔ یہ نقطہ اگر سمجھ میں آ گیا تو سب کچھ سمجھ میں آ گیا اگر اس نقطے اور اس راز سے جاہل رہا تو ہزاروں کتابیں پڑھ کر بھی نرا جاہل رہا۔ یہ نقطہ مرد عارف کی صحبت کے علاوہ کہیں نہیں حاصل ہو سکتا جو اس راز کو جانتے ہیں وہ معرفت میں علم الیقین کے مرتبے پر فائز ہیں جنہوں نے اس راز کا مشاہدہ کر لیا وہ عین الیقین میں آ گئے اور اس کے بعد آخری منزل حق الیقین کی ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ بادشاہ کے بارے میں سننا علم الیقین ہے، بادشاہ کو دیکھنا عین الیقین ہے اور خود بادشاہ ہو جانا حق الیقین ہے۔

معرفت کے راز کو صوفیاء نے اشاروں، کنایوں میں سمجھایا ہے۔ ایک کامل فقیر سے کسی طالب حق نے پوچھا، حق تک رسائی کیسے ممکن ہے، معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے، وصل کیسے نصیب ہوتا ہے؟ اس کامل فقیر نے کہا جن دِنوں میں جنگلوں میں چلہ کشی میں تھا میں نے موسم خزاں میں درخت دیکھا اس کے پتے جھڑ چکے تھے، برگ و بار کا نام و نشاں تک نہ تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ سرسبز و شاداب ہوگا پھر برگ و بار سے لبریز ہوگا، مگر جب موسم خزاں گزر گیا، موسم بہار آیا تو وہی درخت برگ و بار سے بھر گیا۔ نئے پتے نکل آئے، پھل پھول سے لبریز ہو گیا۔ یہ پتے پھول اور پھل کیا اس درخت پر باہر سے آ کر لگے؟ نہیں۔ بلکہ ان تمام کا اسی درخت سے ظہور ہوا، اپنے ظہور سے پہلے وہ تمام اسی درخت میں پوشیدہ و پنہاں تھے صرف بات یہ تھی کہ پہلے ان کے ظہور کا وقت نہیں ہوا تھا، جب وقت آیا تو اسی درخت میں سے پتوں، پھولوں اور پھلوں کا ظہور ہو گیا۔ اے طالب! بالکل اسی طرح تمام تر حقیقتیں تیری اپنی ذات میں پنہاں ہیں۔ بس ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں ہوا جب تجھ پر سے یہ موسم خزاں بیت جائے گا، موسم بہار آئے گا تو تُو بھی درخت کی طرح سے معرفت، قرب اور وصل کے اثمار سے لبریز ہو جائے گا۔ موسم خزاں میں درخت سوکھنے کے باوجود زمین سے، اپنی اصل سے پیوستہ تھا اگر اپنی اصل سے منقطع ہو جاتا تو باوجود اس میں برگ و بار پنہاں ہونے کے، ان تمام کا ظہور نہ ہوتا۔ اسی طرح اے طالب تجھ پر لازم ہے کہ ہجر کے ان ایام میں اپنی اصل یعنی مرشد کامل سے منقطع نہ ہو اگر منقطع ہو گیا، تیرا تعلق ٹوٹ گیا تو باوجود ان تمام خوبیوں کے پنہاں ہونے کے، ان تمام کا ظہور نہ ہو سکے گا

اور اگر تُو اپنی اصل سے پیوستہ رہا تو تجھ پر سے ایک دن یہ موسم خزاں بیت جائے گا اور تیری اپنی ذات سے تیری اصل حقیقت کا ظہور ہو گا۔

اسی نقطہ کو سمجھاتے ہوئے مولانا جلال الدین رومی نے مثنوی میں ایک حکایت بیان کی کہ ایک سمندری سفر میں ایک تاجر کے پاس ایک قیمتی ہیرا تھا۔ اس پر ایک شخص کی نگاہ پڑ گئی۔ تاجر نے بھانپ لیا کہ اس کی نیت صحیح نہیں۔ اس نے وہ ہیرا چھپا دیا۔ رات کو وہ شخص اُٹھا اور اس نے تاجر کے سامان کی تلاشی لی، مگر ہیرا نہ ملا۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے تاجر نے کسی اور کے پاس اسے رکھ دیا ہو۔ سارے سفر کے دوران وہ سب لوگوں کے سامان میں ہیرے کو تلاش کرتا رہا مگر نہ ملا۔ جب سفر تمام ہوا تو اس نے تاجر سے پوچھا کہ کیا آپ نے وہ ہیرا سمندر میں پھینک دیا؟ میں نے اسے ہر جگہ تلاش کیا مگر نہ ملا؟ تاجر نے کہا نادان تُو میرے اور دوسروں کے سامان میں اسے تلاش کرتا رہا، میں نے اسے تیرے اپنے سامان میں چھپا دیا تھا۔ یہ حکایت بیان کر کے مولانا روم فرماتے ہیں بالکل اسی طرح جس ذات حق کو تم دوسروں کے پاس تلاش کر رہے ہو، آسمانوں میں ڈھونڈتے ہو، وہ ذات تمہارے اپنے اندر پنہاں ہے۔ حق تعالیٰ نے اسے تمہاری اپنی ذات میں چھپا دیا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے جانشین خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو خط میں یہ حدیث لکھی اور یہ بھی فرمایا کہ علماء ان باتوں کو نہ مانیں گے مگر مجھے یہ علم براہِ راست حضور اقدس ﷺ نے سکھایا۔ فرماتے ہیں ایک دن حضور اقدس ﷺ چند صحابہ کے سامنے اسرارِ الٰہیہ بیان فرما رہے تھے۔ ان اصحاب میں سیّدنا صدیق اکبر، سیّدنا علی المرتضیٰ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت حذیفہ یمانی اور حضرت ابوذر غفاری تھے۔ اتنے میں حضرت عمر تشریف لائے تو حضور اقدس نے اپنی لسان مبارک سے مخاطب ہو کر فرمایا اے زبان اب بس کر۔ صحابہ کے دل میں خیال گزرا کہ ان باتوں کو حضرت عمر سے چھپایا جا رہا ہے۔ حضرت عمر نے بھی یہ سُن کر دریافت کیا یا رسول اللہ! ایسی کیا بات ہے جسے آپ مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں؟ حضور اقدس نے فرمایا یہ بات نہیں کہ میں تم سے چھپانا چاہتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اگر شیر خوار بچّے کو ثقیل غذا دی جائے تو وہ اسے ہضم نہیں کر سکتا مگر جب وہ بڑا ہو جاتا ہے اور ثقیل غذا کو ہضم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے پھر اسے وہ غذا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر نے اشتیاق سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ان اسرار میں سے کچھ بتائیں تو حضور اقدس نے فرمایا: اے عمر! من عرف اللہ لایقول اللہ و من یقول اللہ ماعرف اللہ جو اللہ کو پہچان جاتا ہے وہ اللہ اللہ نہیں کہتا اور جو اللہ اللہ کہتا ہے اس نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں۔ حضرت عمر

نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کیسی معرفت ہے کہ بندہ اپنے رب کو نہ پکارے۔ حضور نے فرمایا پکارا اسے جاتا ہے جو دُور ہو، اللہ تو اپنے بندوں سے نہایت قریب ہے۔ پھر حضور نے اس بات کی وضاحت کی تو حضرت عمر نے تعجب سے پوچھا اس خاک کے پتلے میں بولنے والا، دیکھنے والا، سننے والا کون ہے؟ تو حضور نے فرمایا وہی بول رہا ہے، وہی دیکھ رہا ہے وہی سن رہا ہے۔

لا موجود الا اللہ یعنی اس تمام کائنات میں صرف ایک ذات واحد موجود ہے اور یہ بات اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک مسئلہ وحدت الوجود سمجھ میں نہ آئے۔ وحدت الوجود کے راز کا اظہار سب سے پہلے سبط رسول اور تمام جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''مراۃ العارفین'' میں کیا۔ اس کے بعد اس کی تفصیلی وضاحت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''فصوص الحکم'' میں کی۔ ذیل میں اسی تصنیف لطیف یعنی ''فصوص الحکم'' کی شرح ''اسرار القدم'' میں سے مسئلہ وحدت الوجود کی وضاحت کی جاتی ہے تا کہ اولیاء اللہ کے ماننے والے اس حقیقت کے شناور ہو جائیں۔ یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ شیخ الاکبر کی تالیف ''فصوص الحکم'' حقیقتاً حضور کا کلام مبارک ہے جیسا کہ کتاب کے دیباچے میں درج ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے خواب میں ابن عربی کو یہ کتاب دکھائی اور اسے تحریر کرنے کا حکم دیا۔ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ حقیقتاً یہ سارا کلام سرکارِ دو عالم کا ہے اس میں میرے وہم وگمان اور قیاس کا مطلق دخل نہیں۔

وحدت الوجود: حقیقتاً جب ذات باری تعالیٰ مرتبہ احدیت میں تھی تو ایک چھپے ہوئے خزانے کے مانند تھی۔ اس وقت تمام اسماء صفات الٰہیہ، عالم اور عالم میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے علم میں بالکل اسی طرح موجود تھیں جس طرح درخت اپنے ظہور سے قبل بیج میں موجود ہوتا ہے اور حروف اپنے ظہور سے قبل سیاہی میں موجود ہوتے ہیں۔ اللہ کے تمام اسماء وصفات کا وجود اس کے علم میں موجود تھا مگر ان کا ظہور نہ ہوا تھا۔ اسی طرف حدیث قدسی میں اشارہ ہے کنت کنزاً مخفیاً (میں ایک مخفی خزانہ تھا) جب ذات باری تعالیٰ نے اپنے ظہور کا ارادہ کیا تو مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں آیا۔ اس مرتبہ میں اسماء وصفات الٰہیہ کا ظہور علمی اجمالی ہوا۔ مرتبہ وحدت حقیقت محمدی کا مرتبہ ہے۔ مرتبہ وحدت سے ذات باری تعالیٰ نے مرتبہ واحدیت میں تنزل فرمایا۔ مرتبہ واحدیت میں اسماء صفات الٰہیہ کا ظہور علمی تفصیلی ہوا۔ یہ تینوں مراتب یعنی احدیت، وحدت اور واحدیت مراتب حقی ہیں پھر اسماء وصفات الٰہیہ کا ظہور مراتب خلقی میں پہلے عالم ارواح

کی صورت پر ہوا پھر عالم مثال کی صورت پر پھر عالم اجسام کی صورت پر ہوا۔ مراد یہ ہے کہ وہی اللہ مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ مرتبہ احدیت تنزیہی مرتبہ ہے اور مرتبہ عالم تشبیہی مرتبہ ہے۔ یعنی تنزیہہ اور تشبیہ اللہ تعالیٰ کی دو شانیں ہیں اس عالم میں جو شے بھی وارد ہے وہ اپنے ظہور سے قبل اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھی۔ شے کا وہ وجود جو مرتبہ احدیت میں ذات باری کے علم میں تھا، اس شے کا عین ثابتہ ہے۔ تمام اعیان ثابتہ علم الٰہی میں مندرج تھے۔ یہی اعیان ثابتہ عالم میں وارد شدہ اشیاء کی اصل ہیں تو اب ضروری ہے کہ ہر وارد شدہ شے کو اپنی اصل کے ساتھ لاحق کیا جائے جس طرح درخت قبل از ظہور بیج میں موجود تھا اور بیج کا ظہور درخت کی صورت پر ہوا نہ درخت بیج سے جدا ہے اور نہ ہی بیج درخت سے۔ درخت کا وجود بیج سے ہے اور بیج کا ظہور درخت سے ہے۔ بیج اصل ہے اور درخت اس کی فرع ہے۔ بیج مقام تنزیہہ ہے اور درخت مقام تشبیہ ہے۔ اسی طرح عالم کی ہر شے فرع ہے اور اس کی اصل ذات باری تعالیٰ ہے۔ ہر شے اپنے ظہور سے قبل اللہ تعالیٰ کی ذات میں مندرج تھی اور بعد از ظہور اشیاء، اللہ تعالیٰ ہر شے میں موجود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے تشبیہ در تنزیہہ اور تنزیہہ در تشبیہ ثابت ہے۔ پس وہی ذات مراتب حق میں قدیم ہے اور مراتب خلقی میں حادث ہے۔ تنزیہہ در تشبیہ کا ثبوت ''وفی انفسکم افلا تبصرون'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں تمہارے نفسوں میں موجود ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں؟''

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب ایک ہی ذات واحدہ کا عالم میں ظہور ہے تو پھر مومن و کافر اور نیک و بد کا تفاوت کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عالم میں موجود ہر شے اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم کی مظہر اور اس کی کسی نہ کسی صفت سے موصوف ہے اور اس کے اسماء صفات لامتناہی ہیں۔ اس کی صفات آپس میں تضاد بھی رکھتی ہیں مثال کے طور پر صفت رحیم و کریم، اسی کی صفت قہار و جبار کے متضاد ہے۔ اسم ہادی اور اسم مضل میں تضاد ہے۔ اگرچہ دونوں ایک ہی ذات کی صفات ہیں۔ پس جو اسم ہادی کا مظہر ہے وہ ہدایت پر ہے اور اسم مضل کا مظہر گمراہی پر ہے اور یہ دونوں اللہ کی صفتیں ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے حروف اور الفاظ پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ہر حرف اور ہر لفظ آپس میں متفاوت ہے کہیں حروف کو یکجا کر کے آیات قرآنیاں تحریر ہیں اور کہیں انہیں حروف کو یکجا کر کے بیہودہ اور فضول باتیں لکھیں ہوئی ہیں۔ ایک سراپا نور ہے ایک سراپا نار ہے۔ بظاہر ان حروف و عبارات کی اشکال اور معانی میں تفاوت ہے مگر ان تمام کی حقیقت ایک ہے اور وہ ہے سیاہی۔ حروف کسی بھی شکل میں اپنے ظہور سے قبل سیاہی میں موجود تھے اور ان حروف کی

صورت پر حقیقتاً سیاہی کا ظہور ہے۔ حروف کا وجود سیاہی کے ساتھ ہے اور سیاہی کا ظہور حروف کے ساتھ ہے۔ عالم کا وجود حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور حق تعالیٰ کا ظہور عالم کے ساتھ ہے۔ حضرت انسان مراتب حقی اور مراتب خلقی کا جامع ہے اپنے ظہور کے اعتبار سے حادث اور وجود کے اعتبار سے قدیم ہے کہ اس کا اصل وجود اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھا۔

انگور کا بیج زمین میں بویا جائے تو اس سے اس کی حقیقت یعنی درخت کا ظہور ہوتا ہے۔ اب اگر بیج کی تلاش میں زمین کھودی جائے تو تحت الثریٰ تک اس بیج کا وجود نہ ملے گا وہ بیج گیا کہاں؟ اس بیج نے اپنی ہیت تبدیل کرلی اور درخت کی صورت پر ظاہر ہوگیا اب اگر بیج کی تلاش ہے تو اسی درخت کے ثمر کا کلیجہ چیریں، بیج وہاں موجود ہے۔ صرف ایک ہی ثمر میں نہیں بلکہ ہر ثمر میں موجود ہے یعنی وحدت، کثرت کی صورت میں نمودار ہوگئی اور اس تمام کثرت میں وہی ذات واحد یعنی بیج موجود ہے یعنی وحدت در کثرت۔ اس درخت کے ظہور سے قبل بیج میں یہ پورا درخت اور اس کے تمام اثمار موجود تھے یعنی کثرت در وحدت تھی۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات والا گرامی نے مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں اپنی ہیت تبدیل کی اور نور محمدی ﷺ کی صورت پر ظہور فرمایا (اول ماخلق اللّٰہ نوری) پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ سے اس تمام عالم اور اس میں موجود ہر شے کا ظہور ہوا (وخلق کلھم من نوری) یہی شجرۃ الکون ہے جس کی اصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہے اور فرع دیگر مخلوق۔ نائبان رسول یعنی اولیاء اللہ اسی شجرۃ الکون کے ثمر ہیں اب اگر ذات باری تعالیٰ کی تلاش ہے تو وہ نہ عرش پر ملے گی اور نہ کرسی پر، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں۔ آخر وہ ذات ہے کہاں جس کی تلاش میں عقل حیران و سرگرداں ہے۔ اے طالب! وہ ذات اولیاء اللہ کے سینوں میں بالکل اسی طرح موجود ہے جس طرح درخت کے پھل میں اس کی اصل یعنی بیج اور یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ اپنے پیارے حبیب کی زبان پر رب تعالیٰ خود فرمارہے ہیں "میں نہ آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ میں زمین میں، مگر قلب مومن ایسی جگہ ہے جہاں میں پورا سما جاتا ہوں۔ ایک اور حدیث میں آیا "قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ" "مومنین کے قلوب خدا کا عرش ہیں۔"

جب سالک پر یہ بات منکشف ہوجاتی ہے کہ اس کی اصل ذات باری تعالیٰ ہے (جیسا کہ حدیث شریف میں بھی وارد ہے) اول ماخلق اللّٰہ نوری و خلق کلھم من نوری حضور علیہ السلام نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے تمام کو پیدا فرمایا تو ہماری اصل حضور کی ذات ہوئی اور حضور کی اصل ذات باری تعالیٰ ہوئی۔ اگر

ایک مٹکے سے جگ میں پانی نکالا جائے پھر اس جگ سے گلاسوں میں پانی ڈالا جائے تو گلاس میں موجود پانی وہی پانی ہے جو مٹکے میں ہے تو کل شئی یرجوا الی اصلہ کے بمصداق وہ اپنی اصل یعنی ذات باری کی طرف رجوع کرتا ہے۔ رہبر طریقت کی رہنمائی میں مراتب ستہ طے کرتا ہے یعنی مرتبہ اجسام سے عالم مثال پھر عالم ارواح پھر مرتبہ واحدیت پھر مرتبہ وحدت اور پھر مرتبہ احدیت کی طرف عروج کرتا ہے عارف کی یہ سیر سیر عروجی کہلاتی ہے۔ مرتبہ احدیت میں تمام اعیان ثابتہ اور ہر شے کا علم اس کو اسی طرح حاصل ہو جاتا ہے جس طرح ہر شخص کو اپنی ذات کے ہر گوشوں کا پورا علم ہوتا ہے۔ یہاں اس کی سیر انتہاء کو پہنچتی ہے وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ ہر جگہ اس کا اپنا ہی ظہور ہے اور اب تک اسی کا ظہور ہوا ہے۔ شجر و حجر کی صورت پر، سبزہ و ریگ کی صورت پر کافر و مومن کی صورت پر اس کا اپنا ہی ظہور ہے۔ مست بادہ قیوم مولانا روم نے اسی مقام کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کیا خوب کہا ۔

ہفت صد و ہفتاد قالب دیدہ ام ہمچو سبزہ۔ بارہا روئیدہ ام

(میں نے سات سو ستر قالب دیکھے اور میں بار ہا سبزہ کی صورت پر نمودار ہوا)

یعنی ہر جا میرا اپنا ہی ظہور ہے۔

مرتبہ احدیت کے حصول کے بعد عارف کامل دوبارہ مرتبہ خلق کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اب اس کا ظاہر خلق اور باطن حق ہوتا ہے۔ بظاہر وہ عبد ہوتا ہے اور تمام ارکان شرعی بجالاتا ہے اور بباطن وہ رب ہوتا ہے۔ اس مقام پر وہ خود ہی عابد اور خود ہی معبود ہوتا ہے خود ہی ساجد اور خود ہی مسجود ہوتا ہے۔ یہاں اس کے لیے دو جہتیں ہیں جہت عبودیت اور جہت ربوبیت۔ اور یہ دونوں جہتیں ایک ہی ذات کی ہوتی ہیں۔

جان لیں کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جسد اور رُوح۔ رُوح کا تعلق عالم امر سے ہے، اس کی حقیقت حق تعالیٰ کی رُوح ہے جیسا کہ اس نے آدم علیہ السلام کے بیان میں فرمایا وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي اور پھونک دی آدم میں اپنی رُوح میں سے رُوح۔ رُوح عالم ذات سے ہے۔ انسان کی اصل حقیقت اس کی رُوح ہے اس خاک کے پتلے میں حرکت رُوح کے سبب ہے، وہی آنکھ کے ذریعے دیکھ رہی ہے، کان کے ذریعے سُن رہی ہے زباں کے ذریعے بول رہی ہے۔ جب وہ رُوح نکل جاتی ہے تو آنکھیں، کان اور زبان موجود ہوتے ہوئے بھی، انسان نہ دیکھ سکتا ہے نہ سُن سکتا ہے نہ بول سکتا ہے۔ ہر انسان کی اصل حقیقت رُوح ہے۔ جسد بلا رُوح کی

کوئی اہمیت نہیں۔ رسالہ غوث الاعظم میں حق تعالیٰ نے سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے کلام کرتے ہوئے فرمایا "اے غوث الاعظم! ساری کائنات سواری ہے اور انسان (انسان کامل) اس پر سوار ہے۔ انسان سواری ہے، رُوح اس پر سوار ہے اور رُوح سواری ہے، میں اس پر سوار ہوں۔"

پانی اور آگ بظاہر دو متضاد چیزیں ہیں مگر جب پانی گرم کیا جاتا ہے تو آگ پانی میں سرایت کر جاتی ہے گویا گرم پانی میں مکانِ آگ ہے جو دِکھائی نہیں دیتا مگر ہاتھ ڈالیں تو جلا دیتا ہے۔ ہوا لطیف ہے نظر نہیں آتی مگر اس میں سے جب روشنی گزرتی ہے تو اس کی مکانیت میں خلل ڈالے بغیر ہوا میں مکانِ نور قائم ہو جاتا ہے اور ہم روز سورج کی کرنوں اور روشنی جلانے پر اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں بالکل اس طرح رُوح لطیف ہے اور اس کثیف جسد میں اس کا مکان ہے۔ حق تعالیٰ رُوح سے بھی لطیف تر ہیں اور رُوح کے بیچ میں بالکل اسی طرح مکان حق ہے جس طرح ہوا میں مکانِ نور یا گرم پانی میں مکانِ آگ۔

وصل جب ممکن ہے کہ مابین جدائی ہو۔ جب جدائی ہی نہیں تو وصال کیسا؟ جب فراق ہی نہیں تو ملاپ کیسا؟ وصل ہے مگر لوگ اس راز سے بے خبر ہیں۔ مچھلی کو دیکھیں دریا یا سمندر میں پیدا ہوئی، اسی میں ہی زندہ رہی اسی میں مرگئی۔ اگر مچھلی پوچھے کہ سمندر کہاں ہے؟ دریا کہاں ہے تو کوئی اسے کیا بتائے ؎

اگر مچھلی کہے دریا کہاں ہے   کوئی کیونکر بتائے کیا بتائے

مچھلی کو دریا کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب مچھیرا جال ڈال کر اسے دریا سے باہر نکالتا ہے۔ اب وہ تڑپتی ہے پھڑکتی ہے۔ جدائی ہوئی تو دوبارہ وصل چاہتی ہے۔ مچھلی کو دریا سے نکالا گیا تو فراق پیدا ہوا۔ اس عالم کوئی ایسا مچھیرا ہی نہیں جو ہمیں عالم ذات سے باہر نکال لے۔

اللّٰہُ ولا سواہُ

(اللہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں)

مقصدِ زندگی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو''

یہ دُنیاوی زندگی کس قدر مختصر ہے اور حیات بعد الممات کس قدر طویل اور نہ ختم ہونے والی ہے، اس بات کا اندازہ لگانا محال ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام ایک ہزار برس زندہ رہے آپ سے کسی نے پوچھا کہ اس قدرِ طویل عمر کو کیسا پایا حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: یہ طویل عرصہ اس قدر سرعت سے گزرا گویا مکان کے ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ اب تو زندگی مختصر ہوتے ہوتے 60-70-80 سال یا بہت زیادہ جیسے تو 100 سال رہ گئی۔ کہاں صرف سو سالہ زندگی اور کہاں بعد از ممات ہمیشہ ہمیشہ کی نہ ختم ہونے والی زندگی! کوئی موازنہ ہی نہیں۔ پھر ہم یہ دیکھیں کہ ہماری کس قدر کوششیں اس سو سالہ زندگی کے لیے ہیں اور کس قدر ہمیشہ کی زندگی کے لیے ہیں؟ ہم انجینئر، ڈاکٹر بننے کے لیے کس قدر کوشش کرتے ہیں جب کہ ان کے فوائد صرف اس زندگی تک محدود ہیں اور اس لامحدود، ہمیشگی کی زندگی کی بہتری کے لیے ہماری کوششیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''الدنیا مزرع الاٰخرۃ'' دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء ہے۔ جیسا ہم یہاں بوئیں گے ویسا ہی وہاں کاٹیں گے۔ اللہ عزّ وجل نے اہل ایمان کو اس آیت کریمہ میں ایک کم از کم ٹارگٹ دیا فرمایا: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور نہ مرنا مگر حالت اسلام میں''۔ یہ خطاب اہل ایمان سے ہے۔ لفظ ''اٰمنوا'' پر غور کریں تو اس میں چار حروف ہیں۔ الف، میم، نون، اور واؤ۔ الف، اللہ پر ایمان رکھنے والے، میم محمد ﷺ کو ماننے والے، نون سب نبیوں کو ماننے والے اور واؤ سب ولیوں کو ماننے والے۔

''یا ایھا الذین امنوا'' میں وہی لوگ داخل ہیں جو اللہ پر، اس کے رسول پر، سب نبیوں

پر اور سب ولیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایمان مجمل اور ایمان مفصل۔
ایمان مجمل جس میں ہم مجملاً اختصار سے ہر چیز پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔
"امنت باللہ کما ھو باسمائہ و صفاتہ و قبلت جمیع احکامہ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب" میں ایمان لایا اللہ پر اس کے جملہ اسماء وصفات پر اور میں اس کے سارے احکامات قبول کرتا ہوں۔ اس بات کا زبان سے اقرار کرتا ہوں اور دل سے تصدیق کرتا ہوں۔
دوسری قسم ایمان مفصل ہے۔ "امنت باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الأخر والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالی والبعث بعد الموت" "میں ایمان لایا اللہ پر اس کے سارے ملائکہ پر اس کی ساری کتابوں پر اس کے سارے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور اس بات پر کہ خیر وشر اس کی جانب سے ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر۔"
عموماً لفظ ایمان کے معنی ماننا لیے جاتے ہیں مگر نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں۔ "الایمان ھو الحب کلہ. الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ"۔ ایمان سارے کا سارا محبت ہے آگاہ ہو جاؤ۔ اس میں ایمان ہی نہیں جس کے دل میں میری محبت نہیں"۔ اصل ایمان نبی کریم ﷺ کی محبت ہے اگر یہ نہیں تو پہاڑ جیسے اعمال کے باوجود ایمان نہیں۔
حضور ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور سارے انسانوں سے بڑھ کر محبت نہ رکھے" تو حق تعالیٰ نے اہل ایمان، حضور کے محبین سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اللہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے، اللہ کی معیت کا دھیان رکھتے ہوئے گناہوں سے بچنا اور نیکیوں کو اختیار کرنے کا نام ہے تقویٰ کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ حضور ﷺ کتاب و حکمت سکھانے کے لیے تشریف لائے "ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" اور یہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور جس کو حکمت نصیب ہوگئی اس کو خیر کثیر مل گیا۔ اللہ نے فرمایا "مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا" جس کو بھی حکمت، دانائی عطا کی گئی پس بے شک اسے خیر کثیر عطا کیا گیا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا "رأس الحکمۃ مخافۃ اللہ" تمام تر حکمتوں، دانائیوں کا سرچشمہ اللہ کا خوف ہے۔
اللہ سے ڈرنا ہے، اللہ کا تقویٰ ہے۔ تو جس کو تقویٰ حاصل ہوا اس کو حکمتوں کا سرچشمہ مل گیا جس کو حکمت مل گئی اسے خیر کثیر مل گیا۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو یعنی مجھ

سے ڈرتے رہو، خوف خدا کے سبب گناہوں سے اجتناب کرو، اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے اوراعمال کی جوابدہی کے احساس سے لرزہ براندام رہواور مرتے دم تک اسلام پر قائم ودائم رہو۔ اللہ نے اہل ایمان اور اہل تقویٰ کوایک کم ازکم ٹارگٹ دے دیا۔ جوانہوں نے ہر حال میں حاصل کرنا ہے کہ سلامتی اسلام کے ساتھ مرنا۔

اب ضروری ہے کہ ہمیں یہ علم ہو کہ اسلام ہے کیا؟ لفظ اسلام، استسلام سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں تسلیم کرنا، قبول کرنا۔ حامل اسلام، مسلمان وہ ہے جواللہ اوراس کے رسول کے تمام تر احکامات کوتسلیم کرے اوران پر عمل پیرار ہے۔ جن جن چیزوں کا اللہ اوراس کے رسول نے حکم دیا ہم نے انہیں تسلیم کرنا ہے اوران پر عمل پیرا ہونا ہے اور جن جن چیزوں سے اللہ اوراس کے رسول نے ہمیں روکا ہے ان تمام سے اجتناب کرنا ہے۔ یعنی اسلام اوامر (احکامات) پرعمل کرنے اورنواہی (منہیات) سے اجتناب کرنے کا نام ہے۔

اوامر، احکامات کیا ہیں اللہ اوراس کے رسول نے ہمیں نماز کی ادائیگی کا حکم دیا، روزہ رکھنے کا حکم دیا، مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا، صاحب استطاعت پر حج کی ادائیگی کا حکم دیا۔ جہاد کا حکم دیا۔ سچ بولنے کی تاکید کی، ایفائے عہد کا حکم دیا اپنے مال کوضرورتمندوں پرخرچ کرنے کا حکم دیا۔ اپنی ذات سے دوسروں کوفائدہ پہنچانے کا حکم دیا۔ رزق حلال کھانے کا حکم دیا۔ ماں باپ کے احترام اور ان کی خدمت کا حکم دیا۔ انبیاء، اولیاء بزرگانِ دین کی تعظیم واحترم اوران کی اتباع کا حکم دیا وغیرہ۔

نواہی، جن چیزوں سے ہمیں روکا وہ حرام رزق، شراب، جوا، شرک، ماں باپ کی نافرمانی، جھوٹ، وعدہ خلافی، امانت میں خیانت، حسد، بغض، کینہ، لالچ، تکبر وغرور، مخلوق کی ایذا رسانی، قتل ناحق، مال اوردنیا کی محبت، ریاکاری، غصہ وغیرہ شامل ہیں۔

شیوہ مسلمانی یہ ہے کہ اپنی ذات سے کس مسلمان کوایذا نہ دے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ لہٰذا جس کس مسلمان کے ہاتھ وزبان سے یعنی قول وعمل سے دوسرے مسلمانوں کوایذا پہنچتی ہے وہ زمرہ مسلمانی سے خارج ہوجاتا ہے۔ بڑا ضروری ہے کہ اپنی زبان اوراپنا اعمال پرنگاہ رکھی جائے ہمیشہ دوسروں کے فائدے کے واسطے کوشاں رہا جائے اور ہر حال میں دوسروں کوتکلیف پہنچانے سے بچا جائے تاکہ شیوہ مسلمانی ترک نہ ہوسکے۔

اللہ نے اہل ایمان سے فرمایا: "لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ " نہ مرنا! اگر مرنا تو اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ آخری وقت تک ایمان سلامت رکھنے اور سلامتی ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا عوامل اختیار کیے جائیں جن سے مرتے دم تک ایمان سلامت رہے اور کن باتوں سے بچا جائے جن کی وجہ سے ایمان سلامت نہیں رہتا۔

ایمان کی ہلاکت: رزق حرام ایمان کے واسطے زہر ہے۔ رزق حرام کے سبب قلب سیاہ ہو جاتا ہے، زنگ آلود ہو جاتا ہے پھر اس میں صحیح چیز غلط نظر آتی ہے اور غلط چیز صحیح لہٰذا سلامتی ایمان کے لیے رزق حرام سے بچنا لازمی ہے۔

سلامتی ایمان کے لیے بدعقیدہ لوگوں سے میل جول اور بری صحبت سے اجتناب بڑا ضروری ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ صحبت صالح ترا صالح کنند کہ بروں کی صحبت برا بنا دیتی ہے اور صالحین کی صحبت صالح بنا دیتی ہے۔

ضروری ہے کہ احکام الٰہیہ کی نافرمانی سے بچے، قلب و ایمان کو برباد کر دینی والی بری صفات جیسے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، مخلوق خدا کو ایذا دینا وغیرہ سے بچے۔ اولیاء اللہ سے بغض و عناد اور دشمنی سے اپنے آپ کو بچائے کہ حدیث قدسی ہے: "من عادلی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے ولی سے عادر کھتا ہے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں۔ اللہ جس سے جنگ کرے اس کی ہلاکت و بربادی یقینی ہے۔ اللہ والوں سے حسن ظن رکھا جائے اور ان سے سوظنی سے اجتناب کیا جائے۔

ایمان کی ضمانت: جان لیں کہ مغفرت کا مدار اعمال پر نہیں بلکہ اللہ عزّ وجل کے فضل وکرم پر ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے مغفرت کا حقدار نہیں ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے پوچھا کیا آپ بھی نہیں فرمایا ہاں میں بھی نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانک لے۔ حضور ﷺ دوسروں کو بخشوانے والے ہیں۔ آپ کا یہ فرمان تعلیم امت کے لیے ہے کہ اپنے اعمال کے بجائے مغفرت کے لیے اللہ کے فضل وکرم پر بھروسہ کرنا۔ مغفرت کے بعد اعمال درجات میں بلندی کا موجب بنتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز سے کسی نے سوال کیا مجھے ایسا عمل بتائیں جس کے سبب ایمان پر خاتمہ یقینی ہو۔ آپ نے فرمایا: یہی سوال میرے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے کیا گیا اور جو جواب اُنہوں

نے دیا وہی جواب میں تمہیں دوں گا۔ جان لو کہ یقینی طور پر سلامتی ایمان پر خاتمہ اہلبیت اطہار سے محبت رکھنے میں ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی" آپ فرمادیں کہ میں تم سے کسی اجر رسالت کا سوال نہیں کرتا سوائے اس کے کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت رکھو۔ جب حضور سے پوچھا گیا کہ آپ کے وہ قرابتدار کون سے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔ اس گھرانے سے محبت قیامت میں حضور کے قرب ومعیت کی موجب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا" من احبنی و احب هٰذین و امهما وابا هما کان معی درجتی فی الجنة" جو مجھ سے محبت کرتا ہے اور ان دونوں سے (حسن اور حسین) اور ان کی والدہ سے اور ان کے والد سے وہ جنت میں میرے ہمراہ میرے درجہ میں ہوگا۔ اس گھرانے سے محبت ایمان پر موت کو متضمن ہے حضور ﷺ نے فرمایا: "ومن مات علی حب ال محمد مات مومناً ومن مات علی حب ال محمد مات شهیدا" جو بھی آل محمد ﷺ کی محبت پر مرا وہ مومن ہو کر مرا جو بھی آل محمد ﷺ کی محبت پر مرا وہ شہید ہو کر مرا۔ اور حضور نے فرمایا:" ومن مات علی بغض ال محمد مات کافرا" جو آل محمد ﷺ کے بغض پر مرا وہ کافر مرا۔

جو صدق وصفا کو اختیار کرے ہمیشہ سچ بولے وعدہ خلافی اور جھوٹ سے بچے اس کی اصلاح کا اللہ ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی اصلاح یقینی ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی سادھی سچی بات کرو تو اللہ تمہارے اعمال صالح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا، ایسا کرنے والا اللہ کا محبوب ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اللہ اس انسان سے محبت کرتا ہے جو اس کے کنبے کو نفع پہنچائے''

حضور اقدس ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنے والا بھی رائیگاں نہیں جاتا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے ایک نوجوان دیکھا جو دورانِ طواف صرف درود شریف پڑھ رہا تھا انہوں نے سبب پوچھا تو نوجوان نے کہا میں اپنے والد کے ہمراہ ایک قافلے کے ساتھ حج کے لیے آرہا تھا اثنائے راہ میرے والد کا انتقال ہو گیا اور ان کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شامت اعمال کے سبب ہے میں سخت صدمے میں تھا کہ قافلے والوں کو کیا منہ دکھاؤں گا مجھے اونگھ آئی میں نے دیکھا ایک

بے حد نورانی بزرگ تشریف لائے اور میرے والد کے چہرہ پر انہوں نے اپنا ہاتھ پھیرا جس سے والد کا چہرہ جگمگا اٹھا پھر وہ جانے لگے تو میں نے دوڑ کر ان کا دامن تھام لیا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں اور اس کرم فرمائی کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں تمہارا نبی ہوں اور تمہارا باپ اگرچہ گناہگار تھا مگر مجھ پر کثرت سے درود پڑھتا تھا اور جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھے میں اسے رائیگاں جانے نہیں دیتا۔ اس واقعے کے بعد سے میں ہر وقت درود پڑھتا رہتا ہوں۔

اولیاء اللہ سے محبت، نسبت ایمان کی ضامن ہے۔ بخاری شریف کی مشہور حدیث ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ۹۹ قتل کئے پھر اس وقت کے ایک بڑے عالم سے پوچھا کہ کیا میری مغفرت ہوسکتی ہے اس نے کہا نہیں۔ اس شخص نے اسے بھی قتل کر دیا۔ پھر پچھتایا اور لوگوں سے پوچھتا رہا کہ مغفرت کے لیے کیا کیا جائے۔ کسی نے اسے بتایا کہ فلاں بستی میں کچھ اللہ والے ہیں اگر انہوں نے تیرے حق میں دعا کی تو مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔ وہ خوش خوش ان اللہ والوں سے ملاقات کے لیے اس بستی کی طرف چلا ابھی تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ عذاب وثواب کے فرشتے آگئے اور جھگڑنے لگے کہ اسے جنت میں لے جائیں یا دوزخ میں حق تعالیٰ نے جبرئیل کو ثالث بنا کر ایک بوڑھے کی شکل میں بھیجا انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس کے جسد سے دونوں جگہیں ناپ لو اگر یہ اللہ والوں سے نزدیک ہے تو جنت میں لے جاؤ اگر یہ اپنے مقام گناہ سے نزدیک ہے تو دوزخ لے جاؤ۔ حقیقتاً وہ شخص اللہ والوں سے دُور اور اپنے علاقے سے قریب تھا مگر اللہ کو گوارا نہ ہوا کہ اس کے دوستوں کی طرف چلنے والا جہنم میں جائے۔ اللہ نے اس زمین کو سکڑنے کا حکم دیا جو اس کے دوستوں کی طرف تھی اور جب ناپا گیا تو وہ فاصلہ کم نکلا اور وہ نجات پا گیا۔

نفحات الانس میں مولانا جامی نے یہ حدیث لکھی ہے کہ بروز حشر ایک شخص نیکیوں کی قلت کے سبب پھنسا ہوگا حق تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تیرے محلے میں میرا ایک عارف دوست رہتا تھا کیا تو اسے جانتا تھا وہ شخص کہے گا ہاں میں اسے جانتا تھا اور اس کے متعلق گمان رکھتا تھا کہ وہ ولی ہے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے جا! میں نے تجھے اس کے طفیل بخش دیا۔ جب ایک عارف کی شناخت موجب مغفرت بن سکتی ہے تو جو لوگ اولیاء اللہ سے وابستہ ہیں ان سے نسبت وتعلق رکھتے ہیں، ان کے طریقے پر چلنے والے ہیں وہ کیونکر نجات یافتہ نہیں ہوسکتے۔

امام فخر الدین رازی، صاحب تفسیر کبیر نے توحید پر سو، ایسے دلائل تیار کیے تھے جنکا توڑ

نہیں ہوسکتا تھا۔ وقت آخر شیطان سامنے آیا اور توحیدِ باری پر دلیل طلب کی آپ نے دلیل دی تو اس نے دلیل کا رد کر دیا، دوسری دلیل دی اس کا بھی توڑ کر دیا یہاں تک کہ اس سابقہ معلم الملکوت نے سو دلائل رد کر دیتے۔ آخری وقت، ایمان ڈگمگا رہا ہے۔ ادھر ان کے پیر کامل شیخ نجم الدین کبریٰ سارا معاملہ دیکھ رہے تھے انہوں نے وہیں سے فرمایا کہہ دے کہ میں نے خدا کو بلا دلیل تسلیم کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے خدا کو بلا دلیل مانا۔ شیطان پیر کامل کی آواز سن کر رفو چکر ہو گیا اور امام فخر الدین رازی کلمہ پڑھتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ ادھر شیخ نجم الدین کبریٰ نے فرمایا الحمدللہ مسلمانوں کا ایک بڑا عالم سلامتی ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

جملہ اولیاء کے سردار سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے ایک صحیفہ عطا کیا جس میں میرے قیامت تک ہونے والے مریدوں کے نام درج ہیں۔ اللہ عزّ وجل نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے ان تمام کو تمہاری خاطر بخش دیا سرکار محبوب سبحانی نے فرمایا: میں نے داروغہ جہنم مالک سے پوچھا کیا تیرے پاس بھی میرا کوئی مرید ہے؟ اس نے کہا آپ کے مریدوں کو جہنم سے کیا سروکار۔ سرکار نے فرمایا: میں ضامن ہوں اپنے کل مریدوں کا کہ ان میں سے کوئی بھی بلا ایمان نہ مرے گا۔ آپ نے فرمایا میں درگاہِ الٰہی سے اس وقت تک اپنے قدموں کو پیچھے نہ ہٹاؤں گا جب تک اپنے سارے مریدین کو بخشوا نہ لوں۔ آپ نے فرمایا: **"مریدی لا یموت الا علی الایمان"** میرا مرید نہیں مرے گا مگر ایمان پر۔

تو حق تعالیٰ اہل ایمان سے تقاضہ کر رہے ہیں کہ نہ مرنا مگر اسلام پر اور اس کا آسان ترین طریقہ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے منسوب ہونا ہے آنجناب کی نسبت اور مریدی کا پٹہ گلے میں ڈالنا ہے کہ آنجناب کی نسبت سلامتی ایمان کی ضامن ہے اور آپ سے محبت قیامت میں آپ کی معیت کا سبب ہے۔

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

یا مریدی، یا مریدی حشر میں فرمائیں گے — مغفرت دلوائیں گے، ایسے مہرباں آپ ہیں
کیا بتاؤں آپ کیا ہیں، اس حسنؔ کے واسطے — قبلہ گاہِ جان و دل اور دِین و ایماں آپ ہیں

قبر پر اَذان

اہلسنّت وجماعت اپنے مردوں کی تدفین کے بعد قبر پر اذان دیتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلاف اور اکابرین ملّت نے شروع کیا جس کی ممانعت قرآن وحدیث میں کہیں نہیں آئی مگر فی زمانہ بدعقیدہ لوگ اور خارجیوں کے پیروکار اس امر پر اعتراضات کرتے ہیں۔ ہمارے اکابر علماء فقہاء ان اعتراضات کا جواب دیتے آئے ہیں ان کے دیے گئے دلائل میں سے چند دلائل درج ذیل ہیں تاکہ اہل ایمان اِن بدعقیدہ لوگوں کی باتوں میں آنے سے بچیں۔

۱۔ امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں نیز درمختار میں بھی ہے کہ قبر پر اذان کا جواز یقینی ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا۔

۲۔ امام ترمذی نوادر الاصول میں سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں کہ جب مردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دور کرتی ہے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر سے مروی ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب موذن اذان دیتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے۔ حدیث میں حکم آیا جہاں شیطان کا کھٹکا ہو، فوراً اذان کہو، اس سے وہ دفع ہوجائے گا لہٰذا قبر پر اذان دینا اور سوالات کے وقت اذان کے ذریعے مردے کو شیطان کے مکر سے بچانا شریعت کے عین مطابق ہے۔

۳۔ امام احمد، طبرانی اور بیہقی میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوگئی تو حضور ﷺ دیر تک ان کی قبر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر، اللہ اکبر فرماتے رہے، صحابہ بھی حضور کے ساتھ پڑھتے رہے پھر حضور

اقدس ﷺ نے فرمایا: سعد کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے گئے، جنت آراستہ کی گئی پھر اللہ کے اس بندے پر قبر تنگ ہوگئی میں اس کے لیے تسبیح وتکبیر پڑھتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو فراغ کر دیا۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد کی قبر پر دیر تک اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا، یہی کلمہ اذان میں چھ بار ادا کیا جاتا ہے تو یہ عین سنت ہے۔ اذان میں اور بھی کلمات زائد ہیں سواُن کی زیادت نہ مضر ہے نہ سنت کے منافی۔

۴۔ بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت ہے اور فقہ میں مذکور ہے کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ طیبہ "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھتے رہیں۔ تاکہ اسے سن کر یاد ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے مُردوں کو "لا الـه الا الـلـه" سکھاؤ، جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے۔ اسے کلمہ سکھانے کی حاجت ہے تاکہ اسی کلمہ پر خاتمہ ہو اور وہ شیطان کے بہکاوے میں نہ آئے جو دفن ہو چکا وہ حقیقتاً مردہ ہے اسے بھی سکھانے کی حاجت ہے تاکہ اسے جواب یاد ہو جائے اور شیطان کے بہکانے میں نہ آئے۔ اذان میں یہ کلمہ تین دفعہ موجود ہے۔ اذان کے تمام کلمات نکیرین کے سوالات کے جواب بتاتے ہیں کہ جب مردہ اللہ اکبر سنتا ہے تو اسے "من ربک"، تیرا رب کون ہے کا جواب یاد آ جاتا ہے۔ ساتھ ہی اسے یاد آتا ہے کہ اس کا دین اسلام تھا پھر جب اذان میں "اشهـد ان محمدا رسول الـلـه" کہا جاتا ہے۔ تو وہ نکیرین کو ان کے تیسرے سوال "ما تـقـول فی حق هذا الـرجل" تو اس شخص (حضور ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ کے جواب سے آگاہ ہو کر صحیح جواب دے دیتا ہے۔

۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا: آگ کو تکبیر سے بجھاؤ۔ "اطفوا الحریق بالتکبیر" ابن عساکر عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب آگ دیکھو تو اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو کہ یہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔ لہٰذا اللہ اکبر کی تکرار غضب الٰہی کی آگ کو بجھانے والی ہے۔

۶۔ ابن ماجہ اور بیہقی میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ میں عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک جنازہ میں حاضر تھا۔ جب مردے کو لحد میں رکھا گیا تو ابن عمر نے کہا "بسـم الـلـه وفی سبیل الله وعلی ملة رسول الله" پھر دعا کی اے اللہ اسے عذاب قبر اور شیطان کے

شر سے پناہ بخش۔ پتہ چلا کہ شیطان کا اس وقت دخل ہوتا ہے اور اسے بھگانے کے لیے اذان عمدہ تدبیر ہے۔

۷۔ حاکم، بیہقی اور ابوداؤد میں ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ دفن میت سے فارغ ہوتے تو قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اس کے لیے نکیرین کے سوالات کے جوابات میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

معلوم ہوا کہ تدفین کے بعد دعا مانگنا سنت ہے اور آداب دعا میں سے ہے کہ اس سے پہلے کوئی عمل صالح کرے اور اذان بھی عمل صالح ہے تو دعا پر اس کی تقدیم سنت کے خلاف نہیں۔

۸۔ اذان ذکر الٰہی ہے اور اللہ کا ذکر عذاب الٰہی دور کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کوئی چیز خدا کے ذکر سے زیادہ، عذاب الٰہی سے نجات بخشنے والی نہیں ہے اور خود اذان کی نسبت وارد ہے کہ جہاں کہی جاتی ہے وہ جگہ اس دن عذاب سے مامون ہو جاتی ہے۔ (طبرانی بروایت انس بن مالک)۔ لہٰذا اپنے مسلمان بھائی یا بہن کے لیے ایسا عمل کرنا جو عذاب کو اس سے دور کرے حضور ﷺ کو محبوب و مرغوب ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں ذکر جس قدر ہیں وہ سب میت کو قبر میں نفع بخشتے ہیں اور اذان بھی ذکر الٰہی ہے۔

۹۔ قاضی عیاض شفا شریف میں ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' کے تحت لکھتے ہیں کہ جبرئیل امین نے حضور کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کے ذکر کو اس طرح بلند فرمایا کہ آپ کے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا۔ ''جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکری''۔ اللہ عزّ وجل ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب میں نے آپ کے ذکر کو اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنا دیا پس جس نے بھی آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ اور اذان میں ذکر اللہ کے ساتھ ذکر رسول ہے اور حضور کا ذکر بھی عین اللہ کا ذکر ہے اور بلاشبہ ذکر الٰہی موجب نزولِ رحمت ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے ''عند الذکر الصالحین تنزل الرحمة'' صالحین کے ذکر کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے تو سید الصالین حضور ﷺ کے ذکر پر کس قدر رحمتیں نازل ہوتی ہیں اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس بلاشبہ جہاں بھی اذان ہوگی اللہ اور اس کے رسول کے ذکر کے سبب رحمت الٰہی کا نزول ہوگا اور اپنے مسلمان بھائی یا بہن کے لیے ایسا کام جو باعث نزول رحمت ہو شریعت میں

پسندیدہ ہے نہ کہ ممنوع۔

۱۰۔ مردے کو نئے مکان میں سخت وحشت اور گھبراہٹ لاحق ہوتی ہے اور اذان وحشت دور کرنے والی اور اطمینانِ خاطر کا باعث ہے کہ اس میں خدا کا ذکر ہے اور خدا کے ذکر سے قلوب اطمینان پاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے ''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' حضورﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اتارے گئے، تو انہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبرئیل نے اتر کر اذان دی۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان سے وحشت دور کرنے کے لیے اذان دی جائے تو کیا برائی ہے بلکہ ایسے بے بس و بے کس کی اعانت اللہ کو پسند ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا: اللہ اس بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں ہے اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے اللہ اس کے عوض قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت اس پر سے دور فرمائے گا۔

۱۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے حضور نے مجھے غمگین دیکھا تو فرمایا: اے علی! میں تجھے غمگین پاتا ہوں۔ اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ وہ تیرے کان میں اذان کہے کہ اذان غم و پریشانی دور کرتی ہے۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ میت اس وقت سخت حزن و غم کی حالت میں ہوتی ہے تو اگر اس کے غم والم کو دور کرنے کے لیے اذان سنائی جائے تو یہ کیسے شریعت کے منافی ہوئی! جبکہ فرائض کے بعد کسی مسلمان کا دل خوش کرنے سے زیادہ اللہ کو کوئی عمل محبوب نہیں۔ طبرانی میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے حضور اقدسﷺ نے فرمایا بے شک اللہ کے نزدیک فرائض کے بعد سب اعمال سے زیادہ پسندیدہ عمل مسلمان کو خوش کرنا ہے۔ نیز حضور اقدسﷺ نے فرمایا بے شک تیرا اپنے مسلمان بھائی کو خوش کرنا مغفرت کے موجبات سے ہے۔

دفاع شان غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (علم کے) دو برتن یاد کر لیے ہیں۔ ایک کو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا برتن اگر میں پھیلا دوں تو میری یہ شہ رگ کاٹ دی جائے۔

سیّدنا غوث الاعظم کا مقام فنافی الرسول:

مناقب غوثیہ میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سیدنا غوث الاعظم ذاتاً، فعلاً اور قولاً حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ مقدسہ میں فنا ہو چکے تھے اور آپ کو فنافی الرسول کا حقیقی شرف حاصل تھا۔

آنجناب غوثیت مآب اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم مبارک پر ہوتا ہے اور میں اپنے جدامجد جناب رسالت مآب ﷺ کے قدم مبارک پر ہوں۔

آپ کا فرمان کہ میں نبی ﷺ کے قدم پر ہوں:

جملہ انبیاء کی روحانیت نے حضور نبی کریم ﷺ ہی کی روحانیت سے اخذِ فیضان کیا ہے۔ اولیاء اللہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اور انبیاء ہی سے اقتباسِ فیض کرتے ہیں جس ولی کو جس نبی سے فیض حاصل ہوتا ہے اس کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ولی فلاں نبی کے قدم پر ہے۔ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے مثلاً کسی ولی کو ولایتِ ابراہیمی، کسی کو ولایت یوسفی، کسی کو ولایتِ موسوی، کسی کو ولایت عیسوی حاصل ہوتی ہے۔ منتخب اولیاء اللہ بوجہ اپنی جامعیت کے ولایتِ محمدی سے نوازے جاتے ہیں۔ آفتاب حقیقت محمدی کا سایہ مثل سایہ آفتاب ہر قرن میں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ زمانہ رسالت آنحضرت ﷺ میں سمت الراس پر آیا اور غایتِ نور و

ظہور کے باعث اُس نے اپنے سایہ کو بھی غائب پایا۔ آفتاب وحدت حقیقی اس وقت سمت الراس تجلیٔ ذات میں حضور ﷺ پر تاباں ہوا اور آپ کو تمام و کمال اپنے ہی نورِ ذات و صفات سے منور فرما کر ظلمتِ امکانیہ سے محفوظ کر دیا۔ آسمانِ نبوت کے نصف النہار پر یعنی نقطہ اعتدالی درمیانی کے بلند ترین مقام پر محمد رسول اللہ ﷺ تاباں و درخشاں ہیں۔ بجانب مشرق تمام دیگر انبیاء اور بجانب مغرب تمام اولیاء اللہ متمکن ہیں۔ ہر ولی جو مغرب میں ہے اپنے محاذِ مشرقی کے نبی کے مشرب پر ہے۔ اُس نبی کے قلب پر اس ولی کا قلب ہے اور اس نبی کے قدم پر اُس ولی کا قدم ہے۔ انبیاء میں حضور ﷺ سے اقرب ترین نبی عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور اولیاء میں اقرب ترین ولی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور ہر اعتبار سے مقابل ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یعنی علی کرم اللہ وجہہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہیں اور ختم ولایتِ محمدی حضرت مہدی علیہ السلام پر ہے اور وہ ہر اعتبار سے حضور ﷺ کے ظلّ ہوں گے اور حضور ﷺ کے قدم پر ہوں گے۔

جنگِ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ابوبکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند ہیں جنہوں نے فرمایا تھا ''فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم '' اور حضرت عمر حضرت نوح علیہ السلام کی مانند ہیں۔ جنہوں نے کہا تھا ''لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا'' (مدارج النبوۃ) اور حضرت ابوذر غفاری زہد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثل ہیں (ترمذی) یعنی یہ حضرات ان انبیاء کے قدموں پر ہیں جن کی یہ مثل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوب بنام خواجہ محمد ہاشم میں لکھا ہے کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشرب (قدم) پر ہوں۔ حضور غوث اعظم حضور پُر نور سیدِ عالم ﷺ کے قدم پر ہیں جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا:

وَ کُلُّ وَلِیٍّ لَّہٗ قَدَمٌ وَّ اِنِّیْ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالٖ

''ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور بے شک میں نبی ﷺ کے قدم پر ہوں جو آسمانِ کمال کے بدر کامل ہیں''

یعنی آپ ہر لحاظ سے مظہرِ جمال و کمال مصطفائی ہیں اور یہ بہت بڑا مرتبہ ہے۔

ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (مظہرِ جمالِ مصطفائی)

نبی کریم ﷺ کے قدموں کے نشان:

شیخ کمال الدین ابن شیخ المشائخ عبداللطیف بغدادی شامی غیاثی نے اپنی کتاب اللطائف اللطیفہ میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا غوث اعظم کی روح سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کے جمال کے مشاہدہ میں از حد مشتاق ہونے کے باعث اولیاء اللہ کے آخری مقام سے کہیں اوپر پہنچ کر ایک لطیف جسم بن گئی۔ اور سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کے دیدار فیض کے آثار سے مستفیض ہوئی جو آپ کو معراج کے وقت عطا کیا گیا۔ اور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اپنے قدم میری گردن پر رکھ دیجیے تو جب نبی کریم ﷺ نے قدم مبارک رکھ دیے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو ندا آئی کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں۔ عرض کی مولا کریم میں اس کو اپنے عشق و محبت میں سرمست دیکھ رہا ہوں اور اس کا نام تو بہتر جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی یہ حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے آپ کا بیٹا ہے۔ اور میں نے اس کا نام عبدالقادر رکھا ہے۔ اور مقام ولایت و معشوقیت میں یکتا ہونے کے علاوہ یہ آپ کا پیارا بیٹا محبوب ازلی اور معشوق سرمدی بھی ہے۔ تو سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے فیض مخصوص سے شرف بخشا اور فرمایا میرے بیٹے ہمیں ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی ہوئی اور تو اللہ کا محبوب ہے اور میرا محبوب بھی ہے اور میرا خلیفہ ہے اور میرے قدم تیری گردن پر ہیں اور تمہارے قدم تمام ولیوں کی گردنوں پر ہوں گے۔ جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے کندوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ ویسے ہی سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے کندھوں کے درمیان سرکار دو عالم ﷺ کے قدموں کے نشان تھے۔

(شیخ محی الدین اربلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر ص ۵۰)

چنانچہ وہ باتیں جو ذاتِ نبوی ﷺ کے لیے مخصوص تھیں وہ آنجناب میں بھی پائی جاتی تھیں کہ جس طرح بدن مبارک سرور کائنات ﷺ پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک پر بھی مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور جس طرح پسینہ مبارک حضور اکرم ﷺ خوشبودار ہوتا تھا اسی طرح عرقِ جسد مبارک حضرت غوث الاعظم بھی معطر و معنبر ہوتا تھا اور جس طرح زمین حضور کے بول و براز کو نگل لیتی تھی اسی طرح حضور غوث الاعظم کے بول و براز کو بھی زمین نگل لیتی تھی۔ چنانچہ جب

اس بارے میں آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو حضور غوث الثقلین نے قسم اٹھا کر فرمایا:

"تاللہ ھذا وجود جدی ولا وجود عبد القادر"

''خدا کی قسم یہ وجود میرے نانا سید الانبیاء ﷺ کا وجود ہے نہ کہ عبد القادر کا وجود''

سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بیٹے عبد الجبار میں سرکار دو عالم ﷺ کی ذات پاک میں فنا ہو گیا ہوں اور مجھے بقا بالنبی کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا خدا کی قسم یہ وجود میرے نانا سید الانبیاء ﷺ کا وجود ہے نہ کہ عبد القادر کا وجود، بیٹے نے پھر عرض کیا کہ نبی کریم ﷺ پر بادل سایہ کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ میں یہ بات نہیں ہے (یعنی آپ پر بادل سایہ کیوں نہیں کرتا) فرمایا: کہ اس لیے کہیں مجھے لوگ نبی نہ کہنا شروع کر دیں۔

(شیخ محی الدین اربلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادر ص ۱۰۷)

پس اس کلام میں یہ مفہوم ظاہر ہے کہ سیدنا غوث الاعظم بحسب ذات وصفات واقوال و افعال وحالات وکمالات حضور اقدس ﷺ میں فانی تھے۔ اسی کو فنائے اتم کہتے ہیں۔ یعنی آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو ذات وصفات، اقوال وافعال اور احوال وکمالات نبوی ﷺ میں اس قدر فنائیتِ تامہ حاصل تھی کہ آپ کا جود مسعود عین رسول اللہ ﷺ کا وجودِ مقدس ہو گیا تھا اور اسی سبب خصائص وکمالات مصطفیٰ ﷺ کا کامل جلوہ حضور غوث الثقلین کی ذاتِ مقدسہ میں نظر آتا تھا اور کیونکہ فنا فی الرسول کا عمدہ واعلیٰ اور اکمل حصہ جناب غوثیت مآب کی ذات میں متحقق تھا لہٰذا آپ کے مراتب وتصرفات وافادات دوسرے اولیاء کی نسبت بیشتر ہوئے۔

وہ بظاہر شاہِ جیلاں اور بباطن مصطفیٰ　　جس سے آگاہ ہے خدا، وہ سرّ پنہاں آپ ہیں

سیدنا غوث الاعظم کا مقام سلطان الفقر:

عین الفقر (ص ۲۳۵) میں سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کی توصیف میں فرماتے ہیں: ''حضرت محی الدین شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ شکمِ مادر ہی میں مراتبِ فقر پر سرفراز ہوئے اور اہلِ فقر ہو کر شریعتِ محمدی ﷺ کی پاسداری میں مقامِ محبوبیت پر پہنچے اور بارگاہِ الٰہی سے فقیر محی الدین کا خطاب پایا۔''

شانِ فقر کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بے حساب کمالات اور اوصاف سے نوازا لیکن آپ ﷺ نے اپنی کسی خوبی پر فخر نہیں فرمایا۔

حضورﷺ نے فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ میں اللہ کا حبیب ہوں لیکن میں فخر نہیں کرتا اور میں قیامت کے دن لواءِ حمد (حمد کا جھنڈا) اٹھانے والا ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں قیامت کے دن سب سے پہلا شفیع اور سب سے پہلا مشفع ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں پہلا شخص ہوں گا جو بہشت کے دروازے کی زنجیر ہلائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ وہ مومنین ہوں گے جو فقیر (غریب و مسکین) تھے لیکن مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں، اور اوّلین و آخرین میں سب سے زیادہ مکرم و محترم میں ہی ہوں اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں۔'' (ترمذی شریف)

آپﷺ نے صرف اور صرف فقر پر فخر فرمایا: ''الفقر فخری و الفقر منی'' ''فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے''۔ پس معلوم ہوا فقر ایک انتہائی عظیم مرتبہ ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں۔ سلطان العارفین سلطان باھو نے اپنے رسالہ روحی میں سات سلطان الفقرا کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ حضرت سلطان باھو فرماتے ہیں کہ نور ذات نے نقاب میم احمدی پہن کر صورت احمدی اختیار کی اور کثرت جذبات وارادے سے سات بار اپنی ذات میں جنبش کھائی جس سے سات ارواح فقراء باصفا فنا فی اللہ بقا باللہ تصور ذات میں محو سرتاپا مغز بلا پوست آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ستر ہزار سال قبل بحرِ جمال میں مستغرق شجر مرأت الیقین پر پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ازل سے ابد تک بجز ذات حق کسی کو نہیں دیکھا اور ماسوی اللہ کبھی نہیں سُنا۔ انہیں حریم کبریا کے دائمی سمندر میں وصالِ لازوال حاصل ہے وہ کبھی نوری جسد اختیار کر کے تقدیس و تنزیہہ میں کوشاں رہے، گاہے قطرہ بحر میں اور گاہے بحر قطرہ میں ان کی مثال ہے اور فیض عطا کی چادر کہ جب فقر تمام ہو جاتا ہے تو اللہ ہی ہے جو ان کے اوپر ہے پس انہیں حیاتِ ابدی اور عزت سرمدی کا تاج حاصل ہے۔ یہ فقر خاص لایحتاج ہے اپنے رب سے یا اس کے غیر سے۔ موسیٰ علیہ السلام جس تجلی کی ایک چمک سے بے ہوش ہو گئے تھے اور کوہ طور ریزہ ریزہ ہو گیا تھا ہر لحہ اور آنکھ جھپکتے میں ایسی ستر ہزار تجلیات ذاتی ان پر وارد ہوتی ہیں اور وہ دم نہیں مارتے اور آہ نہیں کھینچتے بلکہ ''ھل من مزید'' کہتے ہیں وہ سلطان الفقراء اور سید الکونین ہیں۔ ایک روح خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ایک روح خواجہ حسن بصری کی ایک روح میرے شیخ حقیقت الحق نور مطلق شہود علی الحق حضرت سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کی اور ایک روح

حضرت پیر عبدالرزاق کی اور ایک روح باہویت کی آنکھوں کے سرچشمہ سراسرارذات یاھُو فقیر باہو کی اور دو اوراواح دیگر اولیاء کی ہیں۔ (انتہیٰ) (مظہر جمال مصطفائی۔ص:۷۶۔۷۷)

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ جامع الاسرار (ص ۴۳) میں فرماتے ہیں:

''جناب سرورکائناتﷺ نے معراج کی رات حق تعالیٰ کے حضور میں سلطان الفقر سے ملاقات کی اور اس سے بغلگیر ہو کر سر سے پاؤں تک رُوبرو ہو کر فقر سے لپٹ گئے۔ تب آنحضرتﷺ کا وجود مبارک فقر کے وجود میں بدل گیا۔ اسی واسطے آنحضورﷺ دُنیاوی آلائش سے تارک اور فارغ تھے۔ جو شخص باطن میں فقر کے ساتھ ملاقات نہیں کرتا اور یا وہ فقر سے لباس نہیں بدلتا، وہ ہرگز ہرگز فقر کے مرتبے کو نہیں پہنچتا، خواہ وہ ریاضت میں پتھر پر ہی اپنا سر کیوں نہ دے مارے۔''

فقر حکم خدا سے اجازت پیغمبری کے ساتھ عطائے الٰہی ہے۔ پیغمبری اور اصحابی کا مرتبہ اور ہے۔ اور ان دونوں اصحابی اور پیغمبری کے مرتبہ سے فقر کا مرتبہ افضل ہے۔ چونکہ جناب سرور کائناتﷺ فقر کو اپنا فخر فرمایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اسی کی توفیق کی التجا کیا کرتے تھے اور فقر ہی سے محبت کیا کرتے تھے اور اسی کو اپنا رفیق بنایا کرتے تھے۔

فقر کے متعلق منقول ہے کہ آنحضرتﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین سے فقر کو مخفی رکھا، صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ظاہر فرمایا۔ جب انہیں عطا فرمایا، تو آپ نے اپنے آپ کو راہِ خدا میں ستر بار فروخت کیا اور سائل کو کبھی خالی نہ جانے دیا۔

بیت: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صدق تھے، عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ عدل تھے۔ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ حیا سے پُر تھے۔ لیکن پیغمبر علیہ السلام سے فقر کی گیند شاہ مرداں حضرت علی رضی اللہ عنہ لے گئے۔ یعنی شاہ مرداں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہﷺ سے فقر کی دولت پائی۔

اب (حسب ذیل) چار پیروں کو شناخت کرلو کہ اوّل صدیقوں کے پیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوم عادلوں کے پیر حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ اور تیسرے اہل حیا کے پیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور چوتھے عالموں اور فقیروں کے پیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

آفرینش عالم سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کا نور محمدی کے ساتھ ہونا:

تخلیق کائنات سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریمﷺ کے نور کو اپنے نور سے پیدا

فرمایا جیسا کہ حدیث "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی" (یعنی سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور حدیث "اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُوْرِیْ" (یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے) سے واضح ہے۔ حضرت سلطان باہو رسالہ روحی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور ﷺ کے نور کو اپنے نور ذاتی سے پیدا فرمایا اور حضور ﷺ کے نور ذاتی سے سات ارواح پیدا فرمائے جن میں حضرت محبوب سبحانی پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی روح مبارک شامل ہے۔

حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصائد شریفہ میں اسی بات کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا ہے:

وَ سِرِّیْ فِی الْعُلْیَا بِنُوْرِ مُحَمَّدٍ فَکُنَّا بِسِرِّ اللّٰہِ قَبْلَ النُّبُوَّۃِ

اور میرا بھید بلندی میں محمد ﷺ کے نور کے ساتھ تھا پس اللہ کے بھید میں، ہم نبوت سے پہلے تھے۔

اَنَا کُنْتُ فِی الْعُلْیَا بِنُوْرِ مُحَمَّدٍ وَ فِیْ قَابَ قَوْسَیْنِ اجْتِمَاعُ الْاَحِبَّۃِ

میں بلندیوں میں نور محمدی ﷺ کے ساتھ تھا اور قاب قوسین میں پیاروں کا ملاپ تھا۔

(مظہر جمال مصطفائی۔ص:۵۷)

حضور اقدس ﷺ کی رسالت و رحمت تمام عالمین اور جملہ مخلوقات کے لیے عام ہے، سب پر محیط ہے۔ حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ میں فنائے تامہ رکھنے والے اولیاء کاملین جو حضور ﷺ کے نائب ہیں۔ حضور ﷺ کا لباس ہیں، وہ جن کی صورتوں پر حقیقتاً حضور ﷺ کا ظہور ہے ایسے کاملین کی ولایت اور ان کا فیضان بھی ساری مخلوقات اور تمام عالمین کے لیے ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

جہاں جہاں تک حضور ﷺ کا نور اور حضور کی رحمت اور حضور کی روحانیت ہے حضور ﷺ کے یہ نائبین، یہ کاملین حضور میں فنائیت کے سبب، حضور ﷺ کے ساتھ ہر جگہ جلوہ گر ہیں۔ ایسے کاملین کو جہاں سے پکارو یہ سنتے ہیں، مدد فرماتے ہیں، کام آتے ہیں اور ایسے تمام کاملین میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سب سے منفرد اور بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ آنجناب ایک ایسے مقام پر متمکن ہیں جہاں وہم و گمان کی رسائی نہیں۔ جیسی فنائے تامہ آنجناب رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ مقدسہ میں حاصل ہے کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ جیسا دعویٰ آپ رضی اللہ عنہ نے کیا ایسا کوئی

اور نہ کر سکا کہ آپ نے فرمایا: "تاللہ ھذا وجود جدی ولا وجود عبدالقادر" اللہ کی قسم یہ میرا وجود میرے جد امجد جناب رسول اللہ ﷺ کا وجود ہے، عبدالقادر کا وجود نہیں۔ اور جب یہ بات ہے تو جس طرح حضورِ اقدس ﷺ ساری کائنات، تمام اقوامِ عالم کے لیے مبعوث کیے گئے، جس طرح حضور ﷺ کی رسالت و نبوت و رحمت تمام عالمین اور جملہ موجودات کے لیے ہے اسی طرح سرکار محبوب سبحانی کی ولایت آپ کی غوثیت آپ کا فریادرس ہونا تمام عالمین اور جملہ موجودات کے لیے ہے۔ ذرا آنجناب کے اس قول پر غور فرمائیں کہ جب آپ پر ستر باب علمِ لدنی کے کھلے جن میں سے ہر دروازے کی لمبائی و چوڑائی زمین و آسمان جتنی تھی، آپ نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب تک ہر شے میری مطیع کر دی گئی اور پردہ زمین پر جس قدر بھی اولیاء اللہ تھے سب نے میری اطاعت و فرمانبرداری قبول کی۔" قرآن میں ارشاد باری ہے:

"وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ" (الجاثیہ)

"اور اُس نے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے مسخر کر دیا ہے۔"

آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ اس آیت مبارکہ کا کماحق مصداق ہیں۔ آسمان و زمین اور اس کے مابین میں انسان، جنات، ملائکہ، چرند پرند، حیوانات و نباتات سب آجاتے ہیں اور یہ تمام آنجناب کے لیے مسخر و مطیع ہیں۔

کیا جبریل علیہ السلام جو تمام ملائکہ کے سردار ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے در کے غلام نہیں؟ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تو حضور کا مظہرِ اتم ہیں جہاں حقیقتِ محمدیہ کامل طور پر جلوہ گر ہو وہاں جبریل اور دیگر ملائکہ کیا غلامانہ طور پر حاضر نہ ہوتے ہوں گے؟ کیا آقا کو غلاموں پر اختیار نہیں ہوتا؟ کیا شیخ کو اپنے مریدین پر غلبہ و تصرف نہیں ہوتا؟ جبکہ حق تعالیٰ نے آنجناب رضی اللہ عنہ کو اپنی قدرتِ کاملہ سے نوازا اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی ولایت اوّلین و آخرین کے تمام اولیاء اللہ کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور آنجناب کو تمام اولیاء اللہ پر من کل الوجوہ فضیلت حاصل ہے اور اس بات کا اظہار آپ نے قصیدہ غوثیہ شریف کے اس شعر میں فرمایا۔

فمن فی اولیاء اللہ مثلی　　　ومن فی العلم والتصریف حالی

''پس اولیاء اللہ میں کون ہے جو میری مثل ہے اور کون ہے جو علم وتصرف میں میری ہم سری کرے''

ملک الموت سے ارواح کو چھڑوانا:

شیخ ابوالعباس احمد رفاعی سے روایت ہے کہ سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خادم فوت ہوگیا۔اس کی بیوی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی آہ وزاری کرنے لگی اور اپنے خاوند کے زندہ ہونے کی التجاء کی۔تو سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبہ کیا اور علم باطن سے آپ نے دیکھا کہ ملک الموت نے اس دن جتنی ارواح قبض کی تھیں وہ ان کو آسمان کی طرف لے جارہے ہیں۔تو آپ نے ملک الموت کو ٹھہرنے کا حکم دیا کہ میرے فلاں خادم کی روح کو واپس کردو تو ملک الموت نے جواب دیا کہ میں نے تمام ارواح کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبض کیا ہے اور رب ذوالجلال کی بارگاہ میں پیش کرنی ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے خادم کی روح کو واپس کردوں جس کو میں بحکم الٰہی قبض کر چکا ہوں تو آپ نے دوبارہ کہا مگر ملک الموت نہ مانے۔اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی جس میں تمام روحیں ڈالی ہوئی تھیں جو اس دن قبض کی تھیں۔پس آپ نے قوت محبوبیت سے ٹوکری ان سے چھین لی۔تو تمام روحیں نکل کر اپنے اپنے جسموں میں چلی گئیں ملک الموت نے بارگاہ رب العزت میں شکایت کی اور عرض کیا۔مولیٰ کریم تو جانتا ہے جو میرے اور عبدالقادر کے درمیان تکرار ہوئی کہ اس نے آج مجھ سے تمام ارواح جو قبض کی تھیں چھین لی ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ملک الموت بیشک عبدالقادر میرا محبوب ہے تو نے اس کے خادم کی روح کو واپس کیوں نہ کیا۔اگر ایک روح واپس کردیتے تو اتنی روحیں اپنے ہاتھ سے دیتے نہ پریشان ہوتے۔(شیخ محی الدین اربلی رحمۃ اللہ علیہ،تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر)

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو   کن اور کن مکن حاصل ہے یا غوث
الوہیت نبوت کے سوا تو   تمام افضال کے قابل ہے یا غوث

افسوس کہ جب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کا وقت ہوتا ہے تو ہمارے علماء کو فوراً شانِ صحابہ یاد آجاتی ہے۔وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں غوثِ پاک کی فضیلت بیان کرنے سے انہیں صحابہ سے آگے نہ بڑھادیں،کہیں صحابہ کی تحقیر نہ ہوجائے؟ فوراً وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ غوث الاعظم کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی جیسے بھی نہیں۔

دیکھیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اپنا مقام ہے۔انبیاء ومرسلین کا اپنا مقام ہے۔

ہم غلامانِ غوث تو یہی کہتے ہیں کہ آنجناب تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ تقابل صحابہ یا حضرات انبیاء سے کیا جائے؟ دیکھیں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان قادری کا کیا عقیدہ تھا۔

تو اپنے وقت کا صدیق اکبر غنی و حیدر و عادل ہے یا غوث

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرضوان کی آپ کی مجلس میں تشریف آوری:

سیدنا غوث الاعظم کا فرمان عالیشان ہے:

"وما من نبی ولا ولی خلق الله تعالی الا وقد حضر فی مجلسی الاحیاء بابدانهم والاموات بارواحهم"

''اللہ نے کوئی نبی کوئی ولی ایسا نہ پیدا کیا جو میری مجلس میں حاضر نہ ہوتا ہو زندہ اپنے جسموں کے ساتھ اور فوت شدہ اپنی ارواح کے ساتھ۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

''مشہور ہے کہ آپ کی مجلسِ وعظ میں تمام اولیاء و انبیاء جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو زندہ نہیں تھے وہ اپنی رُوحوں کے ساتھ موجود ہوتے تھے، اسی طرح آپ کی تربیت و تائید کے لیے حضور اکرم ﷺ بھی تجلی فرماتے تھے، علی ہذا اکثر اوقات حضرت خضر علیہ السلام بھی آپ کی مجلس میں آتے تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کی جس ولی سے بھی ملاقات ہوتی تو وہ اُسے آپ کی مجلس میں حاضر باشی کی نصیحت فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنی کامیابی چاہتا ہے اُسے اس مجلس میں ہمیشہ رہنا چاہیے۔'' (اخبار الاخیار)

روایت ہے کہ جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ منبر پر تشریف لاتے تو فرماتے اے صاحبزادے ہمارے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد حاضری میں دیر نہ کیا کر، ولایت یہاں حاصل ہوتی ہے اعلیٰ درجات یہاں ملتے ہیں۔ اے طلبگار توبہ بسم اللہ ہمارے پاس آ، اے طالبِ عفو بسم اللہ تو بھی آ، اے اخلاص کے چاہنے والے بسم اللہ ہفتہ میں ایک بار آ، اگر ممکن نہ ہو تو مہینہ میں ایک مرتبہ، اگر یہ بھی مشکل ہو تو سال میں ایک دفعہ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک مرتبہ آ اور ہزار ہا نعمتیں لے جا، اے عالم ہزار مہینہ کی مسافت طے کر کے میرے پاس آ اور میری ایک بات سن جا،

اور جب تو یہاں آئے تو اپنے عمل، زہد، تقویٰ اور ورع کو نظر انداز کر، تا کہ تو اپنے نصیب کے مطابق مجھ سے اپنا حصہ حاصل کر سکے، میری مجلس میں مقرب فرشتے، مخصوص اولیاء اور رجال الغیب اس لیے آتے ہیں کہ مجھ سے بارگاہ اقدس کے آداب تواضع سیکھیں، اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی اور ولی پیدا فرمائے ہیں وہ سب اگر زندہ ہیں تو اپنے جسموں کے ساتھ اور اگر زندہ نہیں ہیں تو اپنی روحوں کے ساتھ ضرور میری مجلس میں آتے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ میرا وعظ ان رجال غیب کے لیے ہوتا ہے جو کوہ قاف کے ماوراء سے آتے ہیں کہ ان کے قدم دوش ہوا پر ہوتے ہیں لیکن خداوند عالم کے لیے ان کے دلوں میں آتش شوق وسوزش اشتیاق شعلہ زن ہوتی ہے، راوی کا بیان ہے کہ آپ نے جس وقت مجلس میں یہ بات فرمائی اس وقت آپ کے صاحبزادے سید عبدالرزاق منبر کے پاس آپ کے پاؤں کے قریب بیٹھے، انہوں نے سر اوپر اٹھایا، تھوڑی دیر حیران رہ کر بے ہوش ہو گئے، اور ان کے لباس و دستار میں آگ لگ گئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ منبر سے اترے اور آگ بجھائی اور فرمایا کہ اے عبدالرزاق تم بھی ان میں سے ہو، مجلس ختم ہونے کے بعد آپ نے شیخ عبدالرزاق سے اس حالت کی کیفیت دریافت فرمائی انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے رجال الغیب ساکت و مدحوش کھڑے ہوئے اس طرح نظر آئے کہ تمام آسمان ان سے بھرا ہوا ہے اور ان کے کپڑوں میں آگ لگ گئی ہے۔ ان میں سے بعض شور و غوغا کر رہے ہیں، بعض وجد و حال میں مست ہیں اور بعض اپنی جگہ اور بعض زمین پر گرے پڑے ہیں۔ (اخبار الاخیار، ص ۴۴)

شیخ ابوسعید قیلوی فرماتے ہیں: میں نے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کئی مرتبہ جناب رسول خدا ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ہے۔ بے شک سردار اپنے غلام کو جھانکا کرتا اور بیشک انبیاء علیہم السلام کی ارواح آسمان اور زمین میں ایسا چکر لگاتی ہے جیسے کہ زمانہ میں ہوائیں۔ اور میں نے ملائکہ علیہم السلام کو دیکھا کہ وہ آپ کی خدمت میں جوق در جوق آتے ہیں۔ میں نے رجال الغیب اور جنوں کو دیکھا ہے کہ آپ کی مجلس میں ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ (بہجت الاسرار۔ ص: ۳۲۵)

کیا کسی صحابی کی مجلس کا ایسا عالم تھا؟ صحابہ کرام کی شان و عظمت حضور اقدس ﷺ کی صحبت و معیت کے سبب ہے اور ان اولیاء میں بعض ایسے ہیں کہ ایک لمحے کے لیے بھی حضور ﷺ کے دیدار

اور حضورﷺ کی مجلس سے غائب نہیں ہوتے تو ان کے سردار کا کیا عالم ہوگا۔
سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ محک الفقر (کلاں) ص ۹۳ میں فرماتے ہیں:

''پس اے طالب! ان اشخاص کو مراقبہ کی حاجت نہیں کہ جو ظاہر و باطن میں ہمیشہ مجلس حبیب اللہﷺ میں اور مقام قرب میں رہتے ہیں۔ ان کو مراقبہ ان کی نیت کے موافق ان کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اور روز مرہ خدا اور رسولﷺ کے پیغام لاتا ہے بلکہ پیغام صحیح ذکر اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس ایسے شخص کو اکثر آدمی دیوانہ کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یگانہ اور اہل دنیا کے ساتھ بیگانہ ہوتا ہے۔''

اولیاء اللہ کی شان میں حضورﷺ نے فرمایا: "**ان من عباداللّٰہ لعبادا یغبطھم الانبیاء والشھدا**'' ''بے شک اللہ کے بندوں میں بعض ایسے بندے ہیں کہ انبیاء اور شہدا (ان کی شان و عظمت دیکھ کر) رشک کرتے ہیں۔''

اور حضورﷺ نے فرمایا: "**رجال فی امتی منزلتھم کمنزلتی**'' ''میری امت میں ایسے مردانِ خدا ہیں جن کی وہی منزل (مقام) ہے جو میری منزل ہے۔''

تمام انبیاء صحابہ سے افضل ہیں انبیاء سے رسول افضل ہیں۔ رسولوں سے مرسل (صاحبِ کتاب) افضل ہیں۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام، نبی، رسول اور مرسل ہونے کے باوجود علم لدنی سیکھنے خضر علیہ السلام کے پاس جاتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے اُستاد حضرت خضر علیہ السلام ایک بار سرکار کی مجلس پر سے پرواز کرتے گزر رہے تھے کہ سرکار نے ان کو روک لیا۔ فرمایا:

"**قف یا اسرائیلی اسمع کلام محمدی**"

اے اسرائیلی ٹھہر! اور ایک محمدی کا کلام سن! تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے میں تم سے کہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے یہ رہا معرفت کا میدان یہ رہی عشق کی گیند۔ حضرت خضر علیہ السلام نے سیدنا غوث الاعظم کی ایسی شان و عظمت دیکھی تو دنگ رہ گئے۔ پھر ان کو جو بھی ملتا اس کو یہی نصیحت کرتے کہ اگر دارین میں بھلائی کے خواہاں ہوں تو سیدنا غوث الاعظم کی مجلسوں میں حاضری کو لازم پکڑو۔ موسیٰ علیہ السلام کے اُستاد سرکار محبوب سبحانی کی غلامی میں ۔

سکر کے جوش میں جو ہیں وہ تجھے کیا جانیں　　خضر کے ہوش سے پوچھے کوئی رتبہ تیرا

واقفِ رازِ اَوْ اَدْنٰی:

شبِ معراج جب نبی کریم ﷺ براق پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ روانہ ہوئے تو مقام سدرۃ المنتہیٰ پر جبریل علیہ السلام رک گئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں تو فروغِ تجلّی سے جل جاؤں گا اس مقام پر براق بھی پیچھے رہ گیا۔ کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ عالمِ ملکوت اور ملائکہ کی پرواز کی انتہا ہے۔ اس مقام سے آگے حضور ﷺ کی خدمت میں رف رف کو سواری کے طور پر پیش کیا گیا لیکن رف رف بھی ایک مقام پر جا کر رک گیا۔ کیونکہ اس کی پرواز کی یہی انتہا تھی۔ اب لاہوت لامکان کے سوا کچھ بھی نہ تھا حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نور الہدیٰ میں اور عبدالقادر ابن محی الدین اربلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف تفریح الخاطر فی مناقب عبدالقادر میں لکھا ہے کہ اس مقام پر حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ مبارک کو معشوقی صورت میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ نبی ﷺ کے قدموں کے نیچے حضور غوث اعظم کی معشوقی صورت نے اپنی گردن پیش کی اور سواری کی حیثیت سے آپ کو مقامِ خاص قربِ قاب قوسین اوادنیٰ تک پہنچا دیا۔ نبی ﷺ نے اس مقامِ نور وحضور میں ذاتِ باری تعالیٰ سے عرض کی یہ کون ہے جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی ہیں ارشاد ہوا کہ اے حبیب تمہیں مبارک ہو کہ یہ محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کی روح ہے جو آپ کی اُمت کے ایک ولی کامل اور آپ کی آل سے ہوں گے۔ اس وقت نبی ﷺ نے انتہائی شفقت سے فرمایا کہ اے فرزندار جمند محی الدین جیسا کہ تو نے اپنی گردن میرے قدموں کے نیچے پیش کی کل تو اللہ کے حکم سے کہے گا۔ ''قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ'' اور میری امت کے تمام اولیائے کرام اپنی گردنیں تیرے قدم کے نیچے پیش کریں گے۔ تفریح الخاطر میں مزید لکھا ہے کہ جب حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تو آپ کی گردن مبارک پر حضور ﷺ کے قدم مبارک کے نشان موجود تھے (جیسا کہ آپ کے پیدائش کے وقت کی کرامات کے ضمن میں گزرا)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جبکہ حضور نبی کریم ﷺ کو جسمانی ورُوحانی معراج حاصل ہوئی تو آپ کی رفاقت میں حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو روحانی معراج حاصل ہوئی اور آپ مقام قاب قوسین اوادنی کے راز سے بھی واقف ہوئے جیسا کہ خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ

علیہ نے حضور غوث پاک کی شان میں اپنی مشہور منقبت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

در شرع بغایت پرکاری چالاک چو جعفر طیاری　　بر عرشِ معلّٰی سیاری اے واقفِ رازِ او ادنیٰ

یعنی شریعت کے کامل متبع اور جعفر طیار کی طرح سمجھدار، عرشِ معلّٰی پر سیر فرمانے والے اور رازِ او ادنیٰ کے واقف ہیں۔

حضور غوث اعظم نے اسی بات کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے اپنے قصائد شریفہ کے بعض اشعار میں یوں فرمایا:

اَنَا کُنتُ فِی الْعُلْیَا بِنُورِ مُحَمَّدٍ　　وَ فِیْ قَابَ قَوْسَیْنِ اجْتِمَاعُ الْاَحِبَّۃِ

یعنی میں بلندیوں میں نور محمدی ﷺ کے ساتھ تھا اور قاب قوسین میں پیاروں کا ملاپ تھا۔

عَلَی الدُّرَّۃِ الْبَیْضَاءِ کَانَ اجْتِمَاعُنَا　　وَ فِیْ قَابَ قَوْسَیْنِ اجْتِمَاعُ الْاَحِبَّۃِ

سفید موتی (لوح محفوظ) کے سامنے ہمارا اجتماع تھا اور قاب قوسین میں پیاروں کا ملاپ تھا۔

(مظہرِ جمالِ مصطفائی)

روایت ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی نسبت نہیں، میرے اور مخلوق کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے مجھے کسی پر اور کسی کو مجھ پر قیاس نہ کرنا، فرماتے تھے کہ میری تخلیق تمام امور سے بالا ہے اور میں لوگوں کی عقل سے ماورا ہوں، اے زمین کے مشرق و مغرب کے اور اے آسمان کے رہنے والو! حق تعالیٰ فرماتا ہے: "واَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میں ان میں سے ہوں جنہیں خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے، مجھ سے دن اور رات میں ستر بار کہا جاتا ہے "انا اخترتک ولتصنع علی عینی" یعنی میں نے تجھے پسند کرلیا اور تاکہ تو پرورش پائے میری آنکھوں کے سامنے۔ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبدالقار میرے اس حق کی جو تجھ پر ہے تجھے قسم ہے ذرا بات تو کرتا کہ سنی جائے، مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبدالقادر تجھے میرے اس حق کی قسم جو تیرے اوپر ہے کھا اور پی اور بات کر، میں نے تجھے قسم توڑنے سے مامون بنا دیا، خدا کی قسم جب تک مجھے حکم نہ ہو نہ کچھ کرتا ہوں نہ کچھ کہتا ہوں۔ (اخبار الاخیار)

آپ نے فرمایا کہ جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو تم پر اس کی تصدیق ضروری ہے کیونکہ میری بات ایسی یقینی ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، گویا جب مجھے حکم ہوتا ہے تو

میں کہہ دیتا ہوں، جب مجھے دیا جاتا ہے تو بخشش کر دیتا ہوں اور جب مجھے امر ہوتا ہے تو کر لیتا ہوں، ذمہ داری تو اس پر ہے جس نے مجھے حکم کیا ہے(کیونکہ قاعدہ ہے)الدیة علی العاقلة (یعنی خون بہا رشتہ داروں پر ہے) میری تکذیب تمہارے لیے زہر قاتل ہے، دین کے لیے اور دنیا و آخرت کی تباہی کا سبب ہے میں تلوار باز اور قاتل ہوں اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے اگر شریعت نے میرے منہ میں لگام نہ ڈالی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتا کہ تم نے گھر میں کیا کھایا ہے اور کیا رکھا ہے، میں تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں کیونکہ تم میری نظر میں شیشہ کی طرح ہو۔(اخبار الاخیار)

آپ کا کلام جس سے آپ کی عظمت معلوم ہوتی ہے:

آپ نے فرمایا کہ میں شمشیرِ برہنہ ہوں اور چڑھی ہوئی کمان ہوں میرا تیر نشانے پر لگنے والا ہے میرا نیزہ بے خطا اور میرا گھوڑا بے زین ہے۔ میں عشق خداوندی کی آگ حال و احوال کا سلب کرنے والا، دریائے بیکراں، رہنما، وقت کی دلیل ہوں، میں ہوں محفوظ اور ملحوظ۔اے روزہ دارو اے شب بیدارو اے پہاڑوں پر بیٹھنے والو خدا کرے تمہارے پہاڑ بیٹھ جائیں اے خانقاہ نشینو خدا کرے تمہاری خانقاہیں زمین دوز ہو جائیں حکم خدا کے سامنے آؤ۔ میرا حکم خدا کی طرف سے ہے۔اے رہروانِ منزل، اے ابدال، اے اقطاب، اے اوتاد، اے پہلوانو، اے جوانو، آؤ اور دریائے بیکراں سے فیض حاصل کر لو، عزتِ پروردگار کی قسم تمام نیک بخت اور بد بخت میرے سامنے پیش کیے گئے اور میری نظر لوحِ محفوظ پر جمی ہوئی ہے میں دریائے علم و مشاہدۂ الٰہی کا غوطہ خور ہوں، میں تم پر اللہ کی حجت رسول کا نائب اور اس کا دنیا میں وارث ہوں، انسانوں کے بھی پیر ہیں جنات اور فرشتوں کے بھی لیکن میں تمام پیروں کا پیر ہوں میرے اور تمہارے درمیان کوئی نسبت نہیں میرے اور مخلوق کے درمیان آسمان و زمین کا سا فرق ہے مجھے کسی پر اور کسی کو مجھ پر قیاس نہ کرو۔ میری تخلیق تمام امور سے بالاتر ہے اور میں لوگوں کی عقل سے ماورا ہوں۔اے زمین کے مشرق و مغرب کے اور اے آسمان کے رہنے والو! حق تعالیٰ فرماتا ہے:"و اعلم مالا تعلمون" میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میں ان میں سے ہوں جنہیں خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے مجھ سے دن اور رات میں ستر بار کہا جاتا ہے۔"انا اخترتک و لتصنع علی عینی "یعنی میں نے تجھے پسند کر لیا اور تا کہ تو پرورش پائے میری آنکھوں کے سامنے"۔ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبدالقادر میرے اس حق کی جو تجھ پر ہے تجھے قسم ہے ذرا بات تو کرتا کہ سنی جائے، مجھ سے کہا جاتا

ہے کہ اے عبدالقادر تجھے میرے اس حق کی قسم جو تیرے اوپر ہے کھا اور پی اور بات کر، میں نے تجھے قسم توڑنے سے مامون بنا دیا، خدا کی قسم جب تک مجھے حکم نہ ہو نہ کچھ کرتا ہوں نہ کچھ کہتا ہوں۔ (اخبار الاخیار)

خدارا! صحابہ کے مقابلے میں سردارِ اولیاء محبوب سبحانی کی تحقیر نہ کریں۔

اس پہ یہ قہر کے اب چند مخالف تیرے   چاہتے ہیں کہ گھٹا دیں کہیں پایہ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے   یہ گھٹائیں، اُسے منظور بڑھانا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے   جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر   بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

کیا صحابہ کا ذِکر اللہ کے ذِکر کی طرح ہے؟ کیا انبیاء کا ذِکر اللہ کے ذِکر کی طرح ہے؟ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "**اسمی کاسم اعظم**" یعنی میرا نام اسمِ اعظم کی طرح ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ آنجناب کی شان میں کیا خوب فرماتے ہیں:

ملک مشغول ہیں اس کی ثنا میں   وہ تیرا ذاکر و شاغل ہے یا غوث
جو تیرا نام لے ذاکر ہے پیارے   تصور جو کرے شاغل ہے یا غوث
جو سر دے کر ترا سودا خریدے   خدا دے عقل وہ عاقل ہے یا غوث
کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا   رضاؔ تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

علمائے کرام سے بے حد احترام کے ساتھ مودبانہ گزارش ہے کہ صحابہ کرام کی تصریح ضرور کریں مگر ساتھ میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تحقیر نہ کریں۔ یہ نہ کہیں کہ ایسے سیکڑوں غوث الاعظم کسی ادنیٰ صحابی جیسے نہیں ہو سکتے نہ یہ کہیں کہ غوث اعظم امیر معاویہ کے گھوڑے کے ناک کے پانی جیسے بھی نہیں۔ کیا ایسی باتوں سے حضور یا صحابہ خوش ہوں گے؟ سردارِ اولیاء کے معاملے میں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔

دیکھ اُڑ جائے نہ ایمان کا طوطا تیرا

سیدنا غوث الاعظم کا اپنی شان وعظمت کا خود اظہار (قصیدہ):

سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا حق ہے کہ ساری زندگی مبارک میں اور اس وقت بھی جب آپ چھوٹے بچے تھے، آپ کے مقدس دہنِ مبارک سے سوائے سچ اور حق کے کچھ

نہ نکلا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کی بزرگی کا مدار کس بات پر ہے تو فرمایا صدق پر کہ میں نے ساری زندگی کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب سبحانی کو حکم دیا کہ وہ اپنی شان وعظمت کا خود اظہار کریں تا کہ لوگوں کو آپ کی شان وعظمت کا کچھ علم ہو سکے۔ اپنے ایک قصیدہ مبارک میں آنجناب رضی اللہ عنہ نے اذنِ الٰہی سے اپنے بارے میں جو کچھ فرمایا ان میں سے چند اشعار اور اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

قصیدہ

شَهِدْتُ بِاَنَّ اللّٰهَ وَالِی الْوِلَایَةِ　　وَقَدْ مَنَّ بِالتَّصْرِیْفِ فِی کُلِّ حَالَةِ

میں نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ والی ہے کُل ولایت کا اور اس نے ہر حالت میں ردّ وبدل کا احسان فرمایا ہے۔

سَقَانِیْ رَبِّیْ مِنْ کُئُوْسِ شَرَابِهٖ　　وَاَسْکَرَنِیْ حَقًّا فَهِمْتُ بِسَکْرَتِیْ

میرے رب نے مجھ کو اپنی شراب محبت کے پیالے پلائے اور درحقیقت اس نے مجھے مست کر دیا۔ پس میں اپنی شرابِ معرفت سے مست ہو گیا۔

وَمَلَّکَنِیْ جَمْعَ الْجِنَانِ وَمَاحَوَتْ　　وَکُلُّ مُلُوْکِ الْعَالَمِیْنَ رَعِیَّتِیْ

اور مجھے اس نے تمام دلوں کا اور جن اسرار پر دل حاوی ہیں اُن کا مالک بنایا اور عالمین کے جملہ سلاطین میری رعیت ہیں۔

رُفِعْتُ عَلٰی مَنْ یَدَّعِی الْحُبَّ فِی الْوَرٰی　　فَقَرَّ بَنِی الْمَوْلٰی وَفُزْتُ بِنَظْرَةِ

ہر مدعیِ محبت پر مخلوق میں مجھے اُونچا کر دیا گیا، پھر دوست نے مجھے قریب کر لیا اور میں دیدار میں کامیاب ہو گیا۔

وَقَفْتُ بِبَابِ اللّٰهِ وَحْدِیْ مُوَحِّدًا　　وَنُوْدِیْتُ یَاجِیْلَانِی ادْخُلْ لِحَضْرَتِیْ

میں تنہا اللہ تعالیٰ کو ایک جانتے ہوئے حق تعالیٰ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور مجھے پکارا گیا اے جیلانی میری حضوری کے لیے داخل ہو۔

وَنُوْدِیْتُ یَاجِیْلَانِی ادْخُلْ وَلَاتَخَفْ　　عُطِیْتُ اللِّوٰی مِنْ قَبْلِ اَهْلِ الْعِنَایَةِ

اور مجھے پکارا گیا اے جیلانی داخل ہو اور مت ڈرو کہ میں اہل عنایت سے پہلے جھنڈا دیا گیا ہوں۔

وَاَعْلَمُ نَبَاتَ الْاَرْضِ كَمْ هُوَ نَابِتٌ وَاَعْلَمُ رَمْلَ الْاَرْضِ كَمْ هُوَ رَمْلَةِ

اور میں زمین کے اُگاؤ کو جانتا ہوں کہ وہ کتنا اُگا ہوا ہے اور میں زمین کی ریت کو جانتا ہوں کہ وہ کتنے ذرّے ہیں۔

وَاَعْلَمُ عِلْمَ اللّٰهِ اُحْصِیْ حُرُوْفَهٗ وَاَعْلَمُ مَوْجَ الْبَحْرِ كَمْ هُوَ مَوْجَةِ

اور میں اللہ عزّ وجل کے علم کو جانتا ہوں اور مجھے اس کے حروف کا شمار ہے اور میں سمندر کی موجوں کو جانتا ہوں کہ وہ کتنی ہیں۔

وَلِیْ نَشْأَةٌ فِیْ الْحُبِّ مِنْ قَبْلِ آدَمٍ وَسِرِّیْ سَرٰی فِی الْكَوْنِ مِنْ قَبْلِ نَشْأَتِیْ

اور میری کونپل محبت میں آدم سے پہلے ہے اور میرا بھید جہان میں میری پیدائش سے پہلے پوشیدہ ہے۔

وَسِرِّیْ فِی الْعُلْیَا بِنُوْرِ مُحَمَّدٍ فَكُنَّا بِسِرِّ اللّٰهِ قَبْلَ النُّبُوَّةِ

اور میرا بھید بلندیوں میں محمد ﷺ کے نور کے ساتھ تھا۔ پس ہم اللہ کے بھید میں نبوت سے پہلے تھے۔

مَلَكْتُ بِلَادَ اللّٰهِ شَرْقًا وَمَغْرِبًا وَاِنْ شِئْتُ اَفْنَيْتُ الْاَنَامِ بِلَحْظَتِیْ

میں اللہ کے شہروں کے مشرق و مغرب کا مالک ہو گیا اور اگر میں چاہوں تو لوگوں کو اپنی آنکھ جھپکنے میں فنا کر دوں۔

وَلَوْلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ بِالْعَهْدِ سَابِقًا لَاَغْلَقْتُ بُنْيَانَ الْجَحِیْمِ بِعَظْمَتِیْ

اور اگر رسول اللہ ﷺ کا عہد سابق (بخششِ اُمّت کے لیے) نہ ہوتا تو میں ضرور اپنی عظمت کی وجہ سے عمارت جہنم کے دروازے بند کر دیتا۔

مُرِیْدِیْ لَكَ الْبُشْرٰی تَكُوْنُ عَلَی الْوَفَا اِذَا كُنْتَ فِیْ هَمٍّ اُغِثْكَ بِهِمَّتِیْ

اے میرے مرید تیرے لیے خوشخبری ہے، تو وفادار رہ، جبکہ جو غم میں ہو گا میں اپنی ہمت کے ساتھ تیری دستگیری کروں گا۔

مُرِیْدِیْ تَمَسَّكْ بِیْ وَكُنْ بِیْ وَاثِقًا لِاَحْمِیْكَ فِی الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ

اے میرے مرید میرے دامن کو مضبوطی سے تھام لے اور میرے ساتھ پختہ ارادت ہو تا کہ میں دُنیا میں اور قیامت کے روز تیری حمایت کروں۔

أَنَا كُنتُ فِی الْعُلْیَا بِنُوْرِ مُحَمَّدٍ وَفِی قَابَ قَوْسَیْنِ اجْتِمَاعُ الْاَحِبَّةِ

میں بلندیوں میں نورِ محمد ﷺ کے ساتھ تھا اور قاب قوسین میں پیاروں کا ملاپ تھا۔

أَنَا كُنتُ مَعَ نُوحٍ أَشَاهِدُ فِی الْوَرٰی بِحَارًا وَطُوفَانًا عَلٰی کَفِّ قُدْرَتِی

میں نوح علیہ السلام کے ساتھ تھا، مشاہدہ کرتا تھا مخلوق میں دریاؤں اور طوفان کا اپنے دست قدرت پر۔

وَكُنتُ مَعَ اِبْرَاهِیمَ مُلْقیً بِنَارِہٖ وَمَا بُرِّدَ النِّیْرَانَ اِلَّا بِدَعْوَتِی

اور میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا جبکہ وہ آگ میں ڈالے گئے اور آگ ٹھنڈی نہ ہوئی مگر میری دُعا سے۔

اَنَا كُنتُ مَعَ وَاعِی الذَّبِیْحِ فِدَاءَہٗ وَمَا نَزَلَ الْکَبْشَانِ اِلَّا بِفُتُوَتِی

میں اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کے والد کے ساتھ تھا، ان کے فدیے کے وقت، اور مینڈھا نازل نہ ہوا مگر میری ہی جوانمردی کے سبب۔

أَنَا كُنتُ مَعَ یَعْقُوبَ فِی غَشْوِ عَیْنِہٖ وَمَا بَرِئَتْ عَیْنَاہُ اِلَّا بِتَفْلَتِی

میں یعقوب علیہ السلام کے ساتھ تھا جب ان کی آنکھ بند ہوگئی (وہ نابینا ہوگئے) اور نہیں لوٹ آئیں ان کی آنکھیں مگر میرے لعابِ دہن سے۔

اَنَا كُنتُ مَعَ اِدْرِیْس لَمَّا ارْتَقَی الْعُلَا وَاَقْعَدْتُہُ الْفِرْدَوْسَ اَحْسَنَ جَنَّتِی

میں ادریس علیہ السلام کے ساتھ تھا جبکہ وہ بلندی پر چڑھے اور میں نے ان کو اپنی بہترین جنت میں بٹھا دیا۔

اَنَا كُنتُ مَعَ مُوسٰے مُنَاجَاةَ رَبِّہٖ وَمُوسٰی عَصَاہُ مِنْ عَصَایَ اسْتَمَدَّتِ

میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا جب وہ اپنے رب سے مناجات کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا، میرے استمداد کے عصاؤں میں سے (ایک عصا) تھا۔

أَنَا كُنتُ مَعَ اَیُّوبَ فِی زَمَنِ الْبَلَا وَمَا بَرِئَتْ بَلْوَاہُ اِلَّا بِدَعْوَتِی

میں ایوب علیہ السلام کے ساتھ تھا جب وہ آزمائش میں مبتلا تھے اور ان کی بلا

دور نہ ہوئی مگر میری دُعا سے۔

اَنَا کُنتُ مَعَ عِیسٰی وَفِی المَھْدِ نَاطِقًا　　　وَأَعْطَیْتُ دَاؤدَا حَلَاوَۃَ نَغْمَۃِ

میں عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ تھا جبکہ وہ جھولے میں بولتے تھے اور میں نے ہی داوٗد کو نغمے کی مٹھاس عطا کی۔

أَنَـا الْـوَاحِـدُ الْـفَـرْدُ الْـکَبِیْرُ بِذَاتِـہٖ　　　أَنَا الْوَاصِفُ الْمَوْصُوفُ شَیْخُ الطَّرِیْقَۃِ

میں اپنی ذات میں یگانہ اور فرد کبیر ہوں۔ میں صفت کرنے والا صفت کیا گیا شیخِ طریقت ہوں۔

وَمَا قُلْتُ ھٰذَا الْقَوْلَ فَخْرًا وَّاِنَّمَا　　　اَتَی الْاِذْنُ حَتّٰی یَعْرِفُوْنَ حَقِیْقَتِیْ

اور میں نے یہ بات بطور فخر نہیں کہی بلکہ مجھے حکم آیا ہے یہاں تک کہ لوگ میری حقیقت کو پہچان لیں۔

فَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ طٰہٰ مُحَمَّدٌ　　　أَنَا عَبْدُ الْقَادِرِ شَیْخُ کُلِّ طَرِیْقَۃِ

تو میرے نانا رسول اللہ ﷺ طٰہٰ محمد ہیں۔ میں عبدالقادر ہر طریقت کا شیخ ہوں۔

مآخذ

کتاب	مصنف
قرآن مجید	
بخاری شریف	امام بخاری
ترمذی شریف	امام ترمذی
شرح مشکوٰۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
جذب القلوب	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
اخبارالاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
مصنف	امام عبدالرزاق
احیاءالعلوم	امام غزالی
کیمیائے سعادت	امام غزالی
تحقیق العارفین فی الحقیقت سیدالمرسلین	غلام محمد (امام جلوی)
تفسیر روح البیان	علامہ اسماعیل حقی
فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
ہفت مسئلہ	حاجی امداداللہ مہاجر مکی
امدادالمشتاق	حاجی امداداللہ مہاجر مکی

المورد الروی فی مولد النبی	ملا علی قاری
خزینہ معارف (ابریز شریف)	سید عبدالعزیز دباغ
قصیدہ بردہ	امام شرف الدین بوصیری
جلاء الافہام	حافظ ابن قیم
القول البدیع	علامہ سخاوی
انوار القدسیہ	امام شعرانی
افضل الصلوٰۃ	امام یوسف بن اسماعیل نبہانی
جواہر البحار	امام یوسف بن اسماعیل نبہانی
کتاب الشفا	قاضی عیاض
شواہد النبوۃ	مولانا جامی
مثنوی مولانا روم	مولانا جلال الدین رومی
بہجۃ الاسرار و معدن الانوار	امام نور الدین، ابوالحسن علی بن یوسف شطنونی
سلطان الفقر۔ ملفوظات صوفی غلام محمد قادری	احمد حسن قادری
ملفوظات	صوفی برکت علی
تقاریر	مولانا محمد شفیع اوکاڑوی
تقاریر	ڈاکٹر محمد طاہر القادری
بیانات	امیر اہلسنّت محمد الیاس قادری

مکتبہ صوفیاء کی معرکۃ الآراء تصانیف

سیدنا غوث الاعظم کے فضائل پر اس صدی کی عظیم ترین تصنیف

حیات المعظم فی مناقب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

بارہ اماموں کے فضائل ومناقب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کی شرح